سلسلۂ آصفیہ

جلد ہشتم

الکلام

یعنی علم کلام جدید جسمین اسلام کے تمام عقائد کو فلسفۂ حال کے مقابلہ مین نہایت بسط اور خوبی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے

مؤلفہ

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

معتمد دار العلوم ندوۃ العلماء فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی سابق ناظم سررشتۂ علوم و فنون حیدر آباد ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

جسکو

مولوی سلیمان صاحب ناظم انجمن المعین ندوۃ العلماء نے انجمن المعین کی طرف سے

عمدۃ المطابع لکھنؤ مین چھپوایا

سلسلۂ آصفیہ

الکلام

حصہ دوم

یعنی علم کلام جدید، جسمین اسلام کے عقائد کو فلسفۂ حال کے مقابلہ مین ثابت کیا گیا ہے

مرتبہ

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی سابق ناظم سررشتۂ علوم وفنون حیدرآباد و پروفیسر
مدرسۃ العلوم علیگڈھ و فیلو آف الہ آباد یونیورسٹی و ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ و معتمد دار العلوم
ندوۃ العلماء

عمدۃ المطابع لکھنؤ مین چھپا

سنہ ۱۹۰۶ء

فہرست الکلام حصہ دوم

مذہب اسلام تین چیزون کے مجموعہ کا نام ہے

عقائد، عبادات، اخلاق -

عقائد مین اصل الاصول دو ہین، وجود باری، اور نبوت، اس کتاب مین انھی دو اصول سے بحث ہے، باقی مباحث تبعًا اور ضمنًا آگئے ہین -

قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا مہمات عقائد مین ہے لیکن اس کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے، اس لئے اس حصہ مین مین نے اس سے بحث نہین کی، بلکہ اس کو ایک مستقل کتاب کے لئے اُٹھا رکھا ہے جو الکلام کا دوسرا حصہ ہوگا اور جس کا نام علوم القرآن ہو گا -

عبادات اور اخلاق کا بیان بھی اسی کتاب مین آجائیگا اس طرح علم کلام کا سلسلہ تین جلدون مین پورا ہو جائے گا، ہیکلین کی سوانح عمریان اس سلسلہ سے الگ ہین خدا ان کے اتمام کے بھی اسباب بہم پہونچا ہے -

شبلی نعمانی

حیدرآباد دکن

عنوان ز گفتگو بہ حقیقت رسید لیک ❀ افسانہ ز گوہر نایاب سفتنی ست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ دوم

علم کلام جدید

حامداً و مصلیاً

جدید علم کلام کا مایۂ خمیر اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے حصہ کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین وہی قدیم علم کلام ہے تاہم اس کی تدوین و ترتیب جس حیثیت سے ہو گی چاہیے اسکے لحاظ سے اسکو جدید بھی کہ سکتے ہین۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

تم پڑھ آئے ہو کہ علم کلام کے مختلف طریقے اور مختلف شاخین ہین ان مین جو طریقہ حقیقی علم کلام کہلانے کا مستحق تھا وہ قدما کا علم کلام تھا لیکن قدما کی ایک تصنیف بھی آج موجود نہین ہے، ملل و نحل، کتب کلامیہ، اور تفسیر کبیر مین جستہ جستہ قدما کے اقوال مذکور ہین۔ ان تمام اقوال کو اس استقصا کے ساتھ جمع کرنا چاہیے کہ علم کلام کے اہم مسائل آجائین۔

متاخرین مین سے جو لوگ اہل حقیقت تھے انھون نے یہ طرز اختیار کیا تھا کہ درسی کتابین عام مذاق کے موافق لکھتے تھے، اور اپنے اصلی خیالات و معتقدات دوسری کتابون مین ظاہر کرتے تھے جنکی نسبت یہ بھی تاکید کرتے تھے کہ عوام پر ظاہر نہ کی جائین۔ مثلاً علم کلام مین امام **غزالی** کی متعدد تصنیفات ہین قواعد العقائد۔ اقتصاد۔ تہافۃ الفلاسفہ وغیرہ وغیرہ

لیکن اُنھون نے خود جابجا مختلف کتابون مین تصریح کی ہے کہ ان تصنیفات مین جو باتین مذکور ہین وہ اصلی حقائق نہین ہین بلکہ عوام کے عقائد محفوظ رکھنے کے لیے ہین۔

امام غزالی نے تصریح کی ہے کہ کتب متداولہ مین انھون نے اصل حقیقت ظاہر نہین کی

جواہر القرآن[1] مین جہان علوم قرآنی کا بیان کیا ہے لکھتے ہین۔

اَلثَّانِیْ هُوَ مُحَاجَّةُ الْکُفَّارِ وَمُجَادَلَتُهُمْ وَمِنْهُ
یَنْشَعِبُ عِلْمُ الْکَلَامِ الْمَقْصُوْدِ لِرَدِّ الضَّلَالَاتِ
وَالْبِدَعِ وَاِزَالَةِ الشُّبُهَاتِ وَیَتَکَفَّلُ بِهِ الْمُتَکَلِّمُوْنَ
وَهٰذَا الْعِلْمُ قَدْ شَرَحْنَاهُ عَلٰی طَبَقَتَیْنِ سَمَّیْنَا
الطَّبَقَةَ الْقَرِیْبَةَ مِنْهَا الرِّسَالَةَ الْقُدْسِیَّةَ وَالطَّبَقَةَ
الَّتِیْ فَوْقَهَا الْاِقْتِصَادَ فِی الْاِعْتِقَادِ وَمَقْصُوْدُ
هٰذَا الْعِلْمِ حِرَاسَةُ عَقِیْدَةِ الْعَوَامِّ عَنْ تَشْوِیْشِ
الْمُبْتَدِعَةِ وَلَا یَکُوْنُ هٰذَا الْعِلْمُ مَلِیًّا بِکَشْفِ
الْحَقَائِقِ وَبِجِنْسِهٖ یَتَعَلَّقُ الْکِتَابُ الَّذِیْ صَنَّفْنَاهُ
فِیْ تَهَافُتِ الْفَلَاسِفَةِ وَالَّذِیْ اَوْرَدْنَاهُ فِی الرَّدِّ
عَلَی الْبَاطِنِیَّةِ فِی الْکِتَابِ الْمُلَقَّبِ بِالْمُسْتَظْهِرِیْ
وَفِیْ کِتَابِ حُجَّةِ الْحَقِّ وَقَاصِمِ الْبَاطِنِیَّةِ وَکِتَابِ
الْمُفَصَّلِ الْخِلَافِ فِیْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ

دوسرا علم۔ کافرون سے بحث و مجادلہ کرنا ہے اور
اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے جس کا مقصود یہ ہے
کہ بدعتون کو رد کیا جائے اور شبہے زائل کیے جائیں
اور اس علم کے متکفل متکلمین ہین۔ اور ہم نے اس
علم کو دو انداز پر لکھا ہے، جو معمولی ہے اسکا نام رسالہ
قدسیہ ہے اور جو اس سے بلند تر ہے اسکا نام
الاقتصاد فی الاعتقاد ہے اور مقصود اس علم کا
عوام کے عقیدہ کو بدعتون کی رخنہ اندازی سے
محفوظ رکھنا ہے اور اس علم مین حقائق ظاہر نہین
کیے جاتے۔ اور اسی قسم کی ہماری وہ کتابیں ہین جسکا نام
تہافۃ الفلاسفہ ہے اور مستظہری جو باطنیہ کی رد
مین ہے اور حجۃ الحق۔ و قاصم الباطنیہ۔ و کتاب المفصل
للخلاف فی اصول الدین۔

[1] جواہر القرآن کا کامل نسخہ میرے پاس موجود ہے لیکن اسکے کچھ اجزا مصر مین چھپ گئے ہین اور یہ عبارت اسمین موجود ہے

ان تصریحات سے قطع نظر کرکے امام صاحب کی کتابین خود اس بات کی شہادت
دے رہی ہین وہی عقائد جنکو کتب کلامیہ مین بڑے زور شور سے ثابت کرتے ہین، دوسری
تصنیفات مین اُن کی نسبت لکھدیتے ہین کہ ان عقائد کی اصلی حقیقت کچھ اور ہے
جن تصنیفات مین امام صاحب نے اسلام کے اصلی عقائد اور اُن کے حقائق بیان
کئے ہین ان کو نہایت اہتمام سے مخفی رکھنا چاہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود مختصر اور
سہل ہونے کے وہ رواج پذیر نہین، خدا کی ذات، صفات، افعال، اور قیامت کے متعلق
عقائد کو اُنھون نے احیاء العلوم وغیرہ مین نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن جواہر القرآن مین لکھتے ہین کہ

وَهٰذِهِ الْعُلُوْمُ الْاَرْبَعَةُ اَعْنِیْ عِلْمَ الذَّاتِ
وَالصِّفَاتِ وَالْاَفْعَالِ وَعِلْمَ الْمَعَادِ اَوْدَعْنَا
مِنْ اَوَائِلِهٖ وَمَجَامِعِهِ الْقَدْرَ الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْهُ
مَعَ قُصُوْرِ الْعُمُرِ وَكَثْرَةِ الشَّوَاغِلِ وَالْاٰفَاتِ
وَقِلَّةِ الْاَعْوَانِ وَالرُّفَقَاءِ بَعْضَ التَّصَانِیْفِ
لٰكِنَّا لَمْ نُظْهِرْهُ فَاِنَّهٗ یَكِلُّ عَنْهُ اَكْثَرُ الْاَفْهَامِ
وَیَسْتَضِرُّ بِهِ الضُّعَفَاءُ وَهُوَ اَكْثَرُ الْمُتَرَسِّمِیْنَ
بِالْعِلْمِ بَلْ لَا یَصْلُحُ اِظْهَارُهٗ اِلَّا عَلٰی مَنْ اَتْقَنَ
عِلْمَ الظَّاهِرِ وَسَلَكَ فِیْ قَمْعِ الصِّفَاتِ
الْمَذْمُوْمَةِ مِنَ النَّفْسِ طُرُقَ الْمُجَاهَدَةِ حَتّٰی

یہ چارون علوم یعنی علم ذات وصفات وافعال ومعاد
انکی ابتدائی اور جامع اصول، جہانتک مجھکو معلوم ہوسکے
مین نے بعض تصنیفات مین درج کئے۔ باوجودیکہ عمر کم تھی
اور شغل بہت تھے، اور دوست ومددگار کمیاب تھے،
لیکن ان تصنیفات کو مین نے ظاہر نہین کیا کیونکہ اکثر لوگ
اُن کو سمجھ نہ سکتے اور اُن سے اُنکو نقصان پہنچتا اور
مدعیان علم اکثر اسی قسم کے ہین، ان تصنیفات کو صرف
ان لوگون کے سامنے ظاہر کرنا چاہئے جنکو علم ظاہر مین
کمال حاصل ہوچکا ہو اور صفات مذمومہ کے دور
کرنے مین اسقدر کوشش کرچکے ہون کہ ان کا نفس بالکل

نفسه واستقامت على سواء السبيل فلم يبق
له حظ في الدنيا ولم يبق له طلب الا الحق
ورزق مع ذلك فطنة وقادة وقريحة
منقادة وذكاء بليغا وصفاء تاما
وحرام على من يقع ذلك الكتاب بيده
ان يظهره الا على من اجتمعت فيه هذه الصفات

ہوگیا ہو اور دنیا کی خواہش بالکل باقی نہ رہی ہو، اور
طلب حق کے سوا انکی اور کچھ غرض نہ ہو۔ ان سب باتونکے
ساتھ ذکی الطبع۔ خوش فہم۔ حدید الذہن سلیم الطبع ہون
جس کے ہاتھ مین یہ تصنیف پڑجائے اسپر حرام ہے کہ کسی شخص کے
سامنے اُس کو ظاہر کرے بجز ایسے شخص کے جسمین یہ تمام
صفات جمع ہون

امام صاحب کے ان الفاظ پر خوب غور کرو۔ فرماتے ہین کہ "اصلی حقائق لوگون کے سامنے بیان کیے جائین تو اُن کی سمجھ مین نہ آئین اور اُن کو نقصان پہنچائین"۔ اس پر شاید کسی کو خیال ہوتا کہ یہ تو عوام کی حالت ہے۔ علما کے سامنے اظہار حقائق مین کیا تامل ہو سکتا ہے اسلئے جتا دیا کہ آج کل جو علما ہین وہ عوام ہی کے ہم پایہ ہین

مخاطب صحیح کے لیے بڑی قید یہ لگاتے ہین کہ "دنیا سے اُس کو کسی قسم کی غرض نہ ہو" اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقائق اصلی کے ظاہر کرنے پر، عوام برہم ہوتے ہین، اسلئے اس منصب کا وہ مستحق ہے جس کو عوام کی کچھ پروا نہ ہو۔

امام رازی کی نسبت اُن کے حالات مین تم پڑھ آئے ہو کہ وہ اپنے اصلی خیالات کس کس غیر معمولی پیرایہ مین ظاہر کرتے ہین، ابن رشد نے اپنی تصنیفات مین صاف لکھدیا ہے کہ جمہور کے سامنے اصلی حقائق ظاہر نہ کرنی چاہیین۔

اب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانون کو

سر بمہر رکھا تھا ان کو وقف عام کر دے۔

قدیم علم کلام مین صرف عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے مین مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی، ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے، یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہین جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہین ان کے نزدیک، تعدد نکاح۔ طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب مین جائز ہونا، اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، اس بنا پر علم کلام مین اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنی ہو گی۔ اور یہ حصہ بالکل نیا علم کلام ہو گا

سب سے بڑی ضروری چیز یہ ہے کہ دلائل اور براہین ایسے صاف اور سادہ پیرایہ مین بیان کی جائین کہ سریع الفہم ہونے کے ساتھ دل مین اتر جائین۔ قدیم طریقہ مین پیچ در پیچ مقدمات، منطقی اصطلاحات۔ اور نہایت دقیق خیالات سے کام لیا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے مخالف۔ مرعوب ہو کر چپ ہو جاتا تھا لیکن اس کے دل مین یقین اور وجدان کی کیفیت نہین پیدا ہوتی تھی

غرض، جدید علم کلام کے ترتیب دینے مین، انھی امور مذکورہ کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے اخیر مین تخصیص کے ساتھ، ان بزرگون کے نام بتا دینے بھی ضرور ہین۔ جو اس علم کلام کے ماخذ ہین۔ اور وہ یہ ہین۔ ابومسلم اصفہانی۔ قفال۔ ابن حزم۔ امام غزالی۔ راغب اصفہانی۔ ابن رشد۔ امام رازی۔ شاہ ولی اللہ

علوم جدیدہ اور مذہب

تمام دنیا مین ایک غل مچ گیا ہے کہ "علوم جدیدہ اور فلسفہ جدیدہ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کر دی ہے" فلسفہ اور مذہب کے معرکہ مین ہمیشہ اس قسم کی صدائین بلند ہوتی رہی ہین، اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہین، لیکن آج یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ فلسفہ قدیمہ قیاسات اور ظنیات پر مبنی تھا اس لئے وہ مذہب کا استیصال نہ کرسکا بخلاف اسکے فلسفہ جدیدہ تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، اس لئے مذہب کسی طرح اُسکے مقابلہ مین جانبر نہین ہوسکتا

یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اٹھکر تمام دنیا مین گونج اٹھی ہے، لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ اس واقعیت مین مغالطہ کا کس قدر حصہ شامل ہوگیا ہے۔

یونان مین فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جس مین طبعیات۔ عنصریات فلکیات۔ الٰہیات مابعد الطبیعہ۔ سب کچھ شامل تھا لیکن یورپ نے نہایت صحیح اصول پر اس کے دو حصے کر دیے، جو مسائل، مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہوگئے ان کو سائنس کا لقب دیا جو مسائل، تجربہ اور مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے اُن کا نام فلسفہ رکھا۔

مسائل جدیدہ، کی نسبت یہ عام خیال جو پھیلا ہوا ہے کہ وہ قطعی اور یقینی ہین اس مین پہلی غلطی یہ ہے کہ جو چیزین قطعی اور یقینی ہین وہ صرف سائنس کے مسائل ہین اور یہی وجہ ہے کہ یورپ مین انکی نسبت طبقہ علما مین کسی قسم کا اختلاف نہین۔ لیکن فلسفہ کی یہ حالت نہین ہے یورپ مین آج فلسفہ کے بیسون اسکول ہین، اور ان مین اس شدت سے اختلاف ہے کہ اگر ان سب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ہی چیز سفید بھی ہوسکتی ہے

اور سیاہ بھی،

اب دیکھنا چاہیئے کہ سائنس کو مذہب سے کیا تعلق ہے۔ سائنس جن چیزون کا اثبات یا ابطال کرتا ہے، مذہب کو ان سے مطلق سروکار نہین، عناصر کس قدر ہین؟ پانی کن چیزون سے مرکب ہے؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ نور کی کیا رفتار ہے؟ زمین کے کسقدر طبقات ہین؟ یہ اور اس قسم کے مسائل، سائنس کے مسائل ہین، مذہب کو ان سے کچھ سروکار نہین، مذہب جن چیزون سے بحث کرتا ہے وہ یہ ہین، خدا موجود ہے یا نہین؟ مرنے کے بعد اور کسی قسم کی زندگی ہے یا نہین؟ خیر و شر یا نیکی و بدی کوئی چیز ہے یا نہین؟ ثواب و عقاب ہی یا نہین؟ ان مین سے کون ہی چیز ہے جس کو سائنس ہاتھ لگا سکتا ہے؟ سائنس کے اساتذہ نے جب کہا ہے تو یہ کہا ہے کہ ہم کو ان چیزون کا علم نہین یا یہ کہ، یہ چیزین مشاہدہ اور تجربہ کے احاطہ سے باہر ہین، یا یہ کہ ہم ان باتون کا یقین نہین کرتے کیونکہ ہم صرف اُن باتون کا یقین کرتے ہین جو تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو سکتی ہین، کوتاہ نظر عدم علم کو علم عدم سمجھ جاتے ہین۔ سائنس والے کہتے ہین کہ ہم کو یہ چیزین معلوم نہین، کوتاہ بین اسکے یہ معنے لیتے ہین کہ ہم کو ان چیزون کا نہ ہونا معلوم ہے، حالانکہ ان دونون باتون مین زمین و آسمان کا فرق ہے۔

یورپ مین تقسیم عمل کے اصول پر عمل ہے یعنی تمام اہل فن نے اپنے اپنے کام تقسیم کر لئے ہین اور ہر فرقہ اپنے کام مین اس طرح مشغول ہے کہ اس کو دوسری چیزون سے مطلق غرض نہین۔ ان مین ایک فرقہ مادیین کا (میٹرلیسٹ) ہے جس کا موضوع بحث

مادہ ہے۔ اس گروہ نے مادہ کے متعلق نہایت عجیب عجیب اسرار معلوم کیئے ہین یہی فرقہ ہے
جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مذہب کا۔ خدا کا۔ روح کا منکر ہے لیکن درحقیقت وہ
ان باتون کا منکر نہین بلکہ یہ کہتا ہے کہ ان چیزون کا ثبوت ہمارے دائرۂ تحقیقات سے باہر ہے
پروفیسر لیتیرے LETTRE جو اس گروہ کا بہت بڑا عالم ہے لکھتا ہے کہ "چونکہ ہم کائنات
کی آغاز اور انجام سے ناواقف ہین اسلئے ہمارا یہ منصب نہین کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا
انکار کرین جسطرح ہمارا یہ کام بھی نہین کہ ہم اس کو ثابت کرین۔ مادی مذہب اپنے آپکو علل اوّل
کے وجود کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے کیونکہ اس کو اسکے متعلق کسی قسم کا علم نہین۔ ہم
حکمت الٰہی کے نہ منکر ہین نہ مثبت۔ ہمارا کام نفی و اثبات سے بالکل الگ رہنا ہے"

فرانس کے ایک طبّی رسالہ مین ایک دفعہ ایک مضمون چھپا تھا کہ "ادراک و فکر اس
فاسفورس سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ مین ہے اور فضائل انسانی مثلاً شجاعت خلاقی
شرافتِ نفس، یہ سب اعضائے انسانی کی کہربائی تموجات ہین" اس پر فرانس کے ایک
مشہور فاضل کامل فلامریان نے جو طبعیات کا بڑا ماہر ہے، ایک مضمون لکھا جس مین اسنے
مضمون نگار سے اسطرح خطاب کیا۔

"یہ کس نے تم سے کہا؟ لوگون کو گمان ہوگا کہ تمھارے استادون نے تمکو یہ سکھایا
ہوگا۔ لیکن یہ گمان صحیح نہین، مین نہین جانتا کہ یہ بیہودہ دعوی زیادہ تر قابل تعجب ہے یا مدعیانِ
علم کی جرأت؟ نیوٹن جب کوئی مسئلہ بیان کرتا تھا تو کہتا تھا کہ "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے"
کیپلر کہا کرتا تھا کہ "تم ان چیزون کو فرض کرلو" بخلاف اس کے تم لوگ کہتے ہو کہ "ہم ثابت

کرتے ہین" "وہم باطل کرتے ہین" "یہ بےوجود ہے" "یہ معدوم ہے" "علم نے یہ فیصلہ کر دیا ہے" "علم نے یہ ثابت کر دیا ہے" حالانکہ تمھارے ان دعوون مین علمی دلائل کی جھلک بھی نہین۔ تم اپنی حماقت سے دلیری کر کے علم پر اس قدر بڑا بار ڈال دیتے ہو؟ جو باتین تم کہتے ہو اگر علم کے کانین پڑجائین (اور پڑنی ہی چاہیین کیونکہ تم علم کے فرزند ہو) تو تمھاری حماقت پر اس کو ہنسی آجائیگی تم کہتے ہو کہ "علم مثبت ہے۔ نافی ہے۔ آمر ہے۔ ناہی ہے" یہ باتین کہکر غریب علم کے ہونٹونپر ایسے بڑے بڑے بھاری الفاظ رکھدیتے ہو جس سے ممکن ہے کہ اُس کے دلمین غرور آجائے عزیزو! علم۔ ان تمام مسائل مین سے نہ کسی کا اثبات کرتا ہے نہ انکار"

یہ ہے ماہرین فن کی رائے لیکن بعض کم درجہ کے مادیین، اپنی حد سے بڑھ کر نفی کا دعوے بھی کر بیٹھتے ہین، اور انھی کی ملمع کاریان ہین جس نے ہمارے ملک کے نوجوانونکی آنکھون کو خیرہ کر دیا ہے، اسلیئے ہم کو زیادہ غور و فکر سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے دعوی پر کس قسم کے دلائل قائم کرتے ہین۔ مثال کے لئے ہم ایک اہم مسئلہ یعنی روح کے وجود کے متعلق اُن کے اقوال نقل کرتے ہین

ڈاکٹر شفلر Sheffrer کہتا ہے کہ "روح مادہ ہی کی ایک قوت کا نام ہے جو اعصاب سے پیدا ہوتی ہے" دیرشو کا قول ہے کہ "روح ایک قسم کی میکانکل حرکت ہے" بوشنر Buchner. کہتا ہے کہ "انسان صرف مادہ کا ایک نتیجہ ہے۔ دوبوا ریمون DU:Bois:Reymond کہتا ہے کہ "تمام اعصاب مین ایک کہربائی تموج پایا جاتا ہے اور جس کو فکر کہتے ہین وہ مادہ ہی کی ایک کا نام ہے" دو ترشیہ DU Dutrochet

جو فزیکل سائنس کا بڑا عالم ہے کہتا ہے کہ "زندگی فطرت کا کوئی اصلی قاعدہ نہین بلکہ ایک
اتفاقی استثنا ہے جو مادّہ کے عام اصولون کے مخالفت ہے" فرانس کے ایک مشہور بگرین نے
ایک مضمون مین بیان کیا تھا کہ دماغ مین جو فاسفورس ہے فکر اسی کا ایک نتیجہ ہے اور
جس چیز کو اخلاص، شجاعت اور فضیلت کہتے ہین وہ اعضاے جسمانی کی کہربائی ہوتی ہین
کیا یہ رائین قطعیات مین شمار ہو سکتی ہین۔ کیا انکی بنا پر یہ دعوی کیا جا سکتا ہی کہ علوم
جدیدہ نے روح کو باطل ثابت کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کے حدود
بالکل الگ الگ ہین، سائنس کا جو موضوع ہے مذہب کو اس سے کچھ واسطہ نہین، اور
مذہب کو جن چیزون سے بحث ہے، سائنس کو ان سے کچھ غرض نہین، فلسفہ البتہ کہین کہین مذہب سے
ٹکرا جاتا ہے لیکن قطعیات اور یقینیات مین اس کا شمار نہین اور یہی وجہ ہے کہ اُسکے
مختلف اسکول ہین اور ان اسکولون مین باہم نہایت سخت اختلاف ہے۔ ان مین سے
بعض خدا کے منکر ہین تو بہت سے خدا کے قائل بھی ہین، وجود روح کے مقر بھی ہین اور
منکر بھی۔ اخلاق کے اصول ایک فرقہ کے نزدیک کچھ ہین اور دوسرے کے نزدیک کچھ
اس حالت مین مذہب اس لحاظ سے مطمئن رہتا ہے کہ

چو دیدی کہ در دشمن افتاد جنگ

خلط بحث اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب سائنس اور مذہب دونومین سے کوئی اپنی حد سے
بڑھ کر دوسرے کی حد مین قدم رکھتا ہے اور یہی خلط بحث تھا جس نے لاادری اور منکرین
مذہب کے خیالات کو قوت دی۔ بلکہ درحقیقت اسی خلط بحث نے الحاد اور بیدینی کے

خیالات پیدا کر دیئے۔ یورپ مین پہلے مذہب کو اس قدر وسیع کر دیا گیا تھا کہ کسی قسم کا
کوئی علمی مسئلہ مذہب کی دست اندازی سے بچ نہین سکتا تھا چنانچہ خاص اس مقصد کی
غرض سے اسپین مین مجلس انکویزیشن قائم ہوئی تھی جس کا کام یہ تھا کہ جو لوگ، مذہب کے خلاف
کچھ کہتے ہون ان کی تحقیقات کرے اور ان پر کفر اور ارتداد کا الزام لگائے، چنانچہ اٹھارہ
برس مین یعنی ۱۴۸۱ء سے لیکر ۱۴۹۹ء تک۔ دس ہزار دو سو بائیس آدمی، ارتداد کے الزام مین
زندہ آگ مین جلا دیئے گئے،، اس مجلس نے ابتدائے قیام سے اخیر زمانہ تک تین لاکھ چالیس
ہزار آدمیونکو کافر اور ملحد قرار دیا جن مین سے کئی لاکھ آگ مین جلا دیئے گئے۔

جس قسم کی باتون پر کفر کا الزام لگایا جاتا تھا اس کا اندازہ۔ ذیل کے واقعات سے ہو گا
کوپرنکس نے نظام بطلیوسی سے انکار کر کے یہ ثابت کیا کہ زمین اور چاند وغیرہ آفتاب کے گرد
گھومتے ہین۔ اس پر مجلس انکویزیشن نے فتوی نافذ کیا کہ یہ رائے۔ کتاب مقدس کی مخالف ہے
اور اس بنا پر کوپرنکس مرتد اور کافر ہے۔

گلیلو نے جو دوربین کا موجد گذرا ہے ایک کتاب کوپرنکس کی حمایت مین لکھی جس مین
ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ اس پر مجلس انکویزیشن نے فتوی دیا کہ وہ مستوجب
سزا ہے چنانچہ اس کو گھٹنون کے بل کھڑا کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ سے انکار کرے لیکن
جب وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا تو قید خانہ بھیجدیا گیا۔ اور دس سال تک محبوس رہا۔

کولمبس نے جب کسی نئے جزیرہ کے دریافت ہونے کی امید پر سفر کرنا چاہا تو کلیسا نے
فتوی دیا کہ اس قسم کا ارادہ، مذہب کے خلاف ہے۔

زمین کے کروی ہونے کا خیال جب اول اول ظاہر کیا گیا تو پادریون نے سخت مخالفت کی کہ یہ اعتقاد کتاب مقدس کے خلاف ہے۔

غرض ہر قسم کی علمی ایجادات اور اکتشافات پر پادریون نے کفر و ارتداد کے الزام لگائے تاہم چونکہ علمی ترقی کا اٹھان تھا ان کی کوششین نے کار گیئن، اور علوم و فنون تکفیر ہی کے سایہ مین پھولے اور پھلے۔

پادریون کے تعصبات اور وہم پرستی اگرچہ علم کو دبا نہ سکے لیکن اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ علمی گروہ نے پادریون ہی کے خیالات اور اوہام کو مذہب سمجھا اور اس بنا پر نہایت مضبوطی سے ان کی رائے قائم ہو گئی کہ مذہب جس چیز کا نام ہے وہ علم اور حقیقت کے خلاف ہے یہی ابتدائی خیال ہے، جس کی آواز بازگشت آج تک یورپ مین گونج رہی ہے

بے شبہ اگر مذہب اسی چیز کا نام ہے تو وہ سائنس کے مقابلہ مین کسی طرح نہین ٹھہر سکتا لیکن اسلام نے پہلے ہی دن کہدیا تھا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی تم لوگ دنیا کی باتین خود خوب جانتے ہو، یہ ظاہر ہے کہ سائنس اور تمام علوم جدیدہ اسی دنیا سے تعلق مین معاد اور آخرت سے انکو کچھ واسطہ نہین۔

اس موقع پر نکتہ لحاظ کے قابل ہے کہ اسلام مین سیکڑون فرقے پیدا ہوئے اور ان مین اس قدر اختلاف رہا کہ ایک نے دوسرے کی تکفیر کی، یہ تکفیر بڑے بڑے مسائل پر محدود نہ تھی بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتو پر ایک دوسرے کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن علمی تحقیقات اور اکتشافات کی بنا پر کبھی کسی شخص کی تکفیر نہین کیگئی

قدماے مفسرین کا خیال تھا کہ پانی آسمان سے آتا ہے یعنی آسمان پر ایک دریا ہے، بادل اسی سے پانی لیتے ہین اور برساتے ہین، آفتاب، پانی کے ایک چشمہ مین غروب ہوتا ہے زمین مسطح کروی نہین۔ ستارے جو ٹوٹتے ہین شیاطین کے شعلہ ہاے آتشین ہین، مفسرین ان تمام باتون کو قرآن کے نصوص سے ثابت سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام رازی نے مفسرین قدیم کے یہ تمام اقوال تفسیر کبیر مین نقل کئے ہین،

لیکن جب عباسیون کا علمی دور آیا اور فلسفہ اور طبعیات نے ترقی کی تو لوگون نے ان خیالات کی مخالفت کی، باوجود اسکے خود مفسرین کے گروہ مین سے ایک شخص نے بھی ان لوگون کو کافر اور منکر قرآن نہین کہا، معتزلہ کو محدثین اس بنا پر کافر کہتے ہین کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہین لیکن اس بنا پر کوئی انکو کافر نہین کہتا کہ وہ جادو کی حقیقت سے منکر ہین، غرض جس حد تک تحقیق و تفتیش کیجائے عمومًا یہ ثابت ہوگا کہ مسلمانون نے علمی تحقیقات اور ایجادات کو کبھی مذہب کا حریف مقابل نہین سمجھا۔ بلکہ محققین نے صاف تصریح کر دی کہ اسباب کائنات، اور مسائل ہیئت، وغیرہ نبوت کی سرحد سے بالکل الگ ہین اور انبیا کو تہذیب اخلاق کے سوا اور کسی چیز سے غرض نہین۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین۔

وَمِنْ سِيَرِهِمْ أَنْ لَا يَشْتَغِلُوا بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ بِتَهْذِيبِ النَّفْسِ وَسِيَاسَةِ الْأُمَّةِ كَبَيَانِ أَسْبَابِ حَوَادِثِ الْجَوِّ مِنَ الْمَطَرِ وَالْكُسُوفِ وَالْهَالَةِ وَعَجَائِبِ النَّبَاتِ	انبیاء کا ایک اصول یہ ہے کہ جو امور تہذیب نفس اور قوم کی سیاست سے تعلق نہین رکھتے ان مین وہ مشغول نہین ہوتے مثلا بارش۔ گرہن، اور ہالہ کے اسباب بیان کرنا یا نباتات

والحیوان وبمقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیۃ وقصص الانبیاء والملوک والبلدان ونحوھا الا کلمات یسیرۃ الفھا اسماعھم وقبلھا عقولھم یؤتی بھا فی التذکیر بآلاء اللہ والتذکیر بایام اللہ علی سبیل الاستطراد بکلام اجمالی یسامح فی مثلہ بایراد الاستعارات والمجازات ولھذا الاصل لما سألوا النبی عن لمیۃ نقصان القمر وزیادتہ اعرض اللہ تعالیٰ عن ذلک الی بیان فوائد الشھور فقال یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج

اور حیوانات کے عجائبات یا چاند سورج کی رفتار۔ یا روزانہ حوادث کے اسباب یا انبیاء اور سلاطین کے قصے یا شہروں کے حالات بیان کرنا۔ ان چیزوں سے وہ بحث نہیں کرتے مگر ہاں چند معمولی باتیں جن سے لوگوں کے کان آشنا ہو چکے ہیں اور اُنکی عقلوں نے ان باتوں کو قبول کر لیا ہے، اُن باتوں کو کبھی انبیا علیہم السلام خدا کی شان اور قدرت کی ذکر میں ضمنی طور پر اجمالاً بیان کرتے ہیں اور اسمیں مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت دریافت کی تو خدا نے اُسکے جواب سے اعراض کیا اور اسکے بجائے مہینوں کی تعیین کا فائدہ بیان کر دیا چنانچہ فرمایا ویسئلونک۔ الخ

شاہ صاحب نے انبیاء کی تعلیم کا جو اصول بتایا اس کے بعد کون کہ سکتا ہے کہ مذہب اسلام کو، سائنس اور علوم جدیدہ سے کسی قسم کے خطرہ پہونچنے کا احتمال ہے۔

مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے

انسان[1] اور حیوان کا مقابلہ کرو حیوان اپنے ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ انکا لباس انکے ساتھ ہوتا ہے جو موسم کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے پنجے۔ ناخن۔ ڈنک۔ کے ہتیار اس کے ساتھ پیدا ہوتے ہین۔ جن غذاؤن پر اسکی زندگی کا مدار ہے، پیدا ہونے کے ساتھ اس کو ہر طرف جنگل ہو یا پہاڑ خشکی ہو یا دریا ویرانہ ہو یا آباد۔ ہر جگہ مہیا ملتی ہین۔

انسان کا یہ حال ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اسکے پاس نہیں ہوتا اسکی جلد نازک ہوتی ہے۔ ہاتھ پانون کمزور ہوتے ہین جسم پر کوئی لباس نہین ہوتا دشمن سے حفاظت کے لئے سینگ یا پنجے نہین ہوتے۔ اس کے ساتھ عالم فطرت کی جتنی چیزین اسکے گرد وپیش ہوتی ہین، سب کی سب اُسکے دشمن نظر آتی ہیں، آفتاب کی گرمی، بادلونکی جھڑی، لوؤن کی لپٹ۔ جاڑون کی ٹھنڈ؟ ہر چیز چاہتی ہے کہ اس کو تباہ کر دے۔

ان مصائب اور مشکلات کے مقابلہ کرنے کے لئے قدرت نے اس کو کوئی جسمانی ہتیار نہین دیا، کیونکہ جن بیشمار اور پر زور دشمنون کا اس کو سامنا کرنا تھا، اسکے لئے کوئی جسمانی آلہ کافی نہین ہوسکتا تھا، قدرت نے اُس کو ان ہتیارون کے بدلے ایک ایسی عام قوت

---

[1] اس موقع پر یہ جتا دینا ضرور ہے کہ اس حصہ مین جہنی جا بجا یورپ کے حکما اور علما کے اقوال نقل کئے ہین لیکن ہم نے انکی اصلی تصنیفات کے دیکھنے کی زحمت نہین اٹھائی ہے۔ بلکہ مصر کے ایک فاضل مصنف کی تصنیفات پر اعتماد کیا ہے جسکا نام فرید وجدی بک ہے اس بحث مین اسکی دو تصنیفین ہین تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ اور الحدیقۃ الفکریۃ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جن یورپ فلاسفہ کے اقوال نقل کئے گئے ہین انمین سے اکثر جرمن اور فرنچ کے علما ہین ہمارے نئی تعلیم یافتہ احباب کو جو انگریزی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہین جانتے انکے نام وغیرہ کے متعلق غلطی نہ کرنی چاہئے

عطا کی جسکے ذریعہ سے اُس نے ہر قسم کے دشمنون کے مقابلہ کے لئے جدا سامان طیار کئے دھوپ گرمی - جاڑے، سے محفوظ رہنے کے لئے ہر قسم کے لباس اور مکانات بنائے جانورونکے مقابلہ کے لئے تیغ و خنجر طیار کیے - دریاون پر پل باندھے - پہاڑ تراشے - لوہا پگھلایا - برق کو مسخر کیا ہوا کو تھاما، غرض تھوڑے عرصہ کے بعد دیکھا تو تمام کائنات اُس کے پنجہ اقتدار مین تھی -

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے - لیکن چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ انسانی ترقیان بلند سے بلند نقطہ پر بھی پہنچکر ٹھہر نے نہ پائین، اس لئے وہ (یعنی قدرت) ایک دم بھی انسان کو چین نہین لینے دیتی، وہ اسکے مخالفون کو نئے نئے ہتھیار دیتی جاتی ہے جس سے انسان پر نئے نئے طرح کے حملے کئے جاتے ہین، جن بیماریون کا علاج معلوم ہو چکا تھا، انکے علاوہ نئے امراض پیدا ہوتے ہین - دنیا کا جغرافیہ جس قدر معلوم ہو چکا تھا اسکے علاوہ نئی آبادیون کا پتہ لگتا ہے اور وہان نئے ضروریات پیش آتے ہین - آرام و آسایش کے جو سامان مہیا ہو چکے تھے راحت طلبی کا مادہ بڑھ کر وہ سامان بے کار ہو جاتے ہین، مجبوراً انسان ان نئے مخالفون کے مقابلہ کے لئے نئی طیاریان کرتا ہے، اور ترقی کی جس حد تک پہنچ چکا تھا اس سے آگے نکل جاتا ہے -

عالم کون اور انسان کی یہ باہمی کشمکش یہی وہ چیز ہے جو انسان کی تمام ترقیون کی جڑ ہے اور جس کی بدولت آج سیکڑون ہزارون نئے نئے ایجادات کا سلسلہ قایم ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے، **لیکن** ان بیرونی دشمنون اور مخالفون سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک دشمنون کا ایک اور گروہ ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے

اس کو ہمیشہ سخت معرکہ آرائیان رہتی ہین۔ طمع اس کو آمادہ کرتی ہے کہ عزیز و بیگانہ۔ دوست و دشمن دور و نزدیک کے تمام دولت و مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ کینہ پروری کا تقاضا ہے کہ مخالفون کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ جاہ طلبی کہتی ہے کہ جب تک تمام عالم کی گردنین جھک نہ جائین، آرام نہ لے۔ خواہش نفس مجبور کرتی ہے کہ دنیا مین کسی کا پردۂ عصمت محفوظ نہ رہنے پائے، ان دشمنون سے بچانے کے لئے ایک حد تک عقل کام آتی ہے وہ بتاتی ہے کہ اگر تم کسی کی آبرو کا قصد کروگے تو وہ بھی کریگا تم کسی کو برباد کرنا چاہوگے تو وہ بھی چاہے گا۔ تم دوسرونکی عزت نہ کروگے تو وہ بھی نہ کرینگے لیکن اولاً تو اس قسم کی بیتین یہ عقل خاص خاص تعلیم یافتہ اشخاص مین ہو سکتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے ایسے موقع پیش آتے ہین جہان اس قسم کے انتقام کا مطلق اندیشہ نہین ہوتا۔ حکومت کا خوف۔ جاسوس کا ڈر۔ بدنامی کا احتمال۔ انتقام کا خطرہ۔ ایک چیز بھی نہین ہوتی۔ ان موقعون پر عقل اُن پر زور مخالفون کا مقابلہ نہین کر سکتی، بلکہ ایک دوسری قوت ہی، جو سینہ سپر ہوتی ہے اور انسان کو اُن دشمنونکے حملے سے بچاتی ہے اس قوت کا نام نور ایمان، کانشنس، حاسۂ اخلاقی ہے، اور یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے۔

یہ **قوت**، انسان کی اصل فطرت مین داخل ہی عالم و جاہل۔ رذیل و شریف۔ شاہ و گدا۔ افریقہ کا وحشی، اور یورپ کا تعلیم یافتہ سب اسمین برابر کے حصہ دار ہین اور یہی معنی ہین قرآن کی اس آیت کے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ	اپنا مونھ سب طرف سے موڑ کر دین کیطرف کر یہ وہ خدا کی فطرت ہے جس

فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہے، خدا کی خلقت مین تغیر نہین ہوتا۔ یہی ٹھیک دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہین۔

جرمن کا ایک حکیم کسلر لکھتا ہے "مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ مین کبھی معدوم نہین ہو سکتا"، فرانس کا مشہور فاضل معلم **رینان** جو مذہب کا پابند نہ تھا اپنی کتاب "تاریخ مذہب" مین لکھتا ہے "کہ یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیا جن کو ہم محبوب رکھتے ہین، اور کل وہ چیزین جو لذائذ زندگی مین محسوب ہین مٹ جائین، لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہو جائے یا اُس کی قوت مین زوال آجائے، وہ ہمیشہ اس بات کا علانیہ ثبوت دے گا کہ مادی مذہب (میٹریلیسٹ) بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس پست خاکی زندگی تک محدود رہ جائے"[1]

پروفیسر سبتیہ SABATER فلسفۂ دینیہ مین لکھتا ہے "مین کیون پابند مذہب ہون؟ اس لئے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہین سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات مین سے ہے، لوگ کہین گے کہ یہ وراثت، یا تربیت، یا مزاج، کا اثر ہے مین نے خود اپنی رائے پر یہی اعتراض کیا ہے۔ لیکن مین نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہین ہوتا مذہب کی ضرورت جس قدر مجکو اپنی ذاتی زندگی کے لئے ہے، اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے مذہب کے شاخ و برگ ہزارون دفعہ کاٹ ڈالے گئے ہین لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے اور اُس نے نئے برگ و بار پیدا کر لئے ہین، اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہے جو کبھی زائل نہین ہو سکتی

[1] یہ دونون قول۔ تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ صفحہ ۲۴ و ۲۵ مین مذکور ہین

مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے
اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہین انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت پائیگی[۱]"

دنیا کی اخلاقی نظم و نسق کو اسی حاسہ مذہبی ہی نے تھام رکھا ہے، ورنہ اگر تعلیم و تمدن پر
مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاقی پلہ اسیقدر تمام دنیا سے بھاری ہوگیا ہوتا جسقدر تعلیم و تمدن مین اسکا پایہ بلند ہے

مذہب کے فطری ہونیکی دوسری دلیل

دنیا مین افراد انسانی کے خاص خاص مختصات یعنی زبان۔ قوم۔ ملک۔ صورت
رنگ کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزین قدر مشترک رہ جائینگی، ان مین ایک مذہب ہوگا اور یہ
بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب، فطری چیز ہے۔ جن چیزون کو ہم انسان کی
فطرت خیال کرتے ہین مثلاً اولاد کی محبت۔ انتقام کی خواہش۔ کمال کی قدردانی، وغیرہ وغیرہ
ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہین کہ تمام دنیا کے آدمیون مین مشترک پائی
جاتی ہین۔ اس بنا پر جب ہم دیکھتے ہین کہ دنیا مین ہر قوم۔ ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب
رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مذہب
کے جو مقدم اصول ہین وہ تمام مذاہب مین یکسان پائے جاتے ہین خدا کا وجود، اسکی
پرستش کا خیال۔ حیات بعد الموت۔ اعمال کی جزا و سزا۔ رحمدلی۔ ہمدردی۔ عفت کا اچھا
سمجھنا جھوٹ۔ دغا۔ زنا۔ چوری کو برا جاننا۔ دنیا کے تمام مذہبون کا اصل اصول ہے

فطرت نے افراد انسانی مین بے انتہا فرق مراتب رکھا ہے۔ دولت و مال۔ جاہ
و حشم۔ فضل و کمال، ذہن و ذکا۔ کے عطا کرنے مین ایک طرف تو یہ فیاضی ہے کہ اُس سے

[۱] الحیوۃ سال اول صفحہ ۱۵۵

زیادہ ہو نہین سکتی۔ سکندر و تیمور۔ ارسطو و افلاطون۔ ہومر و فردوسی۔ اسی فیاضی کے نمونے ہین دوسری طرف یہ بخل ہے کہ انسان اور بندر مین اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ **ڈاروِن** کو نظر تک نہین آتا۔ بایں ہمہ جو باتین ضرور زندگی اور مدار حیات ہین وہ تمام افراد انسانی مین یکسان عطا کی ہین۔ افریقہ کا جاہل سے جاہل وحشی بھی اسیطرح کھاتا پیتا چلتا پھرتا سوتا جاگتا۔ بولتا چالتا ہے جس طرح یونان کا بڑے سے بڑا حکیم ان ضروریات کو انجام دیتا ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا اسقدر حصہ۔ جو تمام دنیا کی قومون مین مشترک ہے لازمۂ انسانی تھا۔ اور اسی وجہ سے قدرت نے تمام قومون کو یکسان عطا کیا۔ ارسطو اور بہتیرے بہت سے دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ سچائی، دیانت داری، عفت، حلم اچھی چیزین ہین لیکن افریقہ کا ایک وحشی بغیر تعلیم اور بغیر کسی دلیل کے خود بخود ان چیزون کو اچھا جانتا اور اچھا سمجھتا ہے۔

مذہب اسلام

یہ تو ثابت ہو چکا کہ مذہب فطری چیز ہے یعنی جس طرح انسان مین ہمدردی محبت جوش، انتقام۔ قدرتی جذبات پائے جاتے ہین اسی طرح میلان مذہب بھی قدرتی اور فطرتی ہے، اور جس طرح اور قدرتی جذبات کسی شخص مین کم کسی مین زیادہ۔ کسی مین ضعیف کسی مین بہ شدت، اور شاذ و نادر افراد مین بالکل نہین پائے جاتے، بعینہ مذہب کا یہی حال ہے، لیکن چونکہ (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے) حاسہ مذہبی، اس بنا پر انسان کو عطا کیا گیا ہے کہ بغیر اسکے نوع انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، اسلئے مذہب کا جسقدر حصہ تمام انسانون مین یکسان مشترک ہے وہ نہایت سادہ مجمل اور ناتمام ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، اسکی صاف اور صریح تمثیل یہ ہے کہ انسان کے زندہ رہنے کے لئے، کھانا پینا، گرمی سردی سے بچنا ضروری ہے اسلئے قدرت نے ان ضروریات کا سامان، ادنی سے ادنی آدمی کے لئے بھی مہیا کیا ہے، لیکن یہ ضرور نہین کہ یہ سامان اعلی درجہ کے بھی ہون، کھانے کے لئے سدّ رمق، رہنے کے لئے خس کا جھونپڑا، لباس کے لئے درختون کے پتے بھی مہیا ہو گئے تو قدرت کا فرض ادا ہو گیا، اس سے بڑھ کر مختلف قسم کے الوان نعمت، عالیشان محل، بیش بہا ملبوسات، سب کے لئے ہونے ضرور نہین فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

یہی حال مذہب کا ہے۔ خدا کا اعتراف، عبادت کا میلان، معاد کا خیال، جزا و سزا کا یقین، نبوت کا اعتراف، لازمہ انسانی تھا اسلئے سب فرقون مین مشترک رہا اور اس مین کسی قوم اور کسی فرقہ کی تخصیص نہین۔ لیکن یہ امور کہ خدا کے کیا اوصاف ہین؟ کس قسم کی

تمام مذاہب میں سے کسی ایک کی ترجیح کی وجہ

عبادت فرض ہے؟ کیوں فرض ہے؟ معاد کی کیا حقیقت ہے؟ جزا و سزا سے کیا غرض ہے؟ **نبوت** کے کیا معنی ہیں؟ ان سوالات کا جواب تمام مذاہب میں یکسان نہیں مل سکتا۔ اس مین فرق مراتب ہے اور جس نسبت سے جس مذہب نے ان سوالات کا صحیح جواب دیا ہے، اسی نسبت سے وہ مذہب زیادہ صحیح اور کامل ہے

یورپ مین منکرین مذاہب کا جو گروہ پیدا ہوگیا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے انکے انکار مذہب کی وجہ یہی ہے کہ وہ مذاہب موجودہ مین سوالات مذکورہ بالا کا صحیح اور مکمل جواب نہین پاتے

یورپ کو مذہب سے کیون مخالفت ہے

پروفیسر لاروس Larousse مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتا ہے

"اگر ہم کہتے ہین کہ اُن باتونکا اعتقاد کرنا چاہیے جو عقل مین آئین، تو ہم سے کہا جاتا ہے نہین ہرگز نہین عقل کو جو نیک و بد کی ممیز ہے، ذلیل کیا جاتا ہے، یہانتک کہ جب عقل کی آنکھین اسقدر اندھی کردیجاتی ہین کہ خرق عادت، ایک معمولی بات بن جاتی ہے، سفید سیاہ ہوجاتا ہے، بدنما چیز خوشنما ہوجاتی ہے تو مذہب آتا ہے اور کہتا ہے کہ گردن ڈالدو، کسکے آگے؟ عقل کے آگے؟ نہین۔ فطری فرائض کے آگے؟ نہین، احساسات اندرونی کے آگے؟ نہین، اصول فطرت کے آگے؟ نہین[1]

مانسیو جمبن کانستان نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے، مذہب کی حقیقت اور مذہب کی نشو و نما پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس مین وہ مذہب کے نقصانات کی تفصیل بیان کرکے لکھتا ہے کہ "مذہب جن بنیادون پر قائم ہوا ہے وہ علم کے مخالف ہین اور اس لئے

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۴

یہ قطعی ہے کہ تمام مذاہب برباد ہو جائین،،

برتلو Bertolo لکھتا ہے ،، علم نے اب پوری آزادی حاصل کر لی ہے اور اب اس بات کا خوف نہین رہا کہ مذہب اسکو دبالے،،

ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان منکرین مذاہب کے نزدیک چونکہ مذہبی اصول تحقیقات علمی کے مخالف ہین اسلئے وہ صحیح نہین ہو سکتے، ورنہ اگر کوئی مذہب ایسا ہو جسکے تمام اصول عقل کے موافق ہون تو منکرون کو بھی اس کی تسلیم سے انکار نہ ہوگا، اسی بنا پر یورپ کے بڑے بڑے محققین نے مذہب کا ایک خیالی خاکہ کھینچا ہے اور اس کا نام ،، دیانتہ طبیعتہ ،، رکھا ہے، وہ کہتے ہین کہ مذاہب موجودہ غلط ہین لیکن اگر ایک نیا مذہب ایجاد کیا جائے جسکے اصول حسب ذیل قرار دئے جائین تو وہ بے شبہ تسلیم کے قابل ہوگا اور تحقیقات علمی کا ساتھ دے سکیگا۔

فطری مذہب

ژول سیمان نے اس عقلی مذہب کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے۔

فطری مذہب کا خاکہ

ثواب آخرت کے یہ معنی ہین کہ انسان قانون کا پابند ہو لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، ان خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت مین مضمر ہین، بنی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہین؟ اپنے فرائض کا ادا کرنا۔ اچھے کام کرنا۔ وطن کی محبت، عمل اور اخلاص، یہی فطری مذہب ہے، اور یہی فطری عبادت ہے۔،،

ل ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۲

"یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہیں، عقائد یہ ہیں۔ ایک قادر مطلق کا یقین، جو ہر چیز پر قادر ہے جس کو کوئی شے بدل نہیں سکتی اور جس کے تمام کام اصول اور ترتیب بہترین ہے[1]

لارڈ دس[2] کہتا ہے، اگر مذہب کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ اُن معقول خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جنکا مقصود یہ ہے کہ تمام افراد انسانی ایک رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اسی طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے، تو تم یہ کہ سکتے ہو کہ مذہب، نوع انسانی کے لیے ایک لابدی چیز ہے"

ایک مکمل تر مذہب کے کیا اصول قرار پا سکتے ہیں

غرض خواہ ان اقوال کی بنا پر خواہ خود واقعیت کے لحاظ سے، ایک صحیح۔ کامل اور ابدی مذہب کے لیے جو باتیں ضروری ہیں یہ ہیں۔

(۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید۔

(۲) کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو۔

(۳) عبادات کے یہ معنی نہ قرار دیے جائیں کہ وہ مقصود بالذات ہیں اور خدا ہمارے تکلیفات شاقہ اٹھانے سے خوش ہوتا ہے، بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ مقصود ہو اور وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہوں۔

(۴) دینی اور دنیوی، فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائے۔

(۵) مذہب، تمدن کی اعلی سے اعلی ترقی کا ساتھ دیسکے بلکہ خود اس ترقی کا رستہ دکھائے

ہم اس کتاب مین اول انہی اصول کے معیار پر اسلام کو جانچنا چاہتے ہین

عقل اور مذہب

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ تمام مذاہب مین عقل کو کیا درجہ دیا گیا ہے اور اسلام نے عقل کی کیا منزلت قائم کی ہے، دنیا مین آج جس قدر مذاہب موجود ہین ان سب مین تلقین کی ابتدا اس حکم سے شروع ہوتی ہے کہ "مذہب مین عقل کو دخل نہ دو" یہی جابرانہ حکم ہے جس کی بدولت مذہب ہر قسم کی تحقیقات، اور اجتہادات سے مطمئن رہتا ہے اور ان مین سے کوئی چیز اس کی جباری کو کم نہین کرسکتی، اسی کا اثر ہے کہ ایک شخص منطق۔ فلسفہ ریاضیات مین سیکڑون عجیب و غریب ایجادات کرتا ہے۔ اور ارسطو و افلاطون کی غلطیان نکالتا ہے لیکن جب اسکے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آتا ہے کہ "ایک تین ہین اور تین ایک" تو اس کی نقادی اور نکتہ سنجی بالکل کند اور بیکار ہو جاتی ہے، اسی کا اثر ہے کہ سقراط اتنا بڑا فلسفی ہوکر، جان دینے کے وقت وصیت کرتا جاتا ہے کہ فلان بت پر مین نے نذر چڑھانے کی جو منت مانی تھی وہ پوری کی جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام مذاہب مین سیکڑون حکما و علما پیدا ہوتے ہین لیکن مذہب کے لغو سے لغو عقیدہ کی نسبت بھی ان کو شک نہین پیدا ہوتا عقل کی اس بیکاری سے صرف یہ نقصان نہین پہونچتا کہ جو لغو عقیدہ ایک دفعہ قائم کرلیا گیا تھا وہ اپنے حال قائم رہتا ہے، بلکہ توہمات اور عجائب پرستی کا زور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہان تک کہ چند روز کے بعد مذہب کے عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے ہجوم مین چھپ جاتے ہین، اور مذہب ہمہ تن عجائبات اور ناممکنات کا مجموعہ بن جاتا ہے،

سی چیز ہے جس نے یورپ کے آزاد خیالون کو مذہب سے متنفر بنا دیا ہے۔ پروفیسر لاروس نے تمام مذاہب کے برباد ہو جانے کی جو پیشین گوئی کی ہے اسی بنا پر کی ہے کہ مذہب عقل کو برباد کرنا چاہتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ خود برباد ہو جائے۔ یہی پروفیسر ایک مقام پر لکھتا ہے "اگر ہم بغیر خود غرضی اور وہم پرستی کے اس بات کا پتہ لگائین کہ دنیا مین آج تک جس قدر مادی، دماغی، اور اخلاقی ترقیان ہوئی ہین اُن کا اصلی سبب کیا ہے تو صرف یہ جواب ہے کہ عقل کا جبر کے شکنجہ سے نجات پانا"

اسلام کی تلقین

اب دیکھو اسلام کی کیا تلقین ہے؟

قرآن مجید مین یہودیون، عیسائیون، بت پرستون اور ملحدون کو سیکڑون جگہ مختلف طریقون سے عقائد اسلام کی دعوت دی ہے لیکن ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ تقلیداً ان عقائد کو مان لو، بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اجتہاد اور غور کے ذریعہ سے اُن کو منوانا چاہا ہے اور تقلید پرستی کی سخت برائی کی ہے۔ مخالفین اسلام کو سب سے بڑا الزام جو دیا وہ یہ تھا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔ (یوسف)

آسمان اور زمین مین کسقدر بیشمار نشانیان ہین، لیکن یہ لوگ اُنپر گذر جاتے ہین۔ اور اُنکی طرف رخ نہین کرتے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (سورہ عراف قبل کوع خیر)

انکے دل تو ہین لیکن اس سے سمجھہ کا کام نہین لیتے

اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (پارہ ۲۵)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہی کے پیچھے پیچھے چلے جائینگے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور بعض لوگ ایسے ہین جو خدا کے باب مین بغیر علم کے جھگڑتے ہین

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ۔
کیا یہ لوگ، قران پر غور نہین کرتے۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
کیا یہ لوگ اسمان اور زمین کے کارخانہ کو (غور سے) نہین دیکھتے

یہ تمام آیتین تو کلی طور پر عقل سے کام لینے کے متعلق ہیں، مذہب کے تمام اصول و فروع کے متعلق، اسلام نے جو تلقین کی وہ عقل کی بنا پر

نفس مذہب کی ضرورت اس طرح ظاہر کی

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ
اپنا مونھ طرف پھیر کر دین کی طرف کر، یہ خدا کی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے لوگونکو پیدا کیا ہے، خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین ہوتی

اسلام کی دعوت کا حکم دیا تو اُسکے یہ طریقے بتائے

اُدْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
اپنے خدا کی راہ کی طرف لوگونکو بلاؤ حکمت سے نصیحت سے اور اُن لوگون سے بحث کرو بہ طرز پسندیدہ

خاص خاص اسلامی عقائد جہان کہین بیان کئے ہر ایک عقیدہ کے ساتھ اُس کی عقلی دلیل بیان کی۔ خدا کے ثبوت کے دلائل تو اس کثرت سے مذکور ہین کہ اس کتاب مین اسکا احاطہ نہین ہوسکتا وحدانیت کو اس طرح ثابت کیا

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا
اگر آسمان و زمین مین کئی خدا ہوتے تو دونون مین فساد آجاتا

خدا کے عالم ہونے کی یہ دلیل بیان کی۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ
کیا جسنے پیدا کیا وہ علم نہین رکھتا۔

رسول اللہ صلعم کی نبوت پر مخالفون کو جو استعجاب تھا اس کو اس طرح رفع کیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ — کہدو کہ مین پیغمبرون مین سے کوئی انوکھا نہین

معاد کے ممکن ہونے کا اس طرح یقین دلایا

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ — کہدے کہ وہی زندہ کریگا جسنے پہلی بار پیدا کیا تھا

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ — کیا جس نے آسمان اور زمین پیدا کیا وہ اسپر قادر نہین کہ اُن جیسے، اور پیدا کر دے؟

معاد کی ضرورت اس طرح ثابت کی

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ — کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ ہم نے تم کو یون ہی بیکار پیدا کیا اور یہ کہ تم ہمارے ہان لوٹ کر نہ آؤ گے۔

غرض خواہ نفس مذہب، خواہ بالخصوص مذہب اسلام، خواہ خاص خاص اسلامی عقائد جس چیز پر یقین دلانا چاہا، ساتھ ہی دلیل بھی بیان کی، اور ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ اُن عقائد کو بلا دلیل تسلیم کر لو۔

اس موقع پر یہ بات۔ خاص لحاظ کے قابل ہے کہ آجکل زمانہ کے مذاق کی وجہ سے، تمام اہل مذاہب اس بات کے مدعی ہین کہ ہمارا مذہب عقل سے ثابت ہو لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ خود انکا دعوی ہے یا اُن کے مذہب نے بھی ایسا دعوی کیا ہے

اسلام کے سوا دنیا مین اور کسی مذہب نے یہ دعوی نہین کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے اور مذہب کو عقل کی بنا پر ماننا چاہیے۔ اور یہ وہ بڑا فرق ہے جو علانیہ اسلام کو، تمام دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

وجود باری

خدا کے اثبات پر قدما اس طرح استدلال کرتے تھے، کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہین ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے، اس استدلال کا دوسرا مقدمہ بدیہی ہے، پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ عالم مین تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ حادث ہے۔ یہ استدلال بظاہر نہایت صاف اور واضح تھا اور اسلئے اس کی زیادہ چھان بین نہین کی گئی، لیکن وہ فی الواقع صحیح نہ تھا۔ تمام چیزین جو عالم مین موجود ہین، دو چیزون کا مجموعہ ہین۔ مادّہ اور ایک خاص صورت، جو چیز بدلتی رہتی اور تغیر پذیر ہے، وہ صرف صورت ہے، اصل مادہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ کوئی چیز جب فنا ہوتی ہے تو صرف اُس کی صورت فنا ہوتی ہے اصل مادہ کسی نہ کسی صورت مین ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک کاغذ کو جلا دو کاغذ جل کر راکھ ہو جائے گا، اب کاغذ فنا ہو گیا لیکن راکھ موجود ہے جو اصل مادہ کی ایک دوسری صورت ہے، راکھ کو برباد کر دو کسی نہ کسی صورت مین وہ قائم رہیگی، غرض جو چیز حادث ہے وہ صرف صورت ہے اصل مادّہ کے حادث ہونے پر نہ کوئی تجربہ پیش کیا جا سکتا ہے، نہ کوئی استدلال قائم کیا جا سکتا ہے،

اس بنا پر عالم کو حادث کہنا صورت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن مادہ کے لحاظ سے صحیح نہین، اور جب عالم کا حدوث ثابت نہین تو استدلال بھی صحیح نہین، ارسطو نے اس اعتراض کے لحاظ سے استدلال کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی یہ کہ عالم کے تمام اجزا مین

کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے، کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہین یا گھٹتے ہین اور بڑھنا یا گھٹنا حرکت ہی کی ایک قسم ہے۔ جن چیزون کو ہم بحال خود قائم دیکھتے ہین، اُن کے اجزا بھی بدلتے رہتے ہین یعنی پرانے اجزا فنا ہوتے جاتے اور اُن کے بجاے نئے آتے جاتے ہین، اجزا کا بدلتا رہنا بھی ایک قسم کی حرکت ہے اس لئے تمام عالم متحرک ہے اور جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی محرک ہو، اب دو صورت ہے، یا یہ سلسلہ کسی حد تک جاکر ٹھر جاے گا یعنی اخیر مین ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیار کی محرک ہے اور خود متحرک نہین، یہی خدا ہے، یا یہ سلسلہ کہین ختم نہ ہوگا، اس صورت مین غیر متناہی کا وجود لازم آے گا اور یہ محال ہے

ارسطو کا استدلال

ارسطو کا اصل مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور وہ بذات خود پیدا ہوا لیکن اسکی حرکت حادث ہے اور خدا اسی حرکت کا خالق ہے، اس بنا پر ارسطو نے خدا کے ثبوت مین حرکت سے استدلال کیا۔ حکماے اسلام مین سے ابن رشد کا بھی یہی مذہب ہے

بوعلی سینا بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے لیکن اسلام کے اثر سے اس بات کا قائل نہ ہوسکا کہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا نہین، اس لئے اُس نے یہ راے اختیار کی کہ عالم قدیم بھی ہی اور خدا کا مخلوق بھی ہے، اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب عالم اور خدا دونون قدیم ازلی ہین تو ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کیونکر کہا جاسکتا ہے، کیونکہ علت و معلول مین زمانہ کا تقدم و تاخر ضرور ہے۔ بوعلی سینا نے اس کا جواب دیا کہ علت کے لئے صرف تقدم بالذات کافی ہے، زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہونا ضرور نہین، مثلاً کنجی کی حرکت، قفل کے

کھل جانے کی علت ہے لیکن کنجی کی حرکت اور قفل کے کھلنے مین ایک لحظہ اور ایک آن کا بھی آگا پیچھا نہین،

متکلمین کے نزدیک چونکہ خدا کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا خدا کی یکتائی مین خلل انداز تھا اس لئے انھون نے عالم کے حدوث کا دعوی کیا اور حدوث ہی سے خدا کے وجود پر دلیل قائم کی، عالم کے حادث ہونے پر متکلمین کا جو استدلال ہے اُس کے سمجھنے کے لئے۔ پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہئے۔

(۱) عالم مین دو قسم کی چیزین پائی جاتی ہین۔ عرض یعنی جو چیزین بذات خود قائم نہین بلکہ جب پائی جاتی ہین تو کسی دوسری چیز مین ہو کر پائی جاتی ہین مثلاً بو رنگ۔ مزہ۔ رنج خوشی جوش جوہر یعنی وہ چیزین جو بذاتہ خود قائم ہین۔ مثلاً جسم شی پانی

(۲) کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا کیونکہ جس قدر جواہر ہین کسی نہ کسی صورت اور ہیئت مین ہوتے ہین اور صورت و ہیئت عرض ہین، تمام جواہر مین کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے اور حرکت عرض ہے۔ غرض جوہر کے جسقدر افراد ہین اُن مین کسی نہ کسی عرض کا پایا جانا ضرور ہے، اور اس بنا پر کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہوسکتا

(۳) عرض حادث ہے یعنی پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے

(۴) جو چیز عرض سے کبھی خالی نہ ہو سکتی ہو ضرور ہے کہ حادث ہو کیونکہ اگر وہ قدیم ہو تو لازم آئیگا کہ عرض بھی قدیم ہو کیونکہ دو چیزین جو لازم و ملزوم ہون اُن مین سے ایک چیز اگر قدیم ہوگی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو، ورنہ لازم و ملزوم مین فصل زمانی لازم آئیگا اور یہ محال ہے

اب عالم کے حادث ہونے پر اس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے کہ عالم دو صورت سے خالی نہین، جوہر ہوگا یا عرض اور جوہر و عرض دونون حادث ہین عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے، جوہر اسلئے کہ کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا، اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ جو چیز عرض سے خالی نہ ہو سکتی ہو، وہ حادث ہے

اور جب یہ ثابت ہوا کہ عالم حادث ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے لئے کوئی علت ہو اب اگر علت بھی حادث ہے تو اس کے لئے بھی کوئی علت درکار ہوگی۔ اس صورت مین اگر یہ سلسلہ کہین جاکر ختم ہوگا تو وہی خدا ہے، اور نہ ختم ہوگا تو دور و تسلسل لازم آئیگا اور دور و تسلسل محال ہی

متکلمین کا یہ استدلال فرفوریوس (پارفیریس) سے ماخوذ ہے جیسا کہ ہم نے تاریخ علم الکلام مین نقل کیا ہے لیکن یہ استدلال اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ غیر متناہی کا وجود نہین ہو سکتا ورنہ یہ استدلال محض مغالطہ ہے۔

یہ سچ ہے کہ جوہر عرض سے خالی نہین ہو سکتا لیکن کسی خاص عرض کا ہونا ضروری نہین بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی عرض کا وجود چاہئے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ عالم۔ قدیم ہے، اور علی سبیل البدلیۃ کسی نہ کسی عرض کے ساتھ متصف رہتا ہے یہ اعراض الگ الگ تو حادث ہین لیکن انکا سلسلہ جو علی سبیل البدلیۃ ہے، غیر متناہی اور قدیم ہے عالم کے حادث ہونے پر استدلال یہ تھا کہ اگر عالم قدیم ہو تو اعراض کا بھی قدیم ہونا لازم آئے گا ہم کہتے ہین کہ اعراض کے ہر ہر فرد کا قدیم ہونا لازم نہین آتا بلکہ اعراض کے سلسلہ علی سبیل البدلیۃ کا قدیم ہونا لازم آتا ہے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو سلسلہ کا قدیم ہونا بھی ممکن ہے

متکلمین نے اور بھی بہت سی دلیلین قائم کی ہین لیکن سب کی صحت اس بات پر موقوف ہے
کہ سلسلہ غیر متناہی کا محال ہونا ثابت کیا جائے غیر متناہی کے محال ہونے پر حکماء اور متکلمین نے
بہت سے دلائل قائم کئے ہین لیکن وہ تمام دلائل اُس صورت مین جاری ہوتے ہین جب یہ مانا
جائے کہ یہ سلسلہ مرتب موجود ہے لیکن منکرین خدا علل کا سلسلہ اس طرح مانتے ہین کہ ہر علت
فنا ہوکر اُسکے بجائے دوسری علت آجاتی ہے محقق دوانی نے زوراء کی شرح مین دعوی
کیا ہے کہ اس صورت مین بھی دلیل جاری ہوسکتی ہے کیونکہ گو علتین فنا ہوتی جاتی ہین لیکن
انکا مجتمع و مرتب ہونا فرض کیا جاسکتا ہے۔ کیون کہ علل کا مجتمع ہونا محال عقلی نہین اور جو چیز
محال نہین وہ فرض بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن محقق موصوف کا یہ قول صحیح نہین، علتون کا
اجتماع گو محال بالذات نہین، لیکن محال بالغیر ہوسکتا ہے اور محال بالغیر کے فرض کر لینے سے
بھی محال آتا ہے، گو یہ محال محال بالغیر ہوگا

ان دلائل مین ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اُن سے اگر خدا کا وجود ثابت بھی ہوتا ہے تو اُسکا
فاعل با اختیار ہونا ثابت نہین ہوتا۔ ان دلائل سے صرف ایک علۃ العلل (کاز آف دی کازز)
کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن علت کے لئے یہ ضرور نہین کہ اُس سے معلول، بہ ارادہ اور بہ اختیار
صادر ہو، آفتاب روشنی کی علت ہے لیکن آفتاب کو نہ علم ہے نہ ارادہ، بلکہ روشنی اُس سے
خود بخود بلا علم و ارادہ صادر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے حکما کا مذہب ہے کہ خدا نے عالم کو
بہ اختیار نہین پیدا کیا اور تعجب ہے کہ شیخ ابو علی سینا بھی اُنھی کا ہمزبان ہے

ان تمام تقریرون سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس مسئلہ کو حل نہ کرسکے

اور متکلمین بھی چونکہ انھی کے نقش قدم پر چلے تھے اس لیے وہ بھی ناکام رہے

اب دیکھو قران مجید نے اس عقیدہ کو کیون کر حل کیا۔

وجود باری

پر

قران مجید کا طریقۂ استدلال

خدا کا خیال انسان کی فطرت مین داخل ہے

حقیقت یہ ہے، کہ خدا کا اعتراف، انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے، علم الانسان کے ماہرون نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت مین تھا یعنی علوم وفنون اور تہذیب وشائستگی کا بالکل وجود نہین ہوا تھا اُس وقت اُس نے سب سے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی؟ مادیین (میٹریسٹ) کے سوا اور تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش اختیار کی تھی۔ مشہور محقق مکس مولر اپنی کتاب مین لکھتا ہے "ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اُس وقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے" جسمانی خدا (بت) اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوے کہ فطرت اصلی، مثالی صورت کے پردہ مین چھپ گئی

یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصہ مین، خدا کا اعتقاد موجود تھا، آثوری۔ مصری۔ کلدانی۔ یہود۔ اہل فنشیہ سب کے سب خدا کے قائل تھے

پلوٹارک کہتا ہے کہ "اگر تم دنیا پر نظر ڈالوگے تو بہت سے ایسے مقامات ملینگے جہان نہ قلعے ہین۔ نہ سیاست۔ نہ علم۔ نہ صناعت۔ نہ صرفہ۔ نہ دولت۔ لیکن ایسا کوئی مقام

نہین مل سکتا، جہان خدا نہ ہو

فولٹیر جو فرانس کا مشہور فاضل اور وحی و الہام کا منکر تھا کہتا ہے کہ "زرواستر۔ منو

سولن۔ سقراط، سسرو۔ سب کے سب، ایک سردار، ایک منصف ایک باپ کی پرستش کرتے

تھے" یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان لفظون مین بیان کیا ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ	اور جب کہ خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے انکی نسل کو نکالا،
ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ	اور خود اُن کو اُنھی پر گواہ کیا کہ کیا مین تمھارا خدا نہین ہون
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا	سب بول اُٹھے کہ ہان، ہم گواہ ہین

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دب جاتا ہے اس لیے خدا نے

جا بجا اسی فطرت کو متنبہ کیا ہے،

اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا خدا کی نسبت بھی شک ہو سکتا ہے جو آسمان و زمین کا موجد ہے

اور چونکہ خارجی اسباب کیوجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے

محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہین ہوتی اسلیے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ تجربی اور حسی مقدمات

کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا،

انسان کو آغاز تمیز مین جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان مین ایک یہ ہے

[1] دیکھو مانسیو پوتیھر کی کتاب الفلسفہ، ترجمہ عربی، مطبوعہ بیروت صفحہ ۵۵، مصنف فرانس کی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا

[2] محققین، اور ارباب نظر نے اس آیت کے یہی معنی بیان کیے ہین کہ خدا نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ خواہ مخواہ اس کو خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر۔

کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب۔ باقاعدہ اور منتظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند
نے ان چیزون کو ترتیب دیا ہے، اگر کسی جگہ ہم چند چیزین بے ترتیب رکھی دیکھین
تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزین اکٹھی ہو گئی ہون گی، لیکن جب
وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہون کہ ایک ہوشیار صناع بھی بہ مشکل اُسطرح
چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہین ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہوگی
اسکو ایک اور واضح مثال مین سمجھو۔ خواجہ **حافظ یا نظامی** کا کوئی شعر لو۔ اُس کے الفاظ
اُلٹ پلٹ کر کے کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھکر،
ترتیب دے، وہ سو سو طرح الٹ پلٹ کریگا لیکن اتفاقیہ طور سے بھی کبھی یہ نہ ہوگا کہ حافظ
اور نظامی کا شعر نکل آے حالانکہ وہی الفاظ ہین۔ وہی حروف ہین، وہی جملے ہین۔ صرف
ذرا سی ترتیب کا پھیر ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزون
ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو، قرآن مجید مین خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ۔ مَا تَرٰی	یہ خدا کی کاریگری ہے جسنے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا
فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ	خدا کی کاریگری مین تمکو کہین فرق نظر نہ آئیگا، پھر دوبارہ
الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ	دیکھو کہین کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے
خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا	خدا نے ہر شی کو پیدا کیا پھر اسکا ایک اندازہ معین کیا
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ	خدا کی بناوٹ مین ردوبدل ممکن نہین
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا	خدا کے طریقہ مین تم ردوبدل نہین پا سکتے

ان آیتون مین عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کیے ہین - کامل اور بے نقص ہے موزون اور مرتب ہے - ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہین سکتے - یہ دلیل کا صغریٰ ہے - کبریٰ خود ظاہر ہے یعنی جو چیز کامل - مرتب اور مستحکم النظام ہوگی، وہ خود بخود پیدا نہین ہوگئی ہوگی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اُسکو پیدا کیا ہوگا،

آج جبکہ تحقیقات وتدقیقات کی انتہا ہوگئی ہے، جبکہ کائنات کے سیکڑون اسرار فاش ہوگئے ہین، جبکہ حقائق اشیا نے اپنے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیا ہے بڑے بڑے فلاسفر اور حکما انتہا ے غور وفکر کے بعد خدا کے ثبوت مین، یہی استدلال پیش کر سکے جو قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ مین ادا کیا تھا -

آیزک نیوٹن کہتا ہے "کائنات کے اجزا مین باوجود ہزارون انقلابات زمان ومکان کے جو ترتیب اور تناسب ہے، وہ ممکن نہین کہ بغیر کسی ایک ذات کے پایا جاسکے جو سب سے اوّل ہے اور صاحب علم اور صاحب اختیار ہے"

حکماے یورپ کی شہادت

اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے کہ جسقدر ہم زیادہ غور کرتے ہین اُسیقدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہین، اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیا صادر ہوتی ہین"

کیمل فلامریان[1] کہتا ہے "تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہین کہ وجود کیونکر ہو

[1] فرانس کا ایک مشہور فاضل ہے

اور یہ کیون کر برابر چلا جاتا ہے، اسی بنا پر ان کو مجبوراً ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جسکا موثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے "

پروفیسر لینی LINNE لکھتا ہے "وہ خدائے قادر و دانا اپنی عجیب و غریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھین کھلی کی کھلی رہجاتی ہین اور مین بالکل دیوار بن جاتا ہون، ہر چیز مین گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، اُسکی کس قدر عجیب قدرت، کس قدر عجیب حکمت، کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے "

نوٹ۔ انسائیکلو پیڈیا مین لکھتا ہے

"علوم طبعیات کا مقصد صرف یہ نہین ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اسکا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالق کائنات کی طرف اٹھائین اور اُسکے جلال و عظمت پر فریفتہ ہوجائین "

ملاحدہ (یعنی منکرین خدا) کے اعتراضات

سب سے پہلے یہ بات بتانے کے قابل ہے کہ خدا کا انکار کوئی جدید خیال نہین،
ہمیشہ ہر زمانہ مین ملاحدہ کا ایک گروہ موجود تھا، جو خدا کے وجود کا قطعی منکر، یا کم از کم متردد
اور مشکک تھا، سائنس اور فلسفہ حال سے اس مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہین پڑی ہے،
خدا کے انکار کے متعلق کوئی نئی دلیل نہین قائم ہوسکی ہے بلکہ ملاحدۂ سابق و حال مین
یہ فرق ہے کہ ملاحدہ سابق کے دلایل زیادہ دقیق اور پرزور ہوتے تھے، انکے مقابلہ
مین ملاحدہ حال کے دلائل کو دلائل نہین کہہ سکتے، ان کی تمام مباحث کا ماحصل یہ ہے
کہ "خدا کا کوئی ثبوت نہین ملتا"، "مادہ کے سوا عالم مین اور کوئی چیز موجود نہین" "خدا
کے اعتراف کے بغیر نظام عالم کا سلسلہ قائم ہوسکتا ہے" یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی استدلال
نہین، بلکہ عدم علم کا اعتراف ہے

متکلمین اسلام نے ملاحدۂ سابق کے دلائل نہایت تفصیل سے نقل کیے ہین علامہ
ابن حزم نے ملل و نحل مین، ملاحدہ ہی کے اعتراضات سے ابتدا کی ہے اور پھر اُن کے
جواب دیے ہین۔ یہ اعتراضات، نہایت ہی قوی اور پرزور ہین، تفنن کے لیے ہم ایک
اعتراض کی تقریر نقل کرتے ہین،

خدا کے وجود پر ملاحدۂ قدیم کا اعتراض

خدا کا وجود اگر تسلیم کیا جائے تو ہم پوچھتے ہین کہ ایک واقعہ جو آج پیش آیا۔ اسکی
علت قدیم ہوگی یا حادث، اگر قدیم ہو تو لازم آئیگا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور ازلی ہو، کیونکہ

حکمت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اُس کی علت بھی حادث
ہوگی اور پھر اُس کے لئے کوئی اور علت درکار ہوگی، اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جاکر
ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئیگا، کیونکہ علۃ اولیٰ
جب قدیم ہے تو اُس کا پہلا معلول قدیم ہوگا، اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو اُسکا معلول
بھی قدیم ہوگا۔ دھلم جرًّا" اور اگر یہ سلسلہ کسی قدیم اور ازلی علت پر ختم نہین ہوتا بلکہ الیٰ
غیر النہایۃ چلا جاتا ہے تو خدا کہان باقی رہتا ہے

ملاحدہ سابق کے اور بہت سے قوی اعتراضات ہین، لیکن ہم کو اُن سوئے ہوئے
فتنون کے جگانے کی ضرورت نہین، یورپ کے ملاحدہ آج کل خدا کے وجود پر جو اعتراضات
کر رہے ہین اور جس کی بنا پر ہمارے ملک مین، مذہب کی طرف سے بیدلی پھیلتی جاتی ہے، ہکو صرف
ان اعتراضات کا نقل کرنا اور اُنکا جواب دینا کافی ہے

مادیین

جن لوگونکو منکر خدا کہا جاتا ہے وہ مادیین (میٹرلیسٹ) ہین لیکن درحقیقت اُن لوگونکا
یہ دعوی نہین کہ خدا نہین ہے، بلکہ یہ لوگ کہتے ہین کہ وہ ہماری تحقیقات کے دائرہ سے
باہر ہے کیونکہ انکا دائرہ علم مادہ تک محدود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا مادی نہین، پروفیسر
لیٹریہ کا قول ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ "مادی مذہب اپنے آپکو عقل اول کی بحث سے
بالکل الگ رکھتا ہے، کیونکہ اُس کو اُسکے متعلق کسی قسم کا علم نہین، ہم حکمت الٰہی کے نہ منکر
ہین، نہ مثبت، ہمارا کام نفی و اثبات دونون سے الگ رہتا ہے

اسی گروہ مین سے بعض ترقی کر کے یہ بھی کہتے ہین کہ خدا کے اقرار و انکار کے

دونون پہلوؤن مین سے انکار کا پہلو زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہین کہ سب سے پہلے یہ طے کرنا چاہئے کہ کسی شے کے انکار، یا اقرار، اثبات یا نفی کے اصول اولیہ کیا ہین؟ فلسفہ حال نے تحقیقات علمیہ کا سب سے پہلا اصول جو قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ "جب تک کسی شی کے وجود کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم کو اس کا وجود تسلیم نہین کرنا چاہئے،" کانٹ اور بیکن نے اپنے فلسفہ کا سنگ بنیاد اسی مسئلہ کو قرار دیا اور اسی مسئلہ کی بدولت ارسطو کے ظنی فلسفہ کے تمام ارکان متزلزل ہوکر قطعیات اور یقینیات کی بنیاد قائم ہوئی، روزمرہ کے تجربہ مین ہم اسی اصول کے پابند ہین) فرض کرو ایک شے ہے جسکے نہ وجود کی شہادت ہے نہ عدم کی، تو ہمارا علم، اس کی نسبت کس قسم کا ہوتا ہے؟ ہم یہ نہین کہتے کہ اس شے کے متعلق ہم کچھ نہین جانتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہین کہ جہان تک ہم کو معلوم ہے یہ شے موجود نہین مثلاً یہ ممکن ہے کہ دنیا کے کسی حصہ مین ایسے آدمی موجود ہون جن کے دو سر ہون، ممکن ہے کہ ایسے جانور موجود ہون جو صورۃً آدمی ہون، ممکن ہے کہ ایسے دریا ہون جن مین مچھلیون کے بجائے آدمی رہتے ہون، لیکن ہم ان چیزون کی نفی کا یقین رکھتے ہین، کیون؟ اسی لئے کہ اُنکے وجود کی کوئی شہادت موجود نہین، اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ثبوت، و عدم ثبوت، دونون سے کسی پر اگر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو یقین کا رحجان اسی طرف ہوگا کہ خدا موجود نہین ہے۔

مادیین کس بنا پر خدا کے قائل نہین

اس بناپر ہمکو خدا کی نفی پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہین بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ ثبوت کے جو دلائل پیش کئے جاتے ہین وہ صحیح ہین یا نہین، ثبوت کے جسقدر دلائل ہین سب مین قدر مشترک یہ ہے کہ اگر خدا کا وجود نہ ہو تو سلسلہ غیر متناہی کا وجود لازم آئیگا لیکن

غیر متناہی کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہین، (یہ بحث بہ تفصیل اوپر گذر چکی ہے) شاید یہ کہا جائے کہ غیر متناہی کا خیال انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اور یہی اُسکے محال ہونے کی دلیل ہے" لیکن خدا کو جس طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا ہے، وہ بھی غیر متناہی کی ایک دوسری صورت ہے، ایک خدا جو ازل سے موجود ہے، اور جس کی کوئی انتہا نہین کیا ایک سلسلۂ غیر متناہی کے تسلیم کرنے سے کچھ کم عجیب ہے؟

خدا کے ثبوت مین یہ مقدمہ بڑے آب وتاب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم بداہتہً دیکھتے ہین کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اُس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے،

لیکن یہ مسئلہ کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے، اُسکی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے تشریح طلب ہے یہ بیشک صحیح ہے کہ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے بغیر علت کے نہین دیکھا لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا چیز پیدا ہوتے دیکھی ہے؟ کیا ہمنے اصل مادہ کو پیدا ہوتے دیکھا ہے؟ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے وہ مادہ کی صورتین ہین نہ کہ اصل مادہ، اس لئے اس سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صورتون کے پیدا ہونے کے لئے علت درکار ہے، اس سے زیادہ جو دعوی کیا جائے اسکی بنیاد تجربہ، اور مشاہدہ نہین ہے بلکہ صرف تخیل ہے، اس بنا پر یہ دعوی کرنا کہ عالم کے لئے کوئی علت ضرور ہے صحیح نہین، کیونکہ عالم مادہ کا نام ہے اور مادہ کا حادث اور مخلوق ہونا ثابت نہین ہوا اس لئے اس کی علت بھی ثابت نہین ہوسکتی

شاید یہ کہا جائے کہ گو مادہ قدیم اور مخلوق ہے لیکن مادہ کبھی صورت سے

خالی نہین ہوسکتا، اس لئے ان صورتون کے لئے کوئی علت ہوگی اور وہی خدا ہی لیکن یہ استدلال بھی صحیح نہین، اس لئے کہ مادہ قدیم ہے اور یہ صورتین علی سبیل البدلیۃ پیدا ہوتی اور فنا ہوتی رہتی ہین، اس بناپر اُن کے لئے ایک قدیم علت نہین بلکہ ہزارون لاکھون حادث علیتن درکار ہین

اصل یہ ہے کہ خدا کے وجود کی جو ضرورت ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ نظام عالم کا سلسلہ کس بنیاد پر قائم کیا جائے؟ اس لئے ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ عالم کا وجود اور عالم کا نظام، خدا کے وجود کے بغیر فرض کیا جاسکتا ہے یا نہین؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو خدا کے وجود کے تسلیم کی کوئی ضرورت نہین رہتی ؟

یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود مین نہین آسکتی، اس بناپر عالم کا مادہ قدیم ہے، تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ترکیبی صورت سے پہلے، فضائے غیر متناہی مین، نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا پھیلے ہوئے تھے، ان اجزا کو علمی اصطلاح مین دیمقراطیسی کہتے ہین، یہ اجزا آپس مین ملے اور ترکیب پاکر رفتہ رفتہ یہ عالم پیدا ہوگیا۔

اس تجویز پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اجزا خودبخود کیون کر مل گئے؟ اور یہ گوناگون مرکبات خودبخود کیون کر پیدا ہوگئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مادہ قدیم ہے حرکت اور **قوت** بھی قدیم ہے، حرکت ان اجزائے دیمقراطیسی کی فطری خاصیت ہی، جو اجسام ہم کو ساکن نظر آتے ہین، اُن کے اجزائے دیمقراطیسی بھی ہر وقت حرکت مین رہتے ہین، اور اگر اُن کو کبھی سکون ہوتا ہے تو دو متقابل جذب کے تعارض کی وجہ سے ہوتا ہے

بہرحال مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، اور مادہ کبھی حرکت سے خالی نہین ہوسکتا اس بناپر اجزاے دیمقراطیسی کا باہم مل جانا کوئی استبعاد کی بات نہین۔

اب جو کچھ شبہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ محض بخت و اتفاق سے ایسی ایسی عجیب وغریب مخلوقات جو سرتاپا حکمت اور صنعت سے بھری ہوئی ہین کیون کر پیدا ہوسکتی ہین؟ اسی سوال کو مذہب نے نہایت موثر الفاظ مین ادا کیا ہے، اور یہ سمجھایا ہے کہ خدا کا وجود اس سوال کا لازمی نتیجہ ہے۔ راسیین کہتا ہے، اے آسمانو! مجکو خبر دو، اے دریاؤ! مجکو بتاؤ! اے زمین مجکو جواب دے! اے بے انتہا ستارو تم کو کون سا ہات ہے جس نے تم کو افق مین تھام رکھا ہے؟ اور شب چار دہ! کسنے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا ہے؟ تو کسقدر پرشان ہے، کس قدر عظمت مآب ہے! تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جسنے تجکو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہاے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اُسنے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو اُبھارا ہے، او مژدہ رسانِ سحر! او نیر شگرف او ہمیشہ روشن رہنے والا ستارہ! او آفتاب درخشان! سچ بتا تو کسکی اداے طاعت کے لئے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعین عالم پر ڈالتا ہے

اے پر رعب سمندر! اے وہ کہ غضبناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے، کس نے تجکو محبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر کٹہرہ مین قید کر دیا جاتا ہے، تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ تیری موجون کا زور ایک حد مین سے آگے ہرگز نہین بڑھ سکتا

ان سوالات کے جواب دینے کے لیے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ خود اہل مذہب نے کائنات کی خلقت، اور اُس کے بقا اور استمرار کا کیا اصول قرار دیا ہے، اس بارہ مین اہل مذہب کے دو گروہ ہین، ایک گروہ کی یہ راے ہے کہ عالم مین جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے ایک ایک چیز کو خود خدا، بالذات اور بلا واسطہ پیدا کرتا ہے، اسباب و علل اور درمیانی وسائط کوئی چیز نہین، پانی جو برستا ہے، تو اس وجہ سے نہین برستا کہ سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے وہ اوپر جاکر، سردی کی وجہ سے پانی بنجاتی ہے اور بادل بنکر برستی ہے، بلکہ خدا بالذات پانی برساتا ہے

تمام اشیا کا بالذات
ن ہے یا بواسطہ

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خدا نے اشیا مین خواص اور تاثیر رکھی ہے، اور انھی خواص اور تاثیر کی وجہ سے کائنات کا سلسلہ پیدا ہوتا رہتا ہے، مثلاً خدا نے پانی مین یہ خاصیت رکھی ہے کہ حرارت پاکر وہ بھاپ کی صورت مین بدل جاتا ہے، بھاپ کا یہ خاصہ ہے کہ خنکی پاکر وہ پانی بنجاتی ہے، اب ان خاصیتون کے پیدا کرنے کے بعد، خدا کو بار بار ہمیشہ دست اندازی نہین کرنی پڑتی بلکہ انھی خاصیتون کی بنا پر اوقات معینہ مین خود بخود بھاپ پیدا ہوتی ہے، اوپر جاتی ہے، پانی بنتی ہے، اور برستی ہے۔ اسی طرح خدا نے خلقت کے اصول اور قوانین مقرر کر دیے ہین جن کے موافق، نظام عالم قائم ہے اور نئے حوادث کا سلسلہ جاری رہتا ہے، محققین اہل مذہب کا عموماً یہی مذہب ہے، اور خود مسلمانون مین اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقون کی یہی راے ہے۔

جب یہ مسلم ہوگیا کہ عالم کا سلسلہ چند قوانین قدرت پر قائم ہے تو بحث صرف یہ رہجاتی ہے

کہ یہ قوانین قدرت خود بخود بنے ہین، یا خدا نے بنائے ہین، اگر پہلا احتمال فرض کیا جائے تو خدا کی مطلق ضرورت نہین رہتی۔

قوانین قدرت خود بنتے ہین

مادہ کی نسبت یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ قدیم ہے۔ علوم جدیدہ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، یعنی جب محض اجزائے دیمقراطیسی تھے تو یہ اجزا ہمیشہ حرکت مین تھے، اور جب ان اجزا کی ترکیب سے مختلف اجسام بنے، تب بھی یہ اجزا ہر وقت خود بخود حرکت مین رہتے ہین گو ہم کو نظر نہین آتے، ان امور کے تسلیم کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت باقی نہین رہتی کہ قوانین قدرت کے لئے، ایک الگ صانع یعنی (خدا) تسلیم کیا جائے، اجزائے دیمقراطیسی جب آپس مین امتزاج پاتے ہین، تو مختلف صورتین پیدا ہو جاتی ہین، اور ہر صورت خود ایک خاصہ اور ایک اثر رکھتی ہے، یہ خاصہ اور اثر خواص ترکیب اور امتزاج کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی شخص، ان صورتون مین وہ خواص پیدا نہین کرتا، اس مضمون کو یون سمجھو کہ خود فلسفہ قدیمہ مین یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ ذاتیات اور لوازم مجعول نہین ہین مثلاً خدا نے مختلف انواع کے درخت پیدا کیے جن مین سے ہر نوع کا پتہ شاخین پھول پھل ہر ایک کا رنگ مختلف ہوتا ہے لیکن یہ چیزین خدا نے بالذات پیدا نہین کین بلکہ صرف اس نوع کو پیدا کیا، اور یہ چیزین اسکے لوازم ہونے کی وجہ سے آپ سے آپ پیدا ہو گیئن "[1]

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین

[1] صفحہ ۲۰۔

فَإِنَّهُ جَعَلَ لِكُلِّ نَوْعٍ أَوْرَاقاً بِشَكْلٍ خَاصٍّ وَأَزْهَاراً بِلَوْنٍ خَاصٍّ وَثِمَاراً مُخْتَصَّةً بِطُعُومٍ وَتِلْكَ الطُّعُومُ يُعْرَفُ أَنَّ هٰذَا الْفَرْدَ مِنْ نَوْعِ كَذَا أَوْ كَذَا وَهٰذِهِ كُلُّهَا تَابِعَةٌ لِلصُّوَرِ النَّوْعِيَّةِ مُنْطَوِيَةٌ

خدانے ہر قسم کے درخت کے لئے جداگانہ شکل کے پتے جداگانہ رنگ کے پھول۔ جداگانہ مزے کے پھل بنائے جنکے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ خاص درخت فلان درخت کے افراد مین داخل ہی اور یہ سب خاصیتین صورت نوعیۃ کی تابع ہین اور اسی مین لپٹی ہوئی ہین

پھر آگے چلکر لکھتے ہین

وَلَيْسَ لَكَ أَنْ تَقُولَ لِمَ كَانَتْ ثَمَرَةُ النَّخْلِ عَلَى هٰذِهِ الصِّفَةِ فَإِنَّهُ سُؤَالٌ بَاطِلٌ لِأَنَّ وُجُودَهُ لَوَازِمُ الْمُهَيَّأَاتِ مَعَهَا لَا يُطَالَبُ بِلِمَ

اور تم یہ پوچھ نہین سکتے کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیون ہوتا ہی کیونکہ ایسا سوال کرنا لغو ہی اسوجہ سی کہ ماہیت کے جو لوازم ہین انکے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہین اور انکی نسبت یہ سوال نہین ہوسکتا کہ کیون ہوے

اس امر کے تسلیم کرنے کے بعد کہ مظاہر قدرت کا بڑا حصہ خود اشیا کی صورت نوعیہ کا نتیجہ ہے یعنی ان کو بالذات خدانے پیدا نہین کیا بلکہ وہ صور نوعیہ کا لازمی نتیجہ تھین جو خود بخود ان کے ساتھ پیدا ہوگئین، یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ صور نوعیہ کا خالق کون ہے؟ اسقدر حکماے قدیم کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ صور نوعیہ، قدیم اور ازلی ہین، نشر الطوالع مین ہے۔

صور نوعیہ قدیم ہین یا حادث

وَزَعَمَ أَرِسْطَاطَالِيسُ وَأَبُو نَصْرٍ الْفَارَابِيُّ وَأَبُو عَلِيِّ بْنُ سِينَا أَنَّ الْأَفْلَاكَ قَدِيمَةٌ بِمَوَادِّهَا وَمَقَادِيرِهَا وَأَشْكَالِهَا سِوَى حَرَكَاتِهَا وَالْعَنَاصِرُ قَدِيمَةٌ بِمَوَادِّهَا وَصُوَرِهَا الْجِسْمِيَّةِ بِنَوْعِهَا وَصُوَرِهَا النَّوْعِيَّةِ بِجِنْسِهَا

ارسطو، ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کا خیال ہی کہ افلاک کا مادہ، مقدار، اور اشکال، قدیم ہین، صرف انکی حرکت قدیم نہین ہے اور عناصر کا مادہ اور انکی صور جسمیہ کی نوع اور صور نوعیہ کی جنس، قدیم ہے

صور نوعیہ کا قدیم ہونا جب خود اہل مذہب تک تسلیم کرتے ہین تو اب صرف یہ بحث باقی ہے کہ صور نوعیۂ خود بخود پیدا ہو گئین، یا خدا نے پیدا کین، اہل مذہب اس بات پر کوئی دلیل نہین قائم کر سکتے کہ صور نوعیہ، خدا نے پیدا کین، بلکہ یہ احتمال زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ خود بخود پیدا ہو گئین کیونکہ جب وہ قدیم اور ازلی ہین تو اُن کو بغیر کسی قوی دلیل کے معلول کہنا بالکل خلاف عقل ہے۔ حاصل یہ کہ اجزاے دیمقراطیسی قدیم ہین، ان کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے حرکت سے امتزاج پیدا ہوا، امتزاج سے مختلف صور نوعیہ پیدا کین، باقی تمام مظاہر کائنات ان صور نوعیہ کے نتائج لازمی ہین جیسا کہ خود اہل مذہب کو تسلیم ہے

رابرٹ انگرسال جو امریکا کا مشہور ملحد ہے، اپنی کتاب ،، انکار خدا،، مین لکھتا ہے،

،، فرض کرو کہ نیچر سے برتر کوئی قوت نہین اور مادہ اور قوت، ازل سے موجود ہین، اب خیال کرو کہ دو ذرہ باہم ملین تو کیا کوئی نتیجہ پیدا ہو گا؟ ہان! فرض کرو اگر وہ مخالف جہتوں سے برابر قوت کے ساتھ آئین تو دونون رک جائین گے اور یہی نتیجہ ہو گا۔ اگر ایسا ہی ہو تو مادہ۔ قوت اور نتیجہ بلا کسی ایسی قوت کے ہین جو نیچر سے برتر ہو۔ اگر فرض کرو کہ دو ذرے اسطرح ملین تو کیا نتیجہ بعینہ وہی نہ ہو گا؟ ہان ایک ہی قسم کی حالت سے ایک ہی قسم کا نتیجہ ہو گا۔ اور اسی کے معنی قانون اور ترتب کے ہین۔ تو اب مادہ۔ قوت۔ قانون۔ ترتیب بلا ایسی قوت کے ہین جو نیچر سے بالاتر ہو،،

شاید کہا جائے کہ جس طرح یہ سلسلہ فرض کیا جاتا ہے، یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ مادہ اور اجزاے دیمقراطیسی قدیم ہین لیکن خدا کے پیدا کئے ہوئے ہین اور پھر ان کے

امتزاج اور اختلاط سے عالم پیدا ہوا، اور جب اس سلسلہ کے فرض کرنے میں کوئی استحالہ نہین تو اسی کو ترجیح کا حق ہے کیونکہ جواز مین دونون احتمال برابر ہین اور دوسرے احتمال کو ترجیح زائد یہ ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ اسی احتمال کو آج تک مانتا آتا ہے

لیکن یہ خیال بھی صحیح نہین کیونکہ واقعیت کے لحاظ سے دونون احتمال یکسان نہین ہین

تمام مدرکات اور معلومات کی واقعیت کا اصلی معیار یہ ہے کہ جو علم جس قدر زیادہ، محسوسات پر مبنی اور محسوسات سے زیادہ قریب ہے اُسی قدر یقینی اور زیادہ قابل اعتماد ہے جس قدر محسوسات سے بعد ہوتا جاتا ہے اُسی قدر یقینی ہونے کا درجہ گھٹتا جاتا ہے اور اگر تحلیل کرنیکے بعد، اس کی انتہا محسوسات تک نہین پہنچتی، تو وہ محض وہمی علم ہے، کیونکہ یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ انسان اُن اشیاء کو جان سکتا ہے جو یا محسوس ہین، یا محسوسات سے ماخوذ ہین،

اس بنا پر پہلا احتمال یعنی محض مادہ اور حرکت کا مبدا کائنات ہونا زیادہ تر قریب یقین ہے عالم مین جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ مادہ ہے، حرکت ہے، قوت ہے، یہ مسئلہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ تمام دنیا ملکر کسی چیز کو نہ مطلق فنا کر سکتی، نہ عدم محض سے پیدا کر سکتی، اس سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ مادہ قدیم ہے اسلیے مادہ کا قدیم ہونا بھی گویا محسوسات مین داخل ہے یہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ چند قوانین قدرت ہین جن کے مطابق کائنات کا سلسلہ قائم ہے۔ مثلاً کشش اجسام، مسئلہ ارتقاء، انتخاب طبعی وغیرہ وغیرہ

مبدا کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہین

لیکن دوسرا احتمال یعنی خدا کا وجود نہ خود محسوسات مین ہے نہ محسوسات سے ماخوذ ہے، اس قدر بے شبہ محسوس ہے کہ ہر حادث، علت کا محتاج ہے، لیکن مادہ، حادث نہین،

اور چونکہ حرکت اور قوت، خود مادہ کے لوازم طبعی ہین اس لئے وہ بھی حادث نہین، اور جب مادہ۔ قوت۔ حرکت قدیم ہین، اور کائنات کے تمام انواع، انھی چیزون کا نتیجہ ہین، تو خدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جا سکتا ہے؟ پروفیسر لیتیریہ کہتا ہے کہ جن اسباب نے کائنات کو پیدا کیا ہے، بعینہٖ وہ خود کائنات مین موجود ہین، اور ان سے الگ نہین اور انھی اسباب کو ہم قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہین "ایک اور مشہور پروفیسر کہتا ہے کہ "قوانین فطرت اور خدا، ان دونون مین سے ہم کو صرف ایک کی ضرورت ہے"

یہ ان ملاحدہ کے خیالات ہین جنکا یہ بیان ہے کہ ہم کو خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہین ملتی، اور اگر صرف احتمال سے کام کیا جائے تو خدا کے عدم کا احتمال، وجود سے زیادہ قوی ہے، لیکن ملاحدہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو علانیہ اس بات کا مدعی ہے کہ خدا کا وجود جسطرح بیان کیا جاتا ہے، ہو ہی نہین سکتا۔

یہ لوگ کہتے ہین کہ خدا کے معنی اگر صرف **علۃ العلل** کے ہین تو ہم کو کچھ بحث نہین لیکن اگر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق حکیم۔ صاحب ارادہ۔ عادل۔ اور رحیم بھی ہے تو اسکا ثبوت نہین ہوتا، بلکہ اس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہین جن کی تفصیل ذیل مین ہے۔

منکرین خدا کے دلائل

(۱) ڈاروِن کے مسئلہ ارتقا نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام مخلوقات نہایت ادنی درجہ سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت پر پہنچی ہے، خود انسان جو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے نہایت ادنی درجہ کا جانور تھا ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا اور پھر ایک دو زینہ کے بعد

آدمی بنگیا، اس بنا پر کیون کر قیاس کیا جا سکتا ہی کہ دنیا کا پیدا کرنے والا، قادر مطلق اور حکیم ہے

رابرٹ انگرسال اپنی کتاب مین جو خدا کے انکار پر ہے لکھتا ہے

"فرض کرو ایک جزیرہ پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا ملے جس کے پاس ایک نہایت عمدہ خوبصورت گاڑی موجود ہو، اور اُس کا یہ دعوی ہو کہ یہ گاڑی اس کی لاکھوں برس کی محنت کا نتیجہ ہے جس کے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے مین پچاس پچاس ہزار برس صرف ہوئے" تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالین گے کہ وہ شخص ابتدا ہی سے فن جرثقیل مین ماہر تھا

"مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہین ہوتی کہ خالق مین بھی ترقی ہوئی ہے، کیا ایک نیک عاقل اور قادر مطلق خدا انسان کو پیدا کرنا چاہتا تو اسطرح پیدا کرتا کہ پہلے نہایت ابتدائی اور ادنی درجہ کی سادہ حالت مین پیدا کرتا۔ پھر ایک غیر محدود زمانہ کے بعد آہستہ آہستہ ترقی دیکر انسان بناتا اس طرح سالہاے بیشمار، ان شکلون اور ہیئتون کے بنانے مین صرف ہوے جن کو آخرکار خارج کرنا پڑا"

(۲) دنیا مین نہایت کثرت سے جور وظلم، خونریزی اور قتل، مصیبت اور رنج پایا جاتا ہے، اس لئے کیون کر قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ دنیا کا خالق، رحیم اور عادل ہے انگرسال لکھتا ہے کہ "دنیا کی سطح کو ایسی خوفناک اور نفرت انگیز جانورون سے بھرنا جو ایک دوسرے کی تکلیف اور ایذا پر اپنی زندگی بسر تے ہین، کیا اس مین بصیرت اور عقلمندی کی علامت پائی جاتی ہے؟ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کے رحم کی کون قدر کرسکتا ہے جب کہ ہر جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہے، یہان تک کہ ہر مونھ ایک مذبح اور ہر پیٹ ایک قبرستان ہے

اس عام اور دائمی خونریزی مین غیر محدود بصیرت اور محبت کا وجود غیر ممکن ہے"

"دو سالہا سال کی تاریکی مین جو تکلیفین بنی نوع انسان کو پہنچین وہ قیاس نہین کی جا سکتین، زیادہ تر حصہ اس تکلیف کا کمزور، نیک اور معصوم لوگون نے برداشت کیا عورتون سے زہریلے درندون کی طرح سلوک کیا گیا معصوم بچے، حشرات الارض کی طرح پاؤن سے کچلے گئے، قوم کی قوم پر صدیون غلامی، کا فتوی رہا اور تمام عالم مین وہ ستم برپا رہا جسکو زبان قلم ادا نہین کر سکتی"

اگر کوئی کہے کہ آیندہ دنیا مین ان مصیبت زدون کو تکلیف کا بدلہ مل جائیگا تب بھی اس اعتراض کا جواب نہین ملتا، اس بات کی امید کرنے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک کامل۔ عاقل، نیک اور با اقتدار حکیم ہمارے ساتھ بمقابلہ حال کے آیندہ بہتر سلوک کریگا، کیا خدا مین زیادہ قوت آجائیگی؟ کیا وہ زیادہ رحیم ہو جائیگا؟ کیا اسکی مہربانی اپنی عاجز مخلوق کے ساتھ زیادہ ترقی کر جائیگی"

(۳) یہ امر ظاہر ہے کہ سیکڑون آدمی خلقۃً نہایت بیرحم سخت دل، بدکار اور مائل بہ شہوات ہوتے ہین، بلکہ خلقت کا زیادہ حصہ برے ہی آدمیون کا ہے، اس صورت مین کیونکر قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک حکیم اس قسم کے اشخاص کا پیدا کرنا جائز رکھتا، قیامت کی جزا و سزا۔ اس عقدہ کو حل نہین کر سکتی، کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان اشخاص کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پیدا کرنا اور پھر انکو قیامت مین سزا دینا اس سے کیا فائدہ؟ اگر خدا قادر مطلق ہے تو اسکو دنیا مین صرف نیکی، راست بازی، نکوکاری

پیدا کرنی چاہئے تھی۔ فریب۔ جھوٹ۔ فسق۔ فجور۔ حسد۔ بغض۔ دشمنی۔ انتقام۔ بیرحمی کے وجود کی کیا ضرورت تھی؟ ان تمام باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور مختار خدا نہین ہے، بلکہ صرف لا آف نیچر ہے، جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ قائم ہے اور بغیر کسی غرض اور مقصد کے جو کچھ ہوتا ہے ہوا جاتا ہے

ایک مشہور ملحد کہتا ہے کہ جہان تک ہم تمیز کر سکتے ہین ہمکو معلوم ہوتا ہی کہ نیچر بلا محبت اور بلا ارادہ ہمیشہ مختلف اشکال بناتا اور بدلتا رہتا ہے، نہ اس کو غم ہی نہ خوشی، زہر و غذا، رنج و طرب، زندگی و موت، ہنسی اور آنسو، سب اسکے نزدیک یکسان ہین، نہ وہ رحیم ہے، نہ وہ خوشامد سے خوش ہوتا ہی، نہ آنسو گرانے سے متاثر"

ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب

ہم کو اس سے انکار نہین کہ عالم، اجزاے دیمقراطیسی سے بنا ہے۔ ہمکو یہ بھی تسلیم ہے کہ عالم، قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانون کے ایک بڑے فرقہ معتزلہ اور حکماے اسلام یعنی فارابی۔ ابن سینا اور ابن رشد کی راے ہے۔ بلکہ جیسا کہ ابن رشد نے تلخیص المقال مین لکھا ہے خود قرآن مجید کی ان آیتون سے اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ یہی متبادر ہوتا ہے، ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ مادہ کے اجزا متحرک ہین، حرکت۔ مادہ کی ذاتیات مین سے ہے مختلف قوانین قدرت ہین جن کے موافق، اجزا باہم ملتے ہین، ترکیب پاتی ہین اور پھر اُنمین خاص خاص قوی اور خواص پیدا ہو جاتے ہین، لیکن کائنات کا عقدہ اُن باتون سے

ملاحدہ کے اعتراض کا رد

بھی حل نہین ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے

اس مین شبہ نہین کہ عالم۔ کا تمام نظام، قوانین قدرت، یا لاآف نیچر پر قائم ہے لیکن یہ قوانین، الگ الگ مستقل بالذات، اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہین ہین بلکہ سب ایک دوسرے کے موافق، متناسب اور معین ہین ان مین باہم اسقدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے مین کل قوانین قدرت باہم ملکر کام کرتے ہین۔ ایک کمزور سے کمزور گھانس اُس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب خاک۔ ہوا۔ پانی وغیرہ سے لیکر بڑے بڑے اجرام فلکی مثلاً افتاب، وماہتاب، وغیرکے افعال، اور خواص، اُسکے پیدا کرنے مین مشارکت اور توافق کو عمل مین لائین، اسکی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم مین سیکڑون اعضا جوارح، اور اعصاب ہین، یہ اعضا اور جوارح الگ الگ ہین اور ہر ایک کا کام جدا ہے، لیکن کوئی عضو اس وقت تک کام نہین دے سکتا جب تک اور تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اُسکے عمل مین شریک نہ ہون، یا کم سے کم یہ کہ اُس کے کام مین خلل انداز نہ ہون، اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ ان اعضا کے قوٰی مستقل حیثیت نہین رکھتے بلکہ انسان مین کوئی اور عام قوت ہے جو ان تمام اعضا کی جداگانہ قوتون سے بالاتر ہے، اور جس کی ماتحتی مین یہ سب باتفاق کام کرتے ہین، اس عام قوت کو نفس۔ روح۔ یا مزاج سے تعبیر کیا ہے۔

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے، عالم مین سیکڑون ہزارون قوانین قدرت ہین، لیکن اگر ان مین سے ایک بھی باہمی توافق کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم

تمام قوائے قدرت باہم موافق اور معاون ہین

بہم ہو جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جو ان تمام قوانین قدرت
کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین مین، باہم توافق، تناسب، ربط، اور اتحاد پیدا
کیا ہے میٹریسٹ یہ کہتا ہے کہ مادہ خود بخود پیدا ہوا، مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی
حرکت نے امتزاج پیدا کیا، اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہو گئے لیکن
وہ اس بات کی وجہ نہین بتا سکتا کہ ان سیکڑون ہزارون بلکہ لاکھون قوانین قدرت مین
یہ توافق، تناسب، اور اتحاد کہان سے آیا؟ توافق اور اتحاد پیدا ہونا خود ان قوانین کی
ذاتی خاصیت نہین ہے اور اگر کوئی ایسا دعوی کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہوگا جسکی
کوئی نظیر پیش نہین کیجا سکتی، یہی بالاتر قوت جو تمام قوانین قدرت پر حاکم ہے اور جس نے
ان تمام قوانین مین ربط اور اتحاد قائم کیا ہے خدا ہے یہی معنی ہین قرآن مجید کی اس آیت کے
وَلَهُ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا زمین اور آسمان مین جو کچھ ہے سب اوسکا کہنا مانتے ہین جبراً یا خوشی
یورپ کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفرز کو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے

ملین اڈورڈ MILNE EDWARD کہتا ہے "انسان اسوقت سخت حیرت
زدہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوے ایسے لوگ بھی
موجود ہین جو یہ کہتے ہین کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت واتفاق کے نتائج ہین، یا دوسری عبارت
مین یون کہنا چاہیے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہین، یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیان
جنکو لوگون نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے اُن کو بالکل باطل کر دیا ہے
فزیکل سائنس جاننے والا کبھی ایسے اعتقاد نہین لا سکتا"

ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "یہ اسرار روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہین جب ہم ان پر زیادہ بحث کرتے ہین تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیا وجود مین آتی ہین"

پروفیسر لینہ کہتا ہے "وہ خداے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزون کا جاننے والا ہی، جو ہر چیز پر قادر رہے، اپنی عجیب وغریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ مین مبہوت اور مدہوش ہو جاتا ہون[1]"

اب ہم اُن اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو خدا کے قادر مطلق، رحیم اور عادل ہونے کی نسبت کئے جاتے ہین، یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا تو دنیا کو تبدیج کیون پیدا کرتا، اسقدر لغو ہے کہ توجہ کے بھی قابل نہین۔

ایک قطرہ کا رحم مین پڑنا۔ پرورش پانا، گوشت پوست چڑھنا، مختلف اعضا کا پیدا ہونا، جان کا پڑنا، خون سے غذا پانا اور پھر نور کا پتلا بنکر ہستی کے منظر پر آنا، زیادہ اعجوبہ زا اور کمال قدرت کی دلیل ہے؟ یا دفعۃً بنا بنا ایک انسان مجسم کا پیدا ہو جانا؟

البتہ یہ اعتراض توجہ کے قابل ہے کہ دنیا مین نیکی کے ساتھ برائی کیون ہی؟

بوعلی سینا نے شفا مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دنیا کی تین حالتین فرض کی جاسکتی ہین۔

محض[1] بھلائی ہی بھلائی ہوتی۔ محض[2] برائی ہوتی۔ زیادہ[3] بھلائی ہوتی اور کسیقدر برائی

[1] ہربرٹ اسپنسر اور پروفیسر لینہ کے یہ اقوال پہلے بھی ہم نقل کر چکے ہین

اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یہ تینوں پیش ہین تو کیا کرنا چاہیے،
پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہین ہو سکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہے
دوسری صورت بھی قابل بحث نہین کیونکہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابل اختیار ہے۔ اور
قدرت نے بھی ایسا ہی کیا، یعنی ایسی دنیا پیدا نہین کی جس مین برائیان ہی برائیان ہون
صرف تیسری صورت بحث کے قابل ہے یعنی قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے
یا نہین جسمین بھلائیان زیادہ اور برائیان کم ہون، اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو بے شبہ یہ فائدہ
ہوتا کہ چند برائیان عالم وجود مین نہ آتین لیکن اسکے ساتھ بہت سے بھلائیون کا بھی وجود
نہ ہوتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ چند برائیون کے لئے دنیا ہزارون بھلائیونسے محروم رہجاتی۔
ابن رشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا مین جو برائی
پائی جاتی ہے وہ بالذات نہین بلکہ کسی بھلائی کی تابع اور لازم ہے، غصہ بری چیز ہے
لیکن اُس حاسہ کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظت خود اختیاری کرتا ہے،
یہ حاسہ نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلہ مین اپنی جان بچانے کی بھی کوشش نہ کرے،
فسق و فجور بُری چیزین ہین لیکن یہ اُسی قوت سے متعلق ہین جسپر نسل انسانی کا بقا منحصر ہے،
آگ گھرون کو جلا دیتی ہے شہر کے شہر اس سے تباہ ہو جاتے ہین لیکن اگر آگ نہ ہو تو
انسان کا زندگی بسر کرنا محال ہو جائے،
اب صرف یہ شبہ رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کیجاتی اسمین اچھائی ہی
اچھائی ہوتی۔ برائی مطلق نہ ہوتی؟ ابن رشد کہتا ہے کہ ہان یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی ایسی آگ

نہین پیدا کی جاسکتی کہ اس سے کھانا پکانا چاہین تو پک جائے لیکن اگر مسجد کو جلانا چاہین تو نہ جلائے

باقی یہ اعتراض کہ دنیا مین اکثر اچھے آدمی تکلیف اُٹھاتے ہین اور بُرے آدمی عیش و عشرت سے بسر کرتے ہین اسکا جواب یہ ہے کہ انسان کی زندگی، اس حیات فانی تک ختم نہین ہو جاتی، اس لیے یہ کیون کر فیصلا کیا جاسکتا ہے کہ ہم جن کو عیش و عشرت مین بسر کرتا ہُوا دیکھ رہے ہین یہ اُنکی پوری زندگی کی تصویر ہے، ہمارے سامنے اس سلسلہ کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے، اس کی بنا پر ہم پورے سلسلہ کی نسبت کیون کر رائے دے سکتے ہین، آگے چلکر ہم ثابت کرین گے کہ جزا و سزا، افعال انسانی کے لازمی نتائج ہین جو کسی طرح اُنسے جدا نہین ہو سکتے جس طرح مرنا زہر کھانے کا اور سیراب ہونا پانی پینے کا لازمی نتیجہ ہے، اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہین کہ بہت سے لوگ اچھے یا بُرے کام کرتے ہین، اور اُن کے نتیجے اُن کو پیش نہین آتے

نظام عالم مین ہم کو جو برائیان ابتریان اور نقائص نظر آتے ہین کون کہ سکتا ہے کہ واقعی نقائص ہین؟ یا اس وجہ سے نظر آتے ہین کہ نظام عالم کا پورا سلسلہ ہماری آنکھون کے سامنے نہین ہے۔ ایسی حالت مین صرف اتنی بات پر خدا کے کمال ور عزت و جلال کا کیون کر انکار کیا جاسکتا ہے؟ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

توحید

توحید

ذات باری کا اجمالی اعتراف، تمام مذاہب مین پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر اسلام نے اس مسئلہ پر چندان زور نہین دیا اسلام کے مختصات مین جو چیز ہے وہ توحید ہے کیون کہ

دوسرے مذاہب مین یا توسرے سے توحید تھی ہی نہین یا تھی تو کامل نہ تھی- اسی بنا پر قرآن مجید نے بار بار کہا کہ کفار کو بھی خدا سے انکار نہین، کفار کو جو وحشت ہو وہ توحید سے ہے،

إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا	جب کیلا خدا پکارا جاتا ہے تو تم منکر ہوجاتے ہو اور اگر کوئی اور
وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ	شریک کیا جاے تو تم مان لیتے ہو- اورجب خدا کا تنہا ذکر
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ	کیا جاتا ہے تو منکرین قیامت کا دل بدک جاتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہم کو خدا کے وجود کا یقین ہوتا ہے بعینہٖ وہی اسباب اس بات کے بھی شاہد ہین کہ خدا ایک ہی ہے، نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر وہ کثیر الاجزا یا کثیر الافراد ہے لیکن سب ملکر ایک ہے یعنی اُس کُل کا ایک ایک پرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اُسکو چلا سکتا ہے جو تمام پرزون کا موجد اور اُنکے باہمی تناسب کا محافظ ہو اسی دلیل کو قرآن مجید مین اسطرح ادا کیا ہے،

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا	اگر آسمان اور زمین مین کئی خدا ہوتے تو نظام عالم بگڑ جاتا

منطقی پیرایہ مین اگر یہ استدلال بیان کیا جائے تو پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے

۱- عالم مین گو بظاہر ہزارون لاکھون اشیا نظر آتی ہین لیکن عالم ایک شے واحد ہے اور یہ تمام اشیا اسکی ذاتیات اور اجزا ہین جسطرح انسان مین باوجود اسکے کہ ہاتھ پانون، کان، آنکھ، ناک بہت سے اعضا پائے جاتے ہین تاہم انسان ایک شے واحد ہی ہے

۲- ایک چیز کی دو علت تامہ نہین ہوسکتین، کیونکہ علت تامہ کے یہ معنی ہین کہ اُسکے وجود کے ساتھ بلا انتظار کسی اور چیز کے معلول وجود مین آجائے- اسلئے اگر ایک معلول کیلئے

دو علت تامہ ہون تو ایک بالکل بیکار ہوگی

۳- خدا، عالم کی علت ہے

اب استدلال کے مقدمات یہ ہین - عالم ایک شے واحد ہے - اور شے واحد کی دو علت تامہ نہین ہو سکتی - اس لیے عالم کی دو علت تامہ نہین ہوسکیتن - خدا عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہین ہو سکتی، اس لئے خدا متعدد نہین ہو سکتا - یہ بات خاص طور پر خیال کے قابل ہے کہ مطلق توحید بھی درحقیقت تمام مذہبون مین پائی جاتی ہے جن قومون کو مشرک کہا جاتا ہے وہ بھی قادر مطلق ایک ہی ذات کو مانتے ہین، البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد کہتے ہین جس سے شرک کا گمان ہوتا ہے عیسائی تین خدا مانتے ہین لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہین کہ تینون ایک ہین، یہ تعبیر کتنی ہی غلط ہو لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی تعدد اُنکو بھی گوارا نہین - اس لحاظ سے مطلق توحید بھی کوئی نئی بات نہین اسلام کو اس بات مین جو خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اُسنے توحید کو کامل یعنی شرک کے ہر قسم کے شائبون سے پاک کر دیا - اور یہ منجملہ اُن تکمیلون کے ہے جن کی وجہ سے اسلام کے بعد اور کسی مذہب کی ضرورت نہین رہی کیونکہ کمال کے بعد پھر کوئی درجہ نہین، توحید کامل کے یہ معنی ہین کہ جس طرح خدا کی ذات مین کوئی شریک نہین اسیطرح اُسکی صفات مین بھی کوئی شریک نہین، پیدا کرنا، زندہ رکھنا، مارنا، عالم الغیب ہونا - دور و نزدیک سے یکسان تعلق رکھنا یہ تمام صفات خدا کی ذات کیساتھ مخصوص ہین، اسلام کے سوا اور مذہب والے اوتارون اور پیغمبرون مین بھی یہ اوصاف مانتے تھے اور مانتے ہین اور یہی

توحید پر استدلال

توحید کا نقص ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اب اصطلاح کا پردہ رکھکر ان اوصاف کو اوروں میں بھی ماننے لگے ہیں۔ اسلام نے توحید کے کمال کے لئے توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت کو بھی ضروری قرار دیا یہانتک کہ سجدۂ تعظیمی جو تمام دوسرے مذاہب میں خدا کے سوا اوروں کے لئے بھی جائز تھا اسلام نے اسکو بھی حرام کر دیا،

توحید فی الصفات و فی العبادت

حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اقرار اور اعتراف کا دل پر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اطاعت، انقیاد، خشوع، استقلال، توکل، اخلاص کی حالت اسیوقت دل پر طاری ہو سکتی ہے جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتوں، تمام ضرورتوں، تمام امیدوں، تمام اغراض، تمام خواہشوں کا ایک ہی مرکز ہے انسان میں، استقلال، آزادی، دلیری، بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے، جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہے، اس کا سر ہر آستانہ پر جھک جانیکے لئے تیار رہتا ہے

نبوّت

نبوت کی کیا حقیقت ہے؟ اسکے کیا شرائط ہیں؟ متنبی اور غیر متنبی میں حد فاصل کیا ہے، ان سوالات کا جواب آج تمام اسلامی فرقوں کی طرف سے عموماً یہ دیا جاتا ہے کہ نبوت خدا کا عطا کیا ہوا ایک منصب ہے، خدا جسکو چاہتا ہے دیتا ہے نبوت کے لئے معجزہ شرط ہے، اور یہی نبوت کی فصل اور ممیز ہے، اس جواب کی ابتدا اشاعرہ ظاہرین سے ہوئی اور رفتہ رفتہ تمام اسلامی فرقوں میں یہی اعتقاد پھیل گیا

جناب رسالت پناہ اور صحابہ کے زمانہ میں تو علمی اور اصطلاحی حیثیت سے اس مسئلہ پر

بحث پیدا ہی نہین ہو سکتی تھی لیکن دولت عباسیہ کے ابتدا ہی مین جب فلسفہ نے مذہب کے
احاطہ مین قدم رکھا تو یہ بحث زور و شور کے ساتھ پیدا ہوئی۔ جہانتک ہم کو معلوم ہے سب سے
پہلے اس مسئلہ پر جاحظ نے قلم اُٹھایا اور ایک مستقل کتاب لکھی، علوم عقلیہ و نقلیہ مین جاحظ
کا جو پایہ ہے اسکے لحاظ سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُسنے کیا کچھ لکھا ہوگا؛ لیکن قدما کی
تمام تصنیفات اس طرح برباد ہو چکی ہین کہ آج اُس خرمن کا ایک دانہ بھی موجود نہین ایثار الحق
مین جو نوین صدی کے ایک مجتہد یمنی کی تصنیف ہے اور آج کل مصر مین چھاپی گئی ہے،
ایک جگہ صرف اس کتاب کا تذکرہ ہے، اور شرح مواقف مین نبوت کے اثبات کے جو
چار طریقے لکھے ہین ان مین سے دوسرے طریقے کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ جاحظ کا مذہب ہے
اور امام غزالی نے بھی اسکی تحسین کی ہے"

نبوت کی تشریح سب سے پہلے جاحظ نے کی

اشاعرہ کا جو اعتقاد ہے گو تمام دنیا مین پھیل گیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج
اس پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہین، ان مین سے کہین زیادہ خود اشاعرہ ہی کے زمانہ
مین کیے جا چکے تھے، اسی بنا پر امام غزالی، رازی، ابن رشد، راغب اصفہانی، اور شاہ
ولی اللہ صاحب وغیرہ اساطین کلام نے، اشاعرہ کے نقش قدم کو چھوڑ کر دوسری راہ
اختیار کی، لیکن اشاعرہ کا مذہب عوام کے طبائع کے اسقدر موافق واقع ہوا تھا کہ امام غزالی
وغیرہ نے جو کچھ اُنکے موافق کہا وہ آج ایک ایک بچہ کے دل مین، اور زبان پر ہے، اور جو کچھ
اُنکی خاص رائین تھین، وہ اس شور و ہنگامہ مین لوگون کو سنائی بھی نہ دین، مجبوراً ان بزرگون نے
بھیڑ سے الگ ہو کر ایک خاص دائرہ اختیار کیا اور جو کہنا تھا اسی خاص مجمع سے مخاطب ہو کر کہا

خدا کا شکر ہے کہ اُن کی رازدارانہ گفتگوئین، گو پھیلین نہین، لیکن بالکل ناپید بھی نہین ہوئین، مین اس بحث کو نہایت استیعاب کے ساتھ لکھون گا جس سے امور ذیل مقصود ہین

(۱) یہ ظاہر کرنا کہ مسئلہ نبوت کے متعلق مجتہدین اور ائمہ فن کے ذاتی خیالات اور تحقیقات کیا ہین ؟

(۲) نبوت پر جو اعتراضات کیے جارہے ہین نئے نہین ہین، بلکہ مع شئے زاید سے پہلے کیے جا چکے ہین

(۳) یہ اعتراضات، زیادہ ایک خاص ظاہر پرست گروہ مذہب پر وارد ہوتے ہین محققین کا مذہب ان حملون کی زد سے محفوظ ہے

(۴) علم کلام کی مروجہ اور زیر درس کتابین عامیانہ مذاق پر لکھی گئی ہین، محققین اور ائمہ کلام کی تحقیقات، یا سرے سے اُن مین مذکور نہین، یا ہین تو اُن کو ایسے کمزور پیرایہ مین ادا کیا ہے کہ اُن پر توجہ تک مائل نہین ہوسکتی۔

اب ہم اصل بحث کیطرف متوجہ ہوتے ہین

خرق عادت کے مسئلہ کی بنا پر

نبوت پر اعتراض

اشاعرہ کے نزدیک نبوت کی حقیقت

نبوت کی تعریف جیسا کہ مواقف مین ہے اشاعرہ نے یہ کی ہے اور اُسی کو تمام اہل حق کی طرف منسوب کیا ہے

مَنْ قَالَ لَهُ اللّٰهُ اَرْسَلْتُكَ اَوْ بَلِّغْهُمْ عَنِّيْ وَنَحْوَهُ مِنَ الْاَلْفَاظِ وَلَا يَشْتَرِطُ فِيْهِ شَرْطٌ وَلَا اسْتِعْدَادٌ بَلِ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ	پیغمبر وہ ہو جس سے خدانے یہ کہا ہو کہ مینے تجکو بھیجا یا لوگون کو میری طرف سے پیغام پہنچا، یا اس قسم کے اور الفاظ، اور پیغمبر ہونیکے لئے کوئی شرط نہین نہ یہ شرط ہی کہ اُسمین کسی قسم کی قابلیت ہو بلکہ خدا اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بندون مین سے جسکو چاہتا ہے خاص کرلیتا ہے

لیکن یہ تعریف اس قسم کی ہے کہ اسکی بنا پر کسی شخص کو نبی کہنا بھی نبی کا کام ہوسکتا ہے کیونکہ عام لوگونکو اس اطلاع کا کیا ذریعہ ہے کہ فلان شخص سے خدانے باتین کین اور اس سے یہ یہ کہا، اس بنا پر اشاعرہ نے نبوت کے شناخت کے لئے معجزہ کو دلیل قرار دیا یعنی جس سے معجزہ صادر ہو، اُسکی نسبت یہ یقین کیا جائے گا کہ خدانے اس سے خطاب کیا، اس بنا پر امور ذیل تنقیح طلب ہین۔

معجزہ کی کیا تعریف ہے اور اسکے کیا شرائط ہین؟

کیا اس سے نبوت پر استدلال ہوسکتا ہے؟

معجزہ کی تعریف اشاعرہ نے یہ کی ہے کہ جسکے ظاہر کرنے سے نبوت کی تصدیق مقصود ہوا ور اُسکے لئے سات شرطین قرار دی ہین۔

خدا[۱] کا فعل ہو۔ خارق[۲] عادت ہو۔ اُس[۳] کا معارضہ ناممکن ہو۔ مدعی[۴] نبوت سے ظاہر ہو۔ دعوی[۵] کے موافق ہو۔ نبی[۶] کا مکذب نہ ہو، دعوی[۷] پر مقدم نہ ہو

ان شرطون مین سے دو شرطین قابل بحث ہین

یہ شرط کہ خارق عادت ہو، اس سے کیا مراد کیا ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ سلسلہ اسباب اور اصول فطرت کے خلاف ہو تو سوال یہ ہے کہ معجزہ واقع بھی ہو سکتا ہے یا نہین؟

انسان کو جسقدر علوم حاصل ہوتے ہین اُن کی دو قسمین ہین، بدیہیات، نظریات،

بدیہیات وہ امور ہین جو بغیر غور و فکر کے حاصل ہوتے ہین یعنی انسان کو بغیر استدلال و احتجاج کے آپ سے آپ اُنکا یقین حاصل ہو جاتا ہے، مثلاً یہ کہ آفتاب روشن ہے۔ آگ جلاتی ہے کل جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ دو متناقض ایک جا جمع نہین ہو سکتے۔

نظریات وہ امور ہین جو غور اور فکر سے حاصل ہوتے ہین، مثلاً یہ کہ عالم حادث ہے۔ خدا موجود ہے، روح قدیم ہے، نظریات اگرچہ خود بدیہی نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ انکی انتہا بدیہیات تک ہو۔

بدیہیات کے بہت سے اقسام ہین۔ نظام قدرت مین جو چیزین ہمیشہ ایک طرح پر وقوع مین آتی رہتی ہین اُنکے استقرا سے جو علم کلی پیدا ہوتا ہے وہ بھی بدیہیات کی ایک قسم ہے۔ انھی بدیہیات مین سے یہ بھی ہے کہ عالم مین علل و اسباب کا سلسلہ جاری ہے، یعنی جو چیز وجود مین آتی ہے اُسکے علل اور اسباب ہوتے ہین، اور جب کسی شے کے علل اور اسباب موجود ہوتے ہین تو ضرور اس شے کا وجود ہوتا ہے۔ اب معجزہ کی اگر یہ تعریف ہے کہ علت و معلول کے سلسلہ کے خلاف وقوع مین آئے،، تو معجزہ بداہتہً باطل ہوگا کیونکہ علت و معلول کا علم انسان کو بداہتہً حاصل ہوتا ہے، اور جب معجزہ اس سلسلہ کے خلاف ہے تو بداہت کے خلاف ہے

امام رازی نے مطالب عالیہ مین جہان اس اعتراض کی تقریر کی ہے لکھتے ہین[۱] کہ

"کہ علم کی دو قسمین ہین بدیہی و نظری۔ نظری، بدیہی پر متفرع ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی نظری ایسا ہو جو بدیہی کو باطل کرتا ہو تو اُسکے یہ معنی ہونگے کہ فرع اصل کے خلاف ہے اور یہ محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علوم نظری بدیہیات مین خلل انداز نہین ہو سکتے"

"اب ہم جب غور کرتے ہین کہ بدیہی کیا چیز ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علم انسان کو خود بخود یقینی طور پر حاصل ہوتا ہے جس مین وہ کسی طرح شک نہین کر سکتا وہی بدیہی ہے"

"جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہین کہ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہین توہمکو قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم مین تھا۔ پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا بچہ سے جوان ہوا، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہین بلکہ وہ دفعۃً پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کرلین گے کہ یہ شخص غلط کہ رہا ہے اور اُس کا قول باطل وافترا ہے

"اِس سے ثابت ہوا کہ خرق عادات کا دعویٰ ایک لغویات ہے، اور جب یہ کلیہ ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالون کے ذریعہ سے اُسکو سمجھاتے ہین"

(۱) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یہ ممکن ہے کہ دریا اور چشمون کا پانی، آب زر بنجائے یا پہاڑ زر خالص ہو جائے تو ہر شخص اُسکو مجنون کہے گا۔

(۲) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ممکن ہے کہ میرے گھر مین جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بنجائے او منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے، ممکن ہے کہ گھر مین جتنے کیڑے ہین عالم و فاضل

[۱] یہ امام صاحب کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے

انسان بن جائین ممکن ہے کہ جب مین گھر کو واپس جاؤن تو میرا لڑکا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجسطی پڑھا رہا ہو۔ اور گھر مین جو کیڑے مکوڑے تھے وہ آدمی بن کر ہندسہ و منطق و الٰہیات مین مباحثہ کر رہے ہون، تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہے گا

(۳) اگر کوئی شخص لقدست میدان کو دیکھکر کہے کہ ممکن ہے کہ بغیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہان عالیشان ایوان اور محل بن جائین، اور نہرین جاری ہو جائین تو ہر شخص ایسے آدمی کو مجنون کہے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداہتہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جس قدر حوادث ہین وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع مین آتے ہین اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو، بدیہیات مین قدح کرنا ہے[۱]،

بہرحال خرق عادت کو معجزہ کہنا خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ اسی بنا پر بعض اکابر اشاعرہ نے خرق عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کر دی شرح مواقف مین ہے

وَالْمُعْجِزَةُ عِنْدَنَا مَا يُقْصَدُ بِهِ تَصْدِيقُ مُدَّعِي الرِّسَالَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَارِقًا لِلْعَادَةِ — اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مدعی نبوت کی تصدیق مقصود ہو، گو وہ خرق عادت نہ ہو۔

اب فرض کرو کہ خرق عادت ممکن ہے اور معجزہ خرق عادت کا نام ہے، یعنی یہ کہ ایک چیز بغیر اسباب و علت کے وجود مین آئے، یا یہ کہ با وجود علت کے وجود کے معلول نہ پایا جائے مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہین جلایا تو اسکے یہ معنی ہین کہ جلانے کی علت، یعنی آگ موجود تھی

---

[۱] یہان تک امام رازی کی اصلی عبارت کا لفظی ترجمہ تھا۔

اور وہ جلا نہ سکی۔ یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہوگیا، تو اُس کے یہ معنی کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اس کے چشمہ جاری ہوگیا،

اس صورت مین یہ بحث پیدا ہوگی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ واقع مین اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا، اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہوجاتا ہے۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ جن اور شیاطین ہر قسم کی خرق عادات پر قادر ہین، اس کے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جن اور شیاطین، انسان کے بدن مین حلول کرسکتے ہین، اور اُس وقت اس آدمی سے وہ تمام عجیب وغریب افعال صادر ہو سکتے ہین جو خود اجنہ اور شیاطین سے صادر ہوسکتے ہین، اب فرض کرو کہ ایک مدّعی نبوت، کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ درپردہ کسی جن کا فعل نہین ہے۔

اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہوسکتے ہین یہان تک کہ آدمی گدھا، اور گدھا آدمی بن سکتا ہے اس صورت مین کیون کر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ خرق عادت معجزہ ہے سحر نہین، شرح مواقف مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد نہین ہوتے۔ جادوگر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعوی نہین کرسکتا اور اگر وہ ایسا دعوی کرے تو خدا اُس کے خرق عادات کو روک دیگا"

لیکن یہ جواب بالکل ناکافی ہے، اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ سحر سے

آدمی ہوا پر اُڑ سکتا ہے، آدمی گدھا اور گدھا آدمی بن جاتا ہے، زمین سے چشمے اُبل سکتے ہین، جمادات مین حرکت پیدا ہوسکتی ہے، کیا یہ عظیم الشان خرق عادات نہین ہین، اُسکے علاوہ انبیا کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہین ہوتے۔ باقی یہ امر کہ جادوگر خرق عادات کے ساتھ نبوت کا دعوی نہین کرسکتا، محض دعوی ہی دعوی ہے جسکی کوئی دلیل نہین بیان کیجا سکتی اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد ہوسکتے ہین، تو کون تسلیم کریگا کہ دعوے نبوت کی حالت مین اُسکی یہ قدرت جاتی رہیگی، عبداللہ بن المقنع اور زرتشت نے بڑے بڑے خرق عادات دکھائے اور نبوت کا دعوی کیا۔ [illegible]

ان امور کے علاوہ، شعبدہ جات، نیرنگیات، اور مسمریزم وغیرہ سے نہایت عجیب وغریب امور سرزد ہوتے ہین، اس لئے یہ کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو معجزہ کہا جاتا ہے اس مین، ان چیزون کا شایبہ نہ تھا۔

غرض معجزہ کے متعلق یہ احتمال ہر وقت موجود ہے کہ مخفی اسباب کی وجہ سے اسکا ظہور رہا ہو، اس لئے معجزہ کا معجزہ ہونا نہایت مشکل ہے

ان اعتراضات سے بھی قطع نظر کرلی جائے تو عدم معارضہ کی شرط کیونکر ثابت ہوسکتی ہے یعنی یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ اس معجزہ کا جواب نہین ہوسکتا جواب نہ ہوسکنے سے اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ کے اظہار کے وقت سے اسکا جواب کسی سے نہ ہوسکا تو عبداللہ بن المقنع اور زرتشت وغیرہ کو بھی پیغمبر ماننا پڑے گا کیونکہ جو خارق عادت باتین انسے ظہور مین آئین اُس زمانہ مین کوئی شخص اُنکا

له امام رازی تفسیر کبیر ہاروت وماروت کے قصہ کی تفسیر مین لکھتے ہین۔ اما السحر المنتہ فقد جوز ان یقدر الساحر ان یطیر فی الہواء ویقلب الانسان حمارا والحمار انسانا۔

جواب نہ لاسکا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اسکا معارضہ نہ کرسکے تو یہ پیشین گوئی کیونکر کیجاسکتی ہو کہ قیامت تک اسکا جواب نہ ہوسکیگا حضرت موسیٰ کے زمانہ مین انکے معجزہ کا جواب نہ ہوسکا لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہو کہ قیامت تک اُسکا جواب نہو سکیگا۔

ان سب امور کو مان بھی لیا جائے تو یہ بحث باقی رہیگی، کہ معجزہ صرف ان لوگون پر حجت ہوسکتا ہے جو اُس وقت موجود تھے، آیندہ نسلون کو اُسکا علم صرف روایت کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے لیکن اس قسم کی روایتون کو قطعی اور یقینی کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہو، روایت مین سب سے بڑا درجہ تواتر کا ہے یعنی جو خبر متواتر ہوتی ہو اُس کو یقینی کہا جاتا ہو، لیکن کیا تمام متواترات یقینی ہین؟ یہود، بہ تواتر بیان کرتے ہین کہ توراۃ مین کسی قسم کی تحریف نہین ہوئی، یہود اور نصاریٰ دونون متفق اللفظ ہین اور بہ تواتر بیان کرتے ہین کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے، پارسی زردشت کے معجزات کو بہ تواتر بیان کرتے ہین، غرض ہر فرقہ، اپنے مذہب کے متعلق بہت سے واقعات کو بہ تواتر بیان کرتا ہے، لیکن کیا ان واقعات کو ہم یقینی سمجھتے ہین، شاید یہ کہا جائے کہ روایت کی صحت کیلئے اسلام شرط ہے، جسکے یہ معنی ہوئے کہ صرف مسلمانون کا تواتر مفید یقین ہی، لیکن اس یک طرفہ فیصلہ کو، مخالف کیونکر تسلیم کرسکتا ہے

یہ تمام بحثین تو معجزہ کے امکان اور وقوع سے متعلق تھین، اب فرض کرو کہ معجزہ ممکن بھی ہے۔ واقع بھی ہوتا ہے۔ تواتر سے اُسکا ثبوت بھی ہوسکتا ہی لیکن یہ مرحلہ اب بھی باقی ہی کہ اس سے نبوت پر کیونکر استدلال ہوسکتا ہی۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہی کہ مین

ہندسہ دان ہون، اور اُسکی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ مین بیس دن تک متصل بھوکا رہ سکتا ہون، تو گو وہ بیس دن تک بھوکا رہے، اور گو یہ کتنا ہی خرق عادت واقعہ ہو لیکن اُس سے اس کا ہندسہ دان ہونا کیونکر ثابت ہوگا، اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ مین پیغمبر ہون جسکے یہ معنی ہین کہ وہ سعادت دارین کا رہنما ہے، اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ وہ لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے تو گو وہ ایسا کرتا ہو، اور گو یہ کتنا ہی عجیب امر ہو لیکن اس سے اسکی پیغمبری کیونکر ثابت ہوگی؟ دلیل کو دعوی کے ساتھ کیا ربط ہے؟

اعتراض کی یہ تقریر امام رازی کی تقریر کے مطابق تھی لیکن ابن رشد نے اس اعتراض کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اسکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے

"معجزہ سے جب نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے تو مقدمات دلیل یہ ہوتے ہین"

"نبی سے معجزہ صادر ہوتا ہے جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے"

ان مقدمات کا ثابت ہونا امور ذیل کے ثابت ہونے پر موقوف ہے"

(۱) معجزہ ممکن الوقوع ہے اور واقع ہوتا ہے۔

(۲) مدعی نبوت سے معجزہ صادر ہوا،

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے،

(۴) جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔

سب سے پہلے متعین کرنا چاہیے کہ پیغمبری کی حقیقت اور جنس وفصل کیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ پیغمبری کی ماہیت مین معجزہ داخل نہین ہے، بلکہ جو لوگ معجزہ کے قائل ہین وہ بھی معجزہ کو

پیغمبری کی علامت قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ علامت، عین حقیقت نہیں ہوتی پیغمبری کی حقیقت اشاعرہ وغیرہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو شخص خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ پیغمبر ہے۔

اب یہ ثابت کرنا چاہیے کہ رسالت کا وجود ہے یعنی خدا اپنی احکام کے پہنچانے کے لئے لوگوں کو بھیجا بھی کرتا ہے، کیونکہ ایک گروہ کثیر سرے سے رسالت ہی کا منکر ہی

اس بات کے ثابت کرنے کے بعد ثابت کرنا چاہیے کہ جس سے معجزہ صادر ہوتا ہی وہ پیغمبر ہوتا ہے اشاعرہ نے اسپر اس طرح استدلال کیا ہے کہ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنا قاصد کسی شخص کے پاس بھیجے اور اُس کے پاس، بادشاہ کی کچھ نشانیاں ہوں تو قطعاً یقین ہو جائیگا کہ وہ بادشاہ کا قاصد ہی اسیطرح معجزہ خدا کی نشانی ہی، اسلیے جسکے پاس یہ نشانی ہوگی وہ خدا کا قاصد اور پیغمبر ہوگا۔

لیکن پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ ہم کو اس بات کا علم کیونکر ہوتا ہی کہ فلان چیز فلان شخص کی نشانی ہی، اسکا یا یہ طریقہ ہی کہ خود اُس شخص نے کسی موقع پر ظاہر کیا ہو کہ جب میں کسی قاصد کو بھیجوں گا تو اُسکے پاس یہ نشانی ہوگی، یا خود قاصد کے بیان پر اعتماد کیا جائے، یا یہ کہ بار بار کے تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس شخص کے پاس سے جب جب قاصد آیا ہی تو اُسکے پاس اس قسم کی کوئی نشانی ضرور تھی، پہلا احتمال تو صریح البطلان ہی کیونکہ خود خدا نے کسی موقع پر تمام لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ فلان شخص میرا رسول ہی۔ دوسری صورت اس لئے ممکن نہین کہ پیغمبر ہی خود بحث فیہ ہی، اب صرف تیسرا احتمال رہ گیا، وہ اگر مفید بھی ہو تو صرف انبیائے متاخرین کیلیے ہوگا سب سے پہلے جو پیغمبر آیا ہوگا، اُسکا معجزہ لوگوں کیونکر حجت ہوگا،

یہ تمام اعتراضات، اس بنا پر تھے کہ پیغمبری کی شناخت کا ذریعہ معجزہ کو قرار دیا گیا تھا۔

اس پہلو سے قطع نظر کرکے نبوت پر جو عام اعتراضات کیے گئے ہین وہ آگے آتے ہین

عام اعتراضات

(۱) نبوت کا مقصد، اعتقادات، اور اصلاح معاش و معاد کی تعلیم ہی لیکن ان امور کے لیے خود عقل کی رہنمائی کافی ہے، خدا کے ہان سے کسی شخص کے آنے کی کوئی ضرورت نہین، بہت سے حکمانے جن پر نہ وحی آتی تھی، نہ انکو الہام ہوتا تھا ان مسائل کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ انبیا اس سے زیادہ نہ کر سکے، اسلیے رسول و پیغمبر کی کیا ضرورت ہی۔

(۲) انبیار کی شریعتین منسوخ ہوا کرتی ہین یعنی ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے وہ مہمات امور اور مقاصد اصلیہ تھے۔ یا فرعی اور زائد باتین تھین۔ پہلا احتمال تو ممکن نہین، کیونکہ مہمات امور تمام مذاہب مین مشترک ہین اور ان کو منسوخ کرنا خود مذہب کو باطل کرنا ہی، اسلئے صرف دوسرا احتمال رہ گیا لیکن جب کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو وہ اپنی شریعت کے قبول کروانے پر اس قدر اہتمام اور اصرار کرتا ہے کہ جو لوگ، اسکو تسلیم نہین کرتے انکو گمراہ، مرتد اور قابل جہنم ٹھیراتا ہے، یہان تک کہ لڑائیان برپا ہوتی ہین اور نہایت سخت خونریزیون تک نوبت پہونچتی ہے اس بنا پر کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہی کہ جو شخص مبعوث من اللہ ہوگا، وہ فرعی باتونکے لیے اس قسم کے شقاق اور بیرحمیون کو جائز رکھے گا۔

مثلاً نماز کا اصلی مقصد، صرف تضرع اور خشوع الی اللہ ہے، یہ مقصد عیسائیون،

یہودیون، پارسیون، غرض تمام مذاہب کے طریقۂ نماز سے حاصل ہوسکتا ہی، کسی ایک طریقہ کی تخصیص کرنی، اور باقی تمام طریقون کو غلط قرار دینا اور اس کی بنا پر قتل وخون کو جائز رکھنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے، تمام اور مذہبی اعمال کا بھی یہی حال ہے کہ جو مقصد اصلی ہی وہ سب مین مشترک ہے اور جو غیر مشترک ہے وہ مقصد اصلی نہین۔

(۳) مذہب کا اصلی مقصد، خدا کا اعتقاد، اعمال حسنہ کی پابندی اور اعمال قبیحہ سے احتراز ہے جس شخص مین یہ باتین پائی جائین ضرور ہے کہ وہ نجات کا مستحق ہو لیکن انبیا ان باتون کے ساتھ اپنی نبوت کے اقرار کو بھی جزو ایمان قرار دیتے ہین اور کہتے ہین کہ جو شخص انکو پیغمبر تسلیم نہ کرے وہ باوجود توحید اور اعمال حسنہ کے ناجی نہ ہوگا، یہ امر صریح خلاف عقل ہے۔

(۴) دنیا مین جسقدر مذاہب موجود ہین سب مین قابل اعتراض باتین پائی جاتی ہین، یہود خدا کو مجسم مانتے ہین اور تمام وہ اوصاف ثابت کرتے ہین جو معمولی آدمیون مین پائے جاتے ہین، عیسائی خدا کی اُبوّت، اور حلول واتحاد کے قائل ہین، پارسیون کے ہان دو خدا ہین، قرآن مجید مین جبر و قدر کے متعلق نہایت کثرت سے متناقض اور متعارض آیتین ہین۔

تنبیہ امام رازی نے اس اعتراض کو مطالب عالیہ مین ان الفاظ سے ادا کیا ہے،

اِنَّ الْقُرْآنَ مَمْلُوٌّ مِنَ الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ وَالْاٰیَاتُ الْوَارِدَۃُ فِیْھِمَا الْکَثِیْرُ عَدَدُ الرِّمَالِ وَالْحَصٰی وَلَاشَکَّ اَنَّھُمَا مُتَنَاقِضَۃٌ وَاِنَّ التَّوْفِیْقَ بَیْنَھُمَا لَا یَحْصُلُ اِلَّا بِتَعَسُّفٍ شَدِیْدٍ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ صَاحِبَ ھٰذَا الْکِتَابِ کَانَ مُضْطَرِبَ الرَّاْیِ فِی الْجَبْرِ وَالْقَدْرِ غَیْرَ جَازِمٍ بِاَحَدِ الطَّرَفَیْنِ

اخیر کا فقرہ نہایت سخت ہے، اور اسی وجہ سے ہم اس عبارت کے ترجمہ کی جرأت نہ کرسکے، اسکے نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگان سلف نے نہایت بے تعصبی کے ساتھ معترضون کے ہر قسم کے اعتراض کو سُنا اور انکو اپنی تصنیفات مین درج کرکے اُن کے جواب دیے بخلاف اسکے آج ہمارے علما یہ یقین کرتے ہین کہ دشمن کو آتا دیکھکر اپنی آنکھین بند کرلینی چاہیین

نبوت اور خرق عادت
کی
اصلی حقیقت

جو اعتراضات اوپر مذکور ہوئے اُن کا اجمالی جواب، امام رازی نے مطالب عالیہ مین اور تفصیلی، قاضی عضد نے مواقف مین دیا ہے، لیکن جواب ایسے ہین جو اعتراضات کو اور زیادہ قوی کردیتے ہین، اور چونکہ علم کلام کی تاریخ مین ہم نے اُنکا ذکر بھی کیا ہے اسلئے یہان اُن کے اعادہ کی کچھ ضرورت نہین۔

اب ہم ان مباحث کو ائمہ فن کی راے کے موافق لکھتے ہین جس سے معترضین کے اعتراضات خود بخود رفع ہوجائین گے اور ان مسائل کی اصلی حقیقت ظاہر ہوجائے گی

یہ بحث درحقیقت۔ مسائل ذیل پر مبنی ہے۔

(۱) کیا خرق عادت ممکن اور ممکن الوقوع ہے۔

(۲) کیا وہ نبوت کی حقیقت مین داخل ہے

(۳) کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

(۴) نبوت کی اصلی حقیقت کیا ہے؟

کیا خرق عادت ممکن ہے

پہلا مسئلہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جسقدر حقائق اشیا سے نا آشنا ہوتا ہے اُسی نسبت سے علل و اسباب کے سلسلہ پر اسکی نظر کم پڑتی ہے اور وہ ہر چیز کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرتا ہے، ایک دہقان کا بچہ برسات کے زمانہ مین جب بادلون کو آتا دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ "اللہ میان آئے" یعنی بادلونکا آنا خود خدا کا آنا ہے۔ اس حالت سے جب ترقی کرتا ہے تو کہتا ہے کہ "اللہ میان کے حکم سے پانی برسا" اب اُس نے خدا مین اور پانی مین بادل کو واسطہ قرار دیا۔ اس درجہ کے بعد یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ بادل براہ راست خدا کے حکم سے پیدا ہو گئے، یا خدا نے اُن کو بھی کسی اور علت کے ذریعہ سے پیدا کیا، ٹھیٹھ مذہبی آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ بادل اور خدا مین کوئی درمیانی علت نہین ہے، خدا حکم دیتا ہے بادل آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہین اور برستے ہین۔ یا یہ کہ آسمان پر بہت بڑا دریا ہے وہانسے پانی گرتا ہے اور بادل کی شکل بنجاتا ہے چنانچہ قدمائے مفسرین اسی بات کے قائل تھے امام رازی نے اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کی تفسیر مین اُن کے اقوال نقل کیے ہین

خرق عادت کا خیال انسانکو کیونکر پیدا ہوتا ہے

لیکن صاحب نظر اور آگے قدم بڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ زمین یا سمندر سے بخارات اٹھتے ہین وہ اوپر جا کر سردی کی وجہ سے پانی کے قطرے بنجاتے ہین" غرض جسقدر حقیقت طلبی اور غور رسی بڑھتی جاتی ہے، علل و اسباب کا سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہان تک کہ بالآخر اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ عالم مین جو کچھ ہوتا ہے وہ علت و معلول سبب و مسبب اثر و مؤثر کے سلسلہ کے بغیر نہین ہو سکتا

اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت۔ سنۃ اللہ اور خلق اللہ ہے اور قرآن مجید کی ان آیتوں میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ	خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں
لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا	خدا کی عادت میں تغیر نہیں۔ اور تم خدا کی عادت میں تبدیلی نہ پاؤ گے

صرف اشاعرہ سلسلۂ اسباب کے منکر ہیں

اسلامی فرقوں میں سے صرف **اشاعرہ** اس سلسلہ کے منکر ہیں، اُن کے نزدیک کوئی شے کسی کی علت نہیں نہ اشیا میں خواص و تاثیر ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی المنطق میں جہاں اشاعرہ کے وہ مسائل گنائے ہیں جنمیں وہ متفرد ہیں اُن میں اس مسئلہ کو بھی شمار کیا ہے۔

اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقے بلکہ تمام دنیا اس سلسلہ کی معترف ہے اسکا نتیجہ ہونا چاہیے تھا کہ خرق عادت کے غیر ممکن ہونے پر بجز اشاعرہ کے اور سب کا اتفاق ہوتا لیکن باینہمہ بظاہر اختلاف ہے، امام رازی تفسیر کبیر، سورہ اعراف، حضرت موسی کے عصا کے معجزہ کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْقَوْلَ بِجَوَازِ انْقِلَابِ الْعَادَاتِ عَنْ مَجَارِيْهَا صَعْبٌ مُشْكِلٌ وَالْعُقَلَاءُ اضْطَرَبُوْا فِيْهِ	جاننا چاہیے کہ انقلاب عادت کا قائل ہونا صعب اور مشکل ہے اور ارباب عقل اس میں مضطرب ہیں

اس کے بعد امام صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق تین قول نقل کئے ہیں۔

اشاعرہ کے نزدیک ہر قسم کے خرق عادت عموماً ممکن ہے یہانتک کہ یہ بھی ممکن ہے

کہ ایک جزء لایتجزی دفعۃً عالم اور عاقل بن جاسے یا یہ کہ ایک اندھا جو اندلس مین بیٹھا ہوا ہے چین کے کسی گانون کو دیکھ لے

۲۔ حکماے طبعیین کے نزدیک بالکل ناممکن ہے

۳۔ معتزلہ کے نزدیک بعض مخصوص صورتون کے سوا ناممکن ہے

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو اختلافات ہین وہ دراصل نزاع لفظی ہو اشاعرہ کے سوا کوئی اس بات کا قائل نہین کہ معلول کا وجود بغیر علت کے ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص اس کا قایل نہین وہ خرق عادت کا بھی قائل نہین ہو سکتا۔ اختلاف اسطرح پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی واقعہ عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آتا ہے، تو عام لوگ اُس کو خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خرق عادت ممکن ہے ورنہ اُس کا وقوع کیونکر ہوتا۔ حالانکہ وہ واقعہ اسباب ہی کیوجہ سے وقوع مین آتا ہے گو وہ اسباب غیر معمولی ہوتے ہین، امام صاحب نے مطالب عالیہ مین خرق عادت کے امکان کو اسطرح ثابت کیا ہے، کہ ممکن ہو کہ کوئی غیر معمولی حرکت فلکی پیدا ہو اور اُس سے کوئی غیر معمولی امر وقوع مین آئے، لیکن امام صاحب نے یہ خیال نہین کیا کہ اس حالت مین وہ امر خرق عادت نہین ہو کیونکہ اُسکی علت حرکت فلکی موجود ہے امام صاحب کے اس استدلال سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس شئے کو جو خلاف عادت وقوع مین آئے، خرق عادت کہتے ہین گو اسکے لئے کوئی غیر معمولی علت موجود ہو،

خرق عادت کے متعلق لوگون میں جو اختلاف ہو لفظی ہے

اشاعرہ مین بھی اس مسئلہ کے متعلق اختلاف راے ہے عام اشاعرہ ہر قسم کے

خرق عادات کے متعلق اشاعرہ مین اختلاف رائے

خرق عادت کے قائل تھے اور ہر شخص سے اس کا صادر ہونا تسلیم کرتے تھے، اُن کے نزدیک جس قسم کے خرق عادات پیغمبر سے صادر ہوتے ہین۔ اسی قسم کے اولیا بلکہ کافر زندیق جادوگر، وغیرہ سب سے صادر ہوسکتے ہین، صرف یہ فرق ہے کہ ان کا نام بدل جاتا ہے یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہو، اس کو سحر اور استدراج کہتے ہین، اور انبیا سے جو سرزد ہو اس کا نام اعجاز ہے۔ لیکن جسقدر غور وفکر سے زیادہ کام کیا گیا یہ وسعت گھٹتی گئی، علامہ ابو اسحاق اسفراینی جو بہت بڑے پایہ کے شخص تھے اور اشعری طریقہ رکھتے تھے، ان کا قول ہے کہ

ان الکرامۃ لا تبلغ مبلغ خرق العادۃ	کرامت خرق عادت کی حد تک نہین پہنچتی

ابو القاسم قشیری جو اشاعرہ مین بہت بڑے صوفی گذرے ہین انکا قول ہے کہ بہت سی چیزین گو مقدورات الٰہی کے لحاظ سے ممکن ہین لیکن یہ قطعاً معلوم ہے کہ وہ کسی ولی سے سرزد نہین ہوسکتین[1]

بوعلی سینا کی رائے

بو علی سینا نے اشارات کے اخیر مین ایک باب باندھا ہے جس مین خرق عادات پر بحث کی ہے، اس مین لکھا ہے کہ "اگر تم سے کوئی شخص کہے کہ کسی درویش نے مدت تک کھانا نہین کھایا۔ یا کوئی ایسا کام کیا جو اُسکی قوت سے زیادہ تھا، یا کوئی پیشین گوئی کی، یا اُسکی بددعا کی وجہ سے کوئی شخص زمین مین دھنس گیا، یا زلزلہ آگیا، یا درندہ مسخر ہوگیا وغیرہ وغیرہ تو تم اس سے انکار نہ کرو، کیونکہ ان سب کے اسباب طبعی ہوسکتے ہین، جنکے ذریعے سے

[1] یہ دونون قول ابن السبکی نے طبقات جلد اول مین نقل کئے ہین، علامہ موصوف نے ایک نہایت مفصل مضمون خرق عادت کے جواز پر لکھا ہے

انکا ظہور ہوتا ہے، بوعلی سینا نے ان اسباب طبعی کو تفصیل سے بیان بھی کیا ہے، مثلاً
امساک طعام کی نسبت لکھا ہے کہ معدہ جب مواد ردیہ کے ہضم کرنے مین مصروف
ہوتا ہے تو صحیح غذا پر کم عمل کرتا ہے اسکا نتیجہ ہوتا ہے کہ کئی کئی دن تک انسان کو بھوک
نہین لگتی، کیونکہ بدل ما یتحلل کی ضرورت نہین پڑتی - اس بنا پر ممکن ہے کہ کسی صاحب
حال کو خدا کے تصور مین اسقدر استغراق اور محویت ہو کہ طبیعت، غذا کے ہضم کیطرف نہ
مائل ہو، اس حالت مین مدت تک وہی غذا قائم رہیگی اور بدل ما یتحلل کی ضرورت نہ پڑیگی
یہی وجہ ہوتی ہے کہ خوف کی حالت مین بھوک بالکل جاتی رہتی ہے

بوعلی سینا نے گو ان تمام خرق عادات کے وجوہ اور اسباب بیان کئے تاہم
انکا نام خرق عادت ہی رکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز عام عادت کے خلاف ہوتی
ہے وہ خرق عادت سے تعبیر کیجاتی ہے، گو واقع مین وہ اصول قدرت کے خلاف
نہین ہوتی، شاہ ولی اللہ صاحب نے صاف صاف اس کا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ
تفہیمات الٰہیہ مین لکھتے ہین

اِنَّمَا الْمُعْجِزَاتُ وَالْکَرَامَاتُ اُمُوْرٌ اَسْبَابِیَّۃٌ غَلَبَ عَلَیْہِ	یعنی معجزات اور کرامات امور اسبابی ہین لیکن انپر کمال
اللُّبُوْغِ فَبَایَنَتْ سَائِرَ الْاَسْبَابِیَّاتِ	غالب ہو گیا ہے اور اسوجہ سے اور اسبابی امور سے ممتاز ہین

غرض کلی طور پر اس مسئلہ مین اشاعرہ کے سوا باقی تمام اسلامی فرقے متفق ہین کہ کوئی
چیز اصول قدرت کے خلاف وجود مین نہین آسکتی، اس لیے جب کوئی فرقہ یا کوئی شخص
(اشاعرہ کے سوا) کسی خرق عادت کا قائل ہو تو اُس کی مراد صرف یہ ہوگی کہ وہ واقعہ

عام عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آیا ہے، نہ یہ کہ درحقیقت خلاف اصول قدرت ہے

اختلاف جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ خرق عادات کے ثبوت کے متعلق پیدا ہوتا ہے،

واقعات کے یقین کرنے کے اصول کے متعلق، لوگون مین نہایت اختلاف ہے محققین

کے نزدیک واقعات پر یقین کرنے کے متعلق یہ اصول ہین۔

واقعات پر یقین کرنیکے کیا اصول ہین

(۱) جو واقعہ جسقدر زیادہ معمول عام کے موافق ہوگا، اسی قدر اُس کے وقوع کا یقین زیادہ ہوگا اور جو واقعہ جسقدر خلاف عادت اور خلاف معمول ہوگا اسی قدر اسپر یقین کرنے کے لئے زیادہ کدو کاوش کی ضرورت ہوگی۔ فرض کرو کہ ایک شخص نہایت سچا ہے اور اُسنے یہ روایت کی کہ فلان شہر مین پانی برسا تو فوراً یقین آجائیگا، لیکن وہی شخص اگر پانی کے بجاے خون کا برسنا بیان کرے تو یقین کی حالت بدل جائیگی اور واقعہ کے ثبوت کے لئے زیادہ قوی شہادت درکار ہوگی، غرض واقعہ کی حیثیت سے شہادت کی حیثیت بدلتی جاتی ہے۔

(۲) کسی واقعہ کا صرف ممکن ہونا واقعہ پر یقین کرنے کے لئے کافی نہین۔

(۳) جو واقعات پیش آتے رہتے ہین، اُسکے خلاف کا ممکن ہونا، اس بات کی وجہ نہین ہوتا کہ ہم کو اُن واقعات کے یقین مین شبہہ پیدا ہوجاے

(۴) جس واقعہ کی نسبت اثبات و نفی کا کوئی پہلو یقینی نہین ہوتا اُسکی نسبت بھی ہم خالی الذہن نہین رہتے بلکہ دونون پہلوؤن مین سے جو زیادہ قریب الیقین ہوتا ہے ہم اُسیہ اعتبار کرتے ہین۔

عام لوگ، ان اصول کو ملحوظ نہین رکھتے، اور یہی اختلاف کا سبب ہوتا ہی شلاً ایک شخص نے بیان کیا کہ **ابن خلکان** نے لکھا ہے کہ فلان صوفی آگ مین گھس گئے اور آگ نے اُنپر کچھ اثر نہین کیا۔ اس واقعہ پر عام لوگ فوراً اعتبار کرلین گے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ واقعہ ممکن ہے، اور ابن خلکان مین مذکور ہے، لیکن ایک محقق شخص اس بات پر غور کریگا کہ یہ واقعہ جسقدر ممکن ہے اُس سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ ابن خلکان نے غلطی کی ہو یا راوی اوّل نے دھوکا کھایا ہو، یا بیچ کی رُوات سے غلطی ہوئی ہو، یا قصداً ان مین سے کسی نے جھوٹ کہا ہو، البتہ جس درجہ کا یہ واقعہ مستبعد اور نادر الوقوع ہے، اُسی نسبت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی اور مضبوط ہوگی تو واقعہ کا یقین ہوسکیگا۔ اور یہ قرار دیا جائیگا کہ کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہونگے جنکی وجہ سے اُنکے بدن پر آگ کا اثر نہوا ہوگا۔

اشاعرہ کی یہ شترگربگی حقیقت مین نہایت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کسی **خرق عادت** کے ثبوت کا دعویٰ کرتے ہین تو صرف یہ ثابت کرتے ہین کہ وہ واقعہ ممکن ہے، اور امکان کو اسقدر وسعت دیتے ہین کہ ہر قسم کے مستبعدات گو وہ ازل سے آجتک کبھی وقوع مین نہ آئے ہون، اُس مین شامل ہو جاتے ہین، لیکن دوسری طرف یہ خیال نہین کرتے کہ واقعہ کے لئے جس قسم کا امکان وہ ثابت کرتے ہین اُس سے کہین زیادہ راویون کا غلطی کرنا ممکن ہے، اس لئے صرف امکان پر مدار ہوگا تو ایک شخص وہ پہلو کیون نہ اختیار کریگا جو زیادہ ممکن بلکہ قریب الوقوع ہے۔

بہرحال خرق عادت (بمعنی عام) سے کسی کو انکار نہین، جو کچھ بحث ہے وہ

واقعات مین ہے، جو خرق عادت جس درجہ مستبعد ہو، اُسی نسبت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی ہوگی تو اُس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین ۔

خرق عادت نبوت کا لازمہ ہے یا نہین

دوسری بحث ۔ دنیا مین ہمیشہ یہ خیال رہا ہے اور آج بھی من حیث الاغلب تمام آدمیون مین پایا جاتا ہے کہ انبیار اور اولیا مین ضرور کوئی امر فوق العادت ہوتا ہے اس خیال کا زور یہان تک پہنچا کہ انبیا مین شان ایزدی تسلیم کی گئی، ہندؤن نے رام اور کرشن اور عیسائیون نے حضرت عیسی کو خدا کا پیکر جسمانی مانا ۔ زمانہ کی امتداد اور عقل کی ترقی نے اس رتبہ کو گھٹا کر کم کیا تو خرق عادت کے درجہ پر آکر ٹھہرا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اور اپنی نبوت کا اظہار کیا تو جو لوگ، خرق عادت کو لازمہ نبوت سمجھتے تھے اُنھون نے نہایت تعجب سے کہا ۔

لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (یونس)	اُسپر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون نہین اترا؟
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (رعد)	کافر کہتے ہین کہ خدا کے ہان سے اُنپر کوئی معجزہ کیون نہین اُترا ۔
وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الانبیاء)	اور کہتے ہین یہ ہمارے پاس کوئی معجزہ اپنے خدا کے ہان سے کیون نہین لاتے

بعضون نے کہا معجزہ نہ سہی لیکن کچھ نہ کچھ امتیاز تو ضرور ہے

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا (بنی اسرائیل)	اور کہتے ہین کہ ہم تجھپر ایمان نہین لائین گے جبتک تو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ نکال دے یا خود تیرے پاس کھجورون اور انگورون کا باغ نہ ہو جسکے درمیان تو نہر نہ چلائے

اسلام جو اس لئے آیا تھا کہ مذہبی اصول کے متعلق آج تک جو غلط خوش اعتقادیان چلی آتی تھین اور جو مسامحۃً اپنے حال پر رہنے دی گئی تھین اُن کو قطعاً رفع کر دیا جائے جو اس لئے آیا تھا کہ قیامت تک ہر قسم کی ترقی اور اصلاح سے مذہب کو مستغنی کر دے، اِسکا یہ کام تھا کہ جس طرح اُسنے توحید کو مکمل کیا تھا، **نبوت** کی اصلی حقیقت بھی کھول کر دکھا دے اسلئے سب سے پہلے اُسنے نہایت صفائی. نہایت آزادی۔ نہایت وضاحت سے اس بات کو ظاہر کیا کہ جو چیزین بشریّت سے بالاتر ہین وہ پیغمبر مین نہین ہوتین ۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (انعام)	اے پیغمبر! ان لوگون سے کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہین، اور نہ مین غیب جانتا ہون اور نہ مین یہ کہتا کہ مین فرشتہ ہون مین تو اس حکم پر چلتا ہون جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے
قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اعراف)	اے پیغمبر ان لوگونسے کہدو کہ میرا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے اختیار مین نہین، ہان جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ اور اگر مین غیب کی بات جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھکو گزند نہ پہونچتا مین تو صرف خوشخبری دینے والا اور خوف دلانے والا ہون اُنلوگونکے لیے جو ایمان لاتے ہین

یہ مسلہ اگرچہ نہایت دقیق نازک اور معتقدات عوام کے بالکل خلاف تھا لیکن شارع نے اس اہتمام سے اس کی تلقین کی کہ قرون اولیٰ تک اُسکے متعلق کسی شخص کو غلط فہمی نہین ہوئی اسکے بعد اُس عالمگیر اور ازلی غلطی کو رفع کیا کہ **نبوت** اور **معجزہ** مین تلازم ہے۔ منکرین جو معجزات طلب کرتے تھے، اور نبوت کو معجزہ پر موقوف سمجھتے تھے اُنکے

جواب مختلف طریقے سے دیئے لیکن ہر جگہ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ نبوت معجزہ پر موقوف نہین

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)	اور کفار کہتے ہین کہ اپنر کوئی نشانی (معجزہ) خدا کے ہان سے کیون نہین اتری، ای محمد! تو صرف ڈرانے والا ہی اور ہر قوم کیلئے ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (رعد)	اور کافر کہتے ہین کہ اپنر کوئی نشانی خدا کے ہان سے کیون نہین اتری ای محمد! کہدو کہ خدا جسکو چاہتا ہی گمراہ کرتا ہی اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے
وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (عنکبوت)	اور کافر کہتے ہین کہ اپنر خدا کے ہان سے معجزے کیون نہین آئے۔ کہدو معجزے تو خدا کے پاس ہوتے ہین اور مین تو صرف صاف ڈرانے والا ہون

سورہ **بنی اسرائیل** مین بیان کیا کہ منکرین کہتے ہین کہ ہم تو تم پر جب ایمان لائین جب تم زمین سے کوئی چشمہ نکال دو۔ یا کھجور یا انگور کا باغ تیار کر دو۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ یا خدا اور فرشتون کو سامنے لاکر کھڑا کر دو۔ یا سونے کا مکان طیار کر دو۔ یا آسمان پر چڑھ جاؤ پھر ان سب کے جواب مین خدا نے کہا

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا	کہدو کہ سبحان اللہ مین تو صرف آدمی ہون، اور پیغمبر ہون۔

اصل نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ کفار جن باتون کو طلب کرتے تھے وہ ناممکن اور محال نہ تھین تاہم خدا نے اُن کے اظہار سے اعراض کیا جس سے صرف یہ ظاہر

کرنا مقصود تھا کہ گویہ باتین خدا کے اختیار مین ہین لیکن نبوت کے ثبوت مین اُن کو پیش کرنا،
اسی قدیم غلطی مین لوگون کو مبتلا رکھنا ہے۔ ورنہ خرق عادات کے پیش کرنے سے انکار
اس بنا پر نہ تھا کہ خدا ان پر قادر نہین، ایک آیت مین خدا خود فرماتا ہے

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ	اور کفار کہتے ہین کہ محمد پر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون
قُلْ إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً	نہ اُترا۔ کہدے کہ خدا اس پر قادر ہو کہ معجزہ نازل کرے
وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (انعام)	لیکن یہ لوگ جاہل ہین

امام رازی سورہ عنکبوت آیت وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ
کی تفسیر مین لکھتے ہین۔

وَلَيْسَ مِنْ شَرْطِ الرِّسَالَةِ الْآيَةُ الْمُعْجِزَةُ	پیغمبر کے لیے معجزہ شرط نہین ہے

پھر تھوڑی دور کے بعد لکھتے ہین۔

وَلِهٰذَا نَعْلَمُ وُجُودَ رُسُلٍ كَشِيثٍ وَ	اسیوجہ سے ایسے انبیا بھی گذرے ہین مثلاً حضرت شیث
إِدْرِيسَ وَشُعَيْبٍ وَلَمْ نَعْلَمْ لَهُمْ مُعْجِزَةً	و ادریس و شعیب جنکے پاس کسی معجزہ کا ہونا معلوم نہین

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین

فَلَيْسَتِ الْمُعْجِزَاتُ وَلَا اسْتِجَابَةُ الدَّعَوَاتِ	معجزات اور اجابت دعا اور اس قسم کی اور باتین،
وَنَحْوُ ذٰلِكَ إِلَّا أُمُورًا خَارِجَةً	اصل نبوت سے خارج ہین لیکن اکثر حالات مین نبوت کے
عَنْ أَصْلِ النُّبُوَّةِ لَازِمَةً لَهَا فِي الْأَكْثَرِ	ساتھ لازم ہین۔

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین نبوت کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، اسمین

نبوت کی حقیقت لکھکر لکھتے ہین کہ نبوت کا یقین آنحضرت کی ہدایات اور ارشادات سے ہوتا ہے، اُسکے بعد لکھتے ہین۔

فَمِنْ ذٰلِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ	تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ، نہ اس سے کہ لاٹھی سانپ بن گئی اور چاند پھٹ گیا۔

تیسری بحث معجزہ کا دلیل نبوت ہونا صرف، اشاعرۂ ظاہرین کا مذہب ہے اور وہ بھی، یہ دعوی نہین کرتے کہ معجزہ، نبوت کی عقلی دلیل ہے بلکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ کی صادر ہونے کے وقت لوگون کو عادۃً یقین ہو جاتا ہے، نہ عقلاً

شرح مواقف مین ہے۔

وَهٰذِهِ الدَّلَالَةُ لَيْسَتْ دَلَالَةً عَقْلِيَّةً مَحْضَةً بَلْ هِيَ دَلَالَةٌ عَادِيَّةٌ كَمَا أَشَارَ بِقَوْلِهِ وَهِيَ عِنْدَنَا أَيِ الْأَشَاعِرَةِ إِجْرَاءُ اللّٰهِ عَادَتَهُ بِخَلْقِ الْعِلْمِ بِالصِّدْقِ عَقِيْبَهُ	اور یہ دلالت محض عقلی نہین ہے بلکہ وہ دلالتِ عادیہ ہے جیسا کہ صاحب مواقف نے ان لفظون مین اشارہ کیا ہے کہ یہ دلالت ہمارے نزدیک (اشاعرہ) اس بنا پر ہے کہ خدا کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو معجزہ کی سچائی کا علم خدا لوگونکے دلونمین پیدا کر دیتا ہے

یہ دعوی بھی کلی طور پر نہین کیا جا سکتا، ورنہ بداہت کی تکذیب لازم آئیگی علانیہ ثابت ہے کہ انبیا کے معجزات کے ظہور کے وقت ہزارون آدمی ایمان نہین لاتے تھے، بلکہ نہ ایمان لانے والون کی تعداد ہمیشہ ایمان لانے والون سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسی بنا پر ائمہ فن اور محققین نے تصریح کی ہے کہ معجزہ نبوت کے یقین کے لئے کافی نہین۔

امام غزالی منقذ من الضلال بحث نبوت مین لکھتے ہین

فمن ذلك الطريق فاطلب اليقين بالنبوة	تو اس طریقہ سے نبوت کا یقین طلب کرو۔ نہ اس بات
لا من قلب العصا ثعبانا وشق القمر	سے کہ لاٹھی اژدہا بن گئی یا چاند پھٹ گیا

راغب اصفہانی[1] لکھتے ہین

وذلك يطلبه احد رجلين اما ناقص	اور معجزہ دو قسم کے آدمی طلب کرتے ہین۔ یا وہ جو کلام
عن الفرق بين الكلام الالهي وبين البشري	الٰہی اور کلام انسانی مین تمیز نہین کر سکتا، یا وہ جو نقص کے
واما ناقص وهو مع نقصه معاند	ساتھ ہٹ دھرم بھی ہے۔

نبوت کی حقیقت

(مسئلہ چہارم)

نبوت کی حقیقت اور اُسکے اصول اور شرائط، اشاعرہ نے جو کچھ بیان کیے وہ اوپر گذر چکے، امام غزالی اور رازی وغیرہ نے ان مسائل کی تشریح عام تصنیفات مین اشاعرہ ہی کے مذاق کے موافق کی لیکن مخصوص تصنیفات مین اپنی خاص تحقیقات بیان کین، اور یہ بھی تصریح کر دی کہ اشاعرہ کا طریقہ ناکافی اور پر از مشکلات ہے۔ امام رازی مطالب عالیہ مین لکھتے ہین

اعلموا ان القائل بالنبوة فريقان	نبوت کے قائل دو فریق ہین
احدهما الذين يقولون ان ظهور المعجزات على	ایک فریق کہتا ہے کہ معجزات کا ظاہر ہونا نبی کے سچے ہونے
يده يدل على صدقه وهذا القول هو الطريق الاقدم الذي عليه	کی دلیل ہے، اور یہ مذہب قدیم طریقہ ہے، اور دنیا کے

[1] کتاب الذریعہ صفحہ ۰۰

عَامَّةُ اَرْبَابِ الْمِلَلِ وَالنِّحَلِ۔

عام اہل مذاہب اسکے قائل ہین

وَالْقَوْلُ الثَّانِی اَنْ نَقُوْلَ اِنَّا نَعْرِفُ اَوَّلًا اَنَّ الْحَقَّ وَالصِّدْقَ فِی الْاِعْتِقَادَاتِ مَاھُوَ وَاَنَّ الصَّوَابَ فِی الْاَعْمَالِ مَاھُوَ فَاِذَا عَرَفْنَا ذٰلِكَ ثُمَّ رَاَیْنَا اِنْسَانًا یَدْعُوا الْخَلْقَ اِلَی الدِّیْنِ الْحَقِّ وَرَاَیْنَا اَنَّ لِقَوْلِهٖ اَثَرًا قَوِیًّا فِیْ صَرْفِ الْخَلْقِ مِنَ الْبَاطِلِ اِلَی الْحَقِّ عَرَفْنَا اَنَّهٗ نَبِیٌّ صَادِقٌ وَاجِبٌ الْاِتِّبَاعِ وَھٰذَا الطَّرِیْقُ اَقْرَبُ اِلَی الْعَقْلِ وَالشُّبُهَاتُ فِیْهِ اَقَلُّ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ صحیح عقائد اور اعمال خیر کیا ہین، اس امر کے محقق ہوجانے کے بعد جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص لوگون کو دین حق کی دعوت دیتا ہے، اور یہ بھی نظر آئے کہ اسکی بات لوگونکو باطل سے حق کیطرف لانے مین نہایت قوی اثر رکھتی ہے تو ہم کو یقین ہوجائیگا کہ وہ سچا پیغمبر ہے اور واجب الاتباع ہے - اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہے اور اسپر بہت کم شبہے وارد ہوتے ہین -

اسکے بعد امام صاحب نے اس دوسرے طریقہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے پھر ایک عنوان باندھا ہے جسمین یہ ثابت کیا ہے کہ قران مجید سے بھی یہی طریقہ افضل ثابت ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہین

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ فِیْ بَیَانِ اَنَّ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ ھٰذَا الطَّرِیْقَ ھُوَ الطَّرِیْقُ الْاَکْمَلُ الْاَفْضَلُ فِیْ اِثْبَاتِ النُّبُوَّةِ

دوسری فصل اس بات کے ثابت کرنے مین کہ قران مجید سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے مین یہی طریقہ زیادہ کامل اور افضل ہے

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین

اَلْفَصْلُ الْخَامِسُ فِیْ بَیَانِ اَنَّ

پانچوین فصل اس بات کے بیان مین کہ نبوت کا اس طریقہ

نبوت کی ایک دوسری تشریح

امام رازی اس دوسرے طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہین

اس طریقہ کا ثبوت قران مجید سے

اِثْبَاتُ النُّبُوَّةِ بِهٰذَا الطَّرِیْقِ اَقْوٰی وَ اَکْمَلُ مِنْ اِثْبَاتِهَا بِالْمُعْجِزَاتِ۔ | ثابت کرنا زیادہ قوی اور کامل ہے بہ نسبت اسکے کہ وہ معجزہ سے ثابت کی جائے۔

تفسیر کبیر مین اس آیت کی تفسیر مین یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْکُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (سورہ یونس) نہایت اختصار کے ساتھ اس دوسری طریقہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ **نبوت** کے ثابت کرنے کا یہ طریقہ اشرف و اعلی و اکمل و افضل ہے

امام رازی کے سوا، امام غزالی، ابن حزم، ابن رشد، شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی نبوت کی حقیقت و ماہیت کی توضیح و تشریح نہایت خوبی سے کی ہے، ہم ان سب کی تقریرونکو نقل کرتے ہین جس سے نبوت کی پوری تصویر ذہن مین آجائے گی اور یہ ظاہر ہوگا کہ متداول کتب کلامیہ مین جو لکھا ہے صرف اشاعرہ ظاہرین کا قول ہے، امام رازی نے مطالب عالیہ مین نبوت کی حقیقت، نہایت تفصیل سے بیان کی ہے۔ہم نے مطالب عالیہ کا یہ حصہ بعینہ کتاب کے ضمیمہ مین شامل کردیا ہے اس موقع پر ہم صرف خلاصہ لکھتے ہین۔

امام صاحب نے نبوت کی حقیقت بتانے سے پہلے چند مقدمات قائم کئے ہین۔ وہ یہ ہین

امام رازی کے نزدیک نبوت کی حقیقت

(۱) انسان کا اصلی کمال حقائق اشیا اور خیر و شر کا ادراک ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو دو قسم کی قوتین دی گئی ہین **نظری** **عملی**۔ نظری کا یہ کام ہے کہ اشیا کے حقائق پر غور کرے، اور اس بات کا فیصلہ کرے، اس قوت کا کمال یہ ہے، کہ حقائق اشیا کا صحیح علم ہو یعنی جو شی ذہن مین آے ٹھیک اُس صورت مین آے جو اُسکی اصلی اور حقیقی صورت ہے، **عملی** کے یہ معنی کہ کون سے افعال عمل کرنے کے قابل ہین؟ اور کون سے نہین اس کا

کمال یہ ہے کہ انسان میں ایسا ملکہ پیدا ہو جس سے خود بخود اچھے افعال سرزد ہوں۔

(۲) ان دونوں قوتوں کے لحاظ سے افرادِ انسانی کی تین قسمیں ہیں

(۱) وہ لوگ جو ان اوصاف میں ناقص ہیں

(۲) خود کامل ہیں لیکن ناقصوں کی تکمیل نہیں کر سکتے

(۳) خود کامل ہیں اور ناقصوں کو کامل بنا سکتے ہیں

(۳) نقصان و کمال کے درجے نہایت متفاوت ہیں، نقصان کا درجہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان اور جانور میں صرف صورت کا فرق رہ جاتا ہے، اسی طرح کمال کا درجہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچتا ہے کہ انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔ ان دونوں درجوں کے بیچ میں ہزاروں درجے ہیں یہاں تک کہ اگر ہزاروں لاکھوں افرادِ انسانی کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر شخص، دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ ان اوصاف میں متفاوت ہے۔

چونکہ نقصان و کمال دونوں کی انتہائی حدیں ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا پایا جائے جو انتہائے کمال کے درجہ تک پہونچا ہو، اب جس شخص میں یہ دونوں قوتیں کامل درجہ پر پائی جائیں، اور دوسروں کو بھی کمال کے درجہ تک پہونچا سکتا ہو وہی نبی اور پیغمبر ہے[۱]،

[۱] یہ مطالب عالیہ کی تقریر کا خلاصہ ہے امام صاحب نے تفسیر کبیر آیت قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ الخ (ابراہیم) کی تفسیر میں اسی تقریر کو زیادہ اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ وہ امام غزالی سے ماخوذ ہے۔ اس تقریر کی امام صاحب نے نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ فھذہ اسرار عالیۃ محن زمنی الفاظ القرآن ۱۲

امام صاحب یہ ثابت کر کے کہ نبوت صرف قوت نظری و عملی کے کمال کا نام ہے اور معجزہ وغیرہ کو اس مین کچھ دخل نہین، لکھتے ہین۔

وَمِنْ جُمْلَةِ الْآيَاتِ الدَّالَّةِ عَلَى صِحَّةِ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّهُ تَعَالَى لَمَّا حَكَى عَنِ الْكُفَّارِ أَنَّهُمْ طَلَبُوا مِنْهُ الْمُعْجِزَاتِ الْقَاهِرَةَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ثُمَّ إِنَّهُ تَعَالَى قَالَ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا يَعْنِي كَوْنَ الشَّخْصِ إِنْسَانًا مَوْصُوفًا بِالرِّسَالَةِ مَعْنَاهُ كَوْنُهُ كَامِلًا فِي قُوَّتِهِ النَّظَرِيَّةِ وَالْعَمَلِيَّةِ وَقَادِرًا عَلَى مُعَالَجَةِ النَّاقِصِينَ فِي هَاتَيْنِ الْقُوَّتَيْنِ وَلَيْسَ يَلْزَمُ مِنْ حُصُولِ هَذِهِ الصِّفَةِ كَوْنُهُ قَادِرًا عَلَى الْأَحْوَالِ الَّتِي طَلَبْتُمُوهَا مِنْهُ

اور منجملہ ان باتون کے جن سے ہمارے دعوی مذکور کی صحت ثابت ہوتی ہے، یہ ہے کہ خدا نے کافرون کا یہ قول نقل کیا کہ اے محمد ہم تم پر ایمان نہ لاوین گے جب تک کہ تم زمین مین سے ہمارے لیے چشمہ نہ نکال دو وغیرہ وغیرہ، تو اسکے جواب مین خدا نے کہا کہ ای محمد کہدو کہ "سبحان اللہ مین تو صرف آدمی اور پیغمبر ہون"، یعنی کسی آدمی کا پیغمبر ہونا صرف اسپر موقوف ہے، کہ وہ قوت نظری و عملی مین کامل ہو، اور ناقصون کو کامل کر سکتا ہو۔ اس سے یہ نہین لازم آتا کہ وہ ان باتون پر بھی قادر ہو جو تم طلب کرتے ہو (یعنی معجزات)

شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک نبوت کی حقیقت

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین **نبوت** کی حقیقت زیادہ نکتہ سنجی و حقیقت شناسی کیساتھ لکھی ہے چنانچہ ہم اُنکے مضمون کو اپنے الفاظ اور اپنے پیرایہ مین ادا کرتے ہین لیکن ہمنے اپنی طرف سے کوئی بات اضافہ نہین کی ہے

"اس امر کے سمجھنے کے لیے کہ انسان کا مکلف ہونا، اور شرائع و ادیان کا قائم ہونا سب فطری امور ہین، سلسلہ کائنات پر غور کرنا چاہیے"

سب سے پہلے نباتات پر غور کرو، درختون کو دیکھو، اُن کے ہزارون لاکھون اقسام ہین

لیکن ہرایک کی شاخین پتے پھول پھل، پھلون کی بوباس، رنگ ذائقہ سب مختلف ہے، یہ اختلافات، ان کی صورت نوعیہ کے نتائج ہین یعنی ہر درخت کے جتنے خصوصیات ہین خود اس کی صورت نوعیہ نے پیدا کی ہین۔ اس بنا پر مثلاً یہ سوال کرنا کہ انگور شیرین، لطیف، باریک پوست، کیون پیدا کیا گیا ایک لغو سوال ہے کیون کہ یہ سوال کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ انگور انگور کیون ہوا انگور کی فطرت خود اسکی مقتضی ہے کہ وہ شیرین ہو۔ لطیف ہو، باریک پوست ہو،

اب حیوانات کو لو، نباتات کی طرح ان مین سے ہرایک کی شکل، صورت، رنگ، جدا ہے لیکن ان مین نباتات سے بڑھکر کچھ اور چیزین بھی ہین یعنی اختیاری حرکات اور فطری الہامات ہر جانور کو خاص خاص الہامی علوم عنایت ہوئے ہین جن کی وجہ سے وہ اپنے بنی نوع سے ممتاز ہے اور جو اُسکے تمام ضروریات وخصوصیات زندگی کے کفیل ہین، اُن کی تربیت وپرورش کے لئے اُن کی فطرت کے لحاظ سے الگ الگ سامان مہیا ہین، نباتات چون کہ حساس اور متحرک بالارادہ نہین ہین اس لئے ان مین رگ وریشے پیدا کئے گئے ہین جو پانی، ہوا، اور مٹی، کے لطیف اجزا کو چوستے ہین اور تمام شاخ وبرگ مین تقسیم کرتے ہین حیوان چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ پیدا کیا گیا تھا اس لئے اُس کو اس قسم کا فطری ادراک دیا گیا جس سے وہ خود چل پھر کر اپنی تمام ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے، پھر ہرایک کے کھانے پینے، رہنے سہنے کے طریقے مختلف ہین، چارپائے گھانس چرتے ہین، درندہ گوشت کھاتا ہے۔ پرند اڑتے ہین مچھلی تیرتی ہے، یہ تمام اختلافات بھی اُن کے مختلف **صور نوعیہ** کے نتائج ہین، اور یہی صورت نوعیہ ہرایک کو اُس قسم کے خاص ادراکات۔ خاص علوم، خاص الہامات،

عطا کرتی ہے۔ جو اُس کی ضروریات کے مناسب ہین، لیکن حیوانات کے جس قدر علوم اور
ادراکات ہین سب فطری اور الہامی ہین یعنی ان کو کسب اور اکتساب سے واسطہ نہین بلکہ وہ
علوم اور ادراکات اُن کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہین، اور یہ سب سے بڑی خصوصیت ہے
جو حیوان کو انسان سے جدا کرتی ہے، انسان کو طبعی اور فطری ادراکات اور علوم کے علاوہ
(جنمین وہ اور دیگر تمام حیوانات، برابر کے شریک ہین) ایک دوسری قسم کا ادراک بھی دیا
گیا ہے جس کو اکتسابی اور نظری کہتے ہین اور جو تجربہ۔ غور و فکر اور ترتیب مقدمات سے حاصل
ہوتا ہے یہی اکتسابی ادراک یا الہام ہے جس کے ذریعہ سے انسان تجارت، صنعت، زراعت،
اور ہر قسم کے علوم و فنون حاصل کرتا ہے یہی قوت ہے جو مختلف پیرایون مین ظاہر ہو کر کسی کو
بادشاہ کسی کو سپہ سالار کسی کو حکیم کسی کو صنعت گر بناتی ہے۔

لیکن یہ تمام علوم و ادراکات وہ ہین جو انسان کے جسمانی حالات سے تعلق رکھتے
ہین۔ ان کے سوا انسان کو ایک اور قسم کا ادراک دیا گیا ہے جو اسکی روحانیت کا خاصہ ہے،
اور جس کو **قوت ملکیہ** سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی قوت کا اثر ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش
کی مخلوقات کو دیکھکر یہ غور کرتا ہے کہ یہ تمام کارخانہ کیون کر قائم ہو گیا ہو مجکو کسنے پیدا کیا؟ کون
مجکو روزی دیتا ہے؟ ان سوالات کے جواب وہ ایک قوت اعظم کا قائل ہوتا ہے، اور پھر اسکے سامنے
سر عجز خم کرتا ہے اور خضوع و خشوع کے تمام آداب بجا لاتا ہے، اگرچہ تمام مخلوقات شجر و حجر
چاند سورج۔ ستارے۔ زمین۔ آسمان، سب اُس مدبر اعظم کے معترف ہین اور اُسکے آگے
سر بہ نیاز ہین جیسا کہ قرآن مجید مین ہے۔

اَلَمْ تَرَاَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا تم یہ نہین دیکھتے کہ آسمان اور زمین مین جو چیزین ہین اور
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ	آفتاب و ماہتاب درخت و چارپایے سب خدا کے آگے سجدہ کرتی ہین

لیکن فرق یہ ہے کہ اور مخلوقات کا اعتراف اور خضوع زبان حال سے ہے اور انسان کو حال کے ساتھ زبان قال بھی عطا کی گئی ہے۔ حاسۂ انفعال بھی اسی روحانی قوت کا اثر ہے یعنی جب انسان کوئی اچھا یا برا کام کرتا ہے تو اس کا اثر اُس کے دل پر قائم رہ جاتا ہی اگر وہ اچھا کام تھا تو اُس کے دل مین انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اگر بُرا تھا تو انقباض ہوتا ہے (جانورون مین یہ حاسہ بالکل نہین ہی)

غرض اس روحانی ادراک کے اقتضا سے سلسلہ بسلسلہ بہت سے اصول، قواعد عقائد، اعمال، قائم ہوجاتے ہین لیکن چونکہ یہ قوت تمام افراد مین یکسان نہین ہوتی، اور چونکہ انسان کا کمال روحانی اسپر موقوف ہے کہ روحانی حیثیت سے نیکی بدی، اور برائی بھلائی کا ایک مکمل قانون طیار ہوجاے، اس لئے خدا مدتون مین ایک شخص پیدا کرتا ہی جو وحی الٰہی کے القا کے قابل ہوتا ہے۔ یہ شخص خدا کا خاص منظور نظر ہوتا ہے، اسی سے تعلیم پاتا ہی اسی کے دامن تربیت مین پلتا ہی، اُس کو شریعت عطا ہوتی ہے اور تمام لوگون کو حکم ہوتا ہے کہ اُسکے امر و نہی کو بجالائین۔ لیکن یہ جو کچھ ہوتا ہے سب انسان کی فطرت اور صورت نوعیہ کا اقتضا ہے

فَاِنْ قِیْلَ مِنْ اَیْنَ وَجَبَ عَلَی الْاِنْسَانِ اَنْ یُصَلِّیَ وَمِنْ	اگر کوئی کہے کہ انسان پر نماز پڑھنا، اور پیغمبر کی اطاعت کرنا
اَیْنَ وَجَبَ عَلَیْہِ اَنْ یَّنْقَادَ لِلرَّسُوْلِ وَمِنْ اَیْنَ حُرِّمَ	اور زنا و سرقہ سے بچنا کیون واجب ہوا، تو جواب یہ ہے
عَلَیْہِ الزِّنَا وَالسَّرِقَۃُ فَالْجَوَابُ وَجَبَ عَلَیْہِ	کہ اسی طرح جس طرح چرندون پر یہ واجب ہے

هٰذَا وَحُرِّمَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ مِنْ حَيْثُ وَجَبَ عَلَى الْبَهَائِمِ اَنْ تَرْعَى الْحَشِيْشَ وَحُرِّمَ عَلَيْهَا اَكْلُ اللَّحْمِ + وَمِنْ حَيْثُ وَجَبَ عَلَى النَّحْلِ اَنْ تَتْبَعَ الْيَعْسُوْبَ اِلَّا اَنَّ الْحَيَوَانَ اسْتَوْجَبَ تَلَقِّيَ عُلُوْمِهَا اِلْهَامًا جِبِلِّيًّا وَاسْتَوْجَبَ الْاِنْسَانُ تَلَقِّيَ عُلُوْمِهِ كَسْبًا وَنَظَرًا اَوْ وَحْيًا وَتَقْلِيْدًا (حجۃ اللّٰہ البالغہ صفحہ ۳)	کہ گھاس چرین اور گوشت نہ کھائین، اور جس طرح شہد کی مکھیون پر واجب ہی کہ مکھیون کا جو سردار ہی اُسکی اطاعت کرین، فرق یہ ہے کہ حیوانات کو یہ علوم محض الہام سے حاصل ہوتے ہین، اور انسان کو کسب و نظر اور وحی و تقلید سے، لیکن دونون کو ان علوم کا حاصل ہونا ضروری اور وجوبی ہے۔

نبوت کے متعلق امام غزالی کی رائے

امام غزالی نے نبوت کی حقیقت، سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ **معارج القدس** مین بیان کی ہے، چونکہ اس کا بعینہٖ یہان نقل کرنا موقع اور مقام کے لحاظ سے موزون نہ تھا، ہم نے اس کو کتاب کے ضمیمہ مین شامل کر دیا ہے، اس موقع پر جو کچھ امام صاحب نے کتاب المنقذ اور احیاء العلوم مین لکھا ہے اس کا خلاصہ لکھتے ہین۔ وہ فرماتے ہین کہ

انسان اصل خلقت کے لحاظ سے، جاہل پیدا کیا گیا ہے، پیدا ہونے کے وقت وہ اقسام موجودات مین سے کسی چیز سے واقف نہین ہوتا سب سے پہلے اُس مین لمس کا احساس پیدا ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ ان چیزون کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہین، مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست۔ نرمی۔ سختی، اس حاسہ کو مرئیات۔ اور مسموعات سے تعلق نہین۔ جو شے محض سننے سے معلوم ہو سکتی ہے اس کے حق مین یہ حاسہ بالکل معدوم ہے، لمس کے بعد پھر انسان مین دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کر سکتا ہے، پھر سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے پھر چکھنے کی، یہانتک کہ محسوسات کی

حد ختم ہو جاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اب اُسکو **تمیز** دی جاتی ہے اور ان چیزونکا ادراک کر سکتا ہے جو حواس کے دسترس سے باہر ہین یہ دور ساتوین برس سے شروع ہوتا ہی اُس سے آگے بڑھکر **عقل** کا زمانہ آتا ہے جس سے انسان کو ممکن، محال، جائز، ناجائز، کا ادراک ہوتا ہے اس سے بڑھکر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور جس طرح تمیز و عقل کی مدرکات کے لیے حواس بالکل بیکار ہین، اسی طرح اس درجہ کے مدرکات کے لیے عقل بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام **نبوت** ہے۔

بعض عقلا اس درجہ کے منکر ہین، لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہے جس طرح وہ شخص عقلی چیزون کا انکار کرتا ہے جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہین کی گئی ہے۔

منقذ من الضلال مین لکھتے ہین۔

بَلِ الْاِیْمَانُ بِالنُّبُوَّةِ اَنْ یُّقِرَّ بِاِثْبَاتِ طَوْرٍ وَرَاءَ الْعَقْلِ تَنْفَتِحُ فِیْهِ عَیْنٌ یُّدْرَكُ بِهَا مُدْرَكَاتٌ خَاصَّةٌ وَالْعَقْلُ مَعْزُوْلٌ عَنْهَا كَعَزْلِ السَّمْعِ عَنْ اِدْرَاكِ الْاَلْوَانِ الخ [1]	نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنی ہین کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس مین وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ چیزین معلوم ہوتی ہین جنسے عقل بالکل محروم ہے جسطرح سامعہ رنگ کے ادراک سے بالکل معذور ہے۔

اس بنا پر نبوت کا اصلی اذعان صرف اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کو خود نبوت کا رتبہ حاصل ہے، یا ان لوگون کو جو نفوس قدسیہ رکھتے ہین یا جنھون نے ریاضات اور مجاہدات سی

[1] منقذ من الضلال صفحہ ۲۱

مکاشفات اور مشاہدات کا درجہ حاصل کیا ہے۔ امام غزالی منقذ من الضلال مین اپنی حالت کا ذکر کر کے لکھتے ہین۔

وبالجملۃ من لم یرزق منہ شیئا بالذوق فلیس یدرک من حقیقۃ النبوۃ الا الاسم۔

مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا کچھ مزا نہین چکھا ہو وہ نبوت کی حقیقت نہین جان سکتا بجز اسکے کہ نبوت کا نام جان لے

اسکے بعد لکھتے ہین

وقد بان لی بالضرورۃ من ممارسۃ طریقتھم حقیقۃ النبوۃ وخاصیتھا۔

صوفیون کے طریقہ کی مشق سے مجکو نبوت کی حقیقت اور اسکی خاصیت بدیہی طور پر معلوم ہو گئی

نبوت کے ثبوت کا ایک اور طریقہ

امام صاحب نے ایک اور طریقہ سے **نبوت** کی حقیقت بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ یہ عموماً مسلم ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیون مین یکسان نہین پیدا کی گئین۔ ذہن و ذکاوت فہم و فراست عقل و ذہانت مختلف افرادانسانی مین کسقدر مختلف المراتب ہین۔ ایک شخص ذہین ہے دوسرا اس سے ذہین، تیسرا اُس سے بھی زیادہ ذہین۔ بڑھتے بڑھتے یہان تک نوبت پہونچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہین جو بظاہر قدرت انسانی کے حد سے باہر نظر آتے ہین۔ جو لوگ شاعری مین۔ قوت تقریر مین۔ صناعی مین۔ ایجاد مین تمام زمانہ سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالین ہین۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے نہین حاصل ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگون مین یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسیوجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی کوشش کرین، اُنکے ہم پلہ نہین ہو سکتے انھین قوے مین حقائق اشیا کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی مین کم ہے اور کسی مین زیادہ۔ کسی مین

زیادہ تر ہوتی ہے، اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانون مین اس حد تک پہونچتی ہے کہ کسب وتعلم کے بغیر ان کو حقائق اشیا کا ادراک ہوتا ہے، ان کو کسی چیز کا بیرونی علم نہین ہوتا لیکن اس قوت کیوجہ سے خودبخود ان کو اشیا کا علم ہوتا جاتا ہے اسی قوت کا نام ملکۂ نبوت ہے اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہین۔

امام صاحب نے یہ مضمون[1] احیاء العلوم کے شروع مین ایک ضمنی بحث مین لکھا ہے جسکا عنوان یہ ہے بَیَانُ تَفَاوُتِ النَّاسِ فِی الْعَقْلِ چنانچہ اسکے بعض فقرے یہ ہین۔

وَکَیْفَ یُنْکَرُ تَفَاوُتُ الْغَرِیْزَۃِ وَلَوْلَاہُ لَمَا اخْتَلَفَتِ النَّاسُ فِیْ فَہْمِ الْعُلُوْمِ وَلَمَا انْقَسَمُوْا اِلٰی بَلِیْدٍ لَایَفْہَمُ بِالتَّفْہِیْمِ اِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِیْلٍ مِنَ الْمُعَلِّمِ وَاِلٰی ذَکِیٍّ یَفْہَمُ بِاَدْنٰی رَمْزٍ وَاِشَارَۃٍ وَاِلٰی کَامِلٍ یَنْبَعِثُ مِنْ نَفْسِہٖ حَقَائِقُ الْاُمُوْرِ دُوْنَ التَّعَلُّمِ کَمَا قَالَ تَعَالٰی یَکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ وَذَالِکَ مِثْلُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ اِذْ یَتَّضِحُ لَہُمْ فِیْ بَوَاطِنِہِمْ اُمُوْرٌ غَامِضَۃٌ مِنْ غَیْرِ تَعَلُّمٍ وَسَمَاعٍ وَیُعَبَّرُ ذَالِکَ بِالْاِلْہَامِ وَعَنْ مِثْلِہٖ عَبَّرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ

فطرت کے تفاوت کا کیون کر انکار ہوسکتا ہے، یہ تفاوت نہ ہوتا تو علوم کے سمجھنے مین اختلاف مراتب کیون ہوتا اور یہ بات کیون ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہین جو اُستاد کے سمجھانے پر بھی مشکل سے سمجھتے ہین۔ اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہین کہ ذرا سے اشارے مین سمجھ جاتے ہین۔ اور بعض ایسے کامل ہوتے ہین کہ خود انکی طبیعت سے حقائق امور پیدا ہوتے ہین جیسا کہ خدا نے کہا ہے یَکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ اور انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہے اُن کے دل مین دقیق باتین خودبخود بغیر سکھانے اور سننے کے روشن اور ظاہر ہوجاتی ہین، اور اسی کو الہام کہتے ہین اور اسی کو آنحضرت صلی اللہ

[1] ہم نے اس مضمون کو اپنے طرز بیان مین ادا کیا ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ علیہ وسلم نے اسطرح تعبیر کیا ہی کہ روح القدس نے میری روح مین پھونکا

امام صاحب اس تقریر سے نبوت کا امکان ثابت کر کے لکھتے ہین کہ اب اگر کسی خاص شخص کی نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہین تو اوسکے حالات خود اُسکی شہادت دے سکتے ہین۔ امام شافعی کے فقیہ ہونے کا ہم کو کیون یقین ہے؟ اس لئے کہ فقہ مین اُنکی نہایت عمدہ تصنیفات موجود ہین۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہین اور یہ دیکھتے ہین کہ نبوت کے جو آثار ہین اُس کے ہر ہر لفظ سے نمایان ہین تو صاف یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حامل بجز پیغمبر کے اور کوئی شخص نہین ہو سکتا تھا۔[۱]

نبوت کے متعلق محدث ابن حزم کی راے

محدث ابن حزم نے نبوت کی یہ حقیقت بیان کی ہے کہ بغیر تعلم و تعلیم کے علم حاصل ہو چنانچہ لکھتے ہین[۲]

فَصَحَّ اَنَّ النُّبُوَّةَ فِي الْاِمْكَانِ وَهِيَ بِعْثَةُ قَوْمٍ قَدْ خَصَّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْفَضِيْلَةِ لَا لِعِلَّةٍ اِلَّا اَنَّهُ شَاءَ ذٰلِكَ فَعَلَّمَهُمُ اللّٰهُ الْعِلْمَ بِدُوْنِ تَعَلُّمٍ وَلَا تَنَقُّلٍ فِيْ مَرَاتِبِهِ وَلَا طَلَبٍ لَهُ وَمِنْ هٰذَا الْبَابِ مَا يَرَاهُ اَحَدُنَا فِي الرُّؤْيَا فَيَخْرُجُ صَحِيْحًا

تو یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہے، اور نبوت کے معنی یہ ہین کہ خدا ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہے اور اُن کو فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے نہ کسی علت کیوجہ سے بلکہ صرف اپنی مرضی کیوجہ سے خدا ان کو علم سکھلاتا ہے بغیر سیکھنے کے اور بغیر درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب کے اور یہ اسی طرح کی بات ہے جسطرح ہم لوگ خواب مین کچھ دیکھتے ہین اور وہ صحیح نکلتا ہے

محدث موصوف نے اس کا امکان اسطرح ثابت کیا ہے کہ دنیا مین جسقدر علم و فن،

[۱] منقذ من الضلال از صفحہ ۴۳ تا ۴۶ [۲] ملل و نحل ابن حزم ۱

صنعت و حرفت وغیرہ ایجاد ہوئے موجد اوّل کو اُن کا علم آپ سے آپ بغیر تعلیم و تعلم کے ہوا ہو گا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اسلئے انبیاء کو بھی ایسا علم ہونا ممکن ہے اور اسی کا نام وحی ہے چنانچہ محدث موصوف بہت سے صنایع و فنون کے نام لکھکر لکھتے ہین

فوجب بالضرورۃ انہ لابد من انسان واحد فاکثر علمہم اللہ ابتداء کل ھذا دون معلم لکن بوحی حققہ عندہ وھذہ صفۃ النبوۃ[1]	تو یہ بات ضروری ٹھہری کہ ایک یا ایک سے زیادہ اس قسم کے انسان پائے جاتے ہین جن کو خدا نے یہ علوم و صنایع ابتداءً بغیر کسی معلم کے خود اپنی وحی سے سکھلائے اور یہی نبوت کی صفت ہے۔

ان تمام تقریرون کا حاصل اور قدر مشترک یہ ہے کہ خدا نے انسان کو جس طرح اور مختلف قوتین عطا کی ہین جو بعض افراد مین بالکل نہین پائی جاتین اور بعض مین بہ تفاوت درجات پائی جاتی ہین۔ اسی طرح ایک روحانی قوت عطا کی ہے جس کا نام قوت قدسیہ یا ملکہ نبوت ہے یہ قوت تزکیہ نفس اور پاکیزگی اخلاق سے تعلق رکھتی ہے جس شخص مین یہ قوت موجود ہوتی ہے وہ اخلاق مین کامل ہوتا ہے اور اپنے اثر سے اور انسانون کو کامل بنا سکتا ہو یہ شخص کسی سے تعلیم و تربیت نہین پاتا بلکہ بغیر تعلم و تعلیم کے اس پر حقائق اشیا منکشف ہو جاتے ہین۔

نبوت کی اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا جب یہ بات بداہتہً نظر آتی ہے کہ ایک شخص کچھ پڑھا لکھا نہین ہوتا (مثلاً ہومر اور امرء القیس) اور باوجود اس کے اس درجہ کا فصیح و بلیغ شاعر یا خطیب یا صنّاع یا موجد ہوتا ہے کہ تمام زمانہ مین اُس کا جواب نہین ہوتا

[1] ملل و نحل صفحہ ۷۷ مطبوعہ مصر۔

تو یہ کیا بعید ہے کہ خدا بعض افراد کو اس قسم کی قوت قدسیہ عطا کرے کہ اُنپر بغیر تعلّم و تعلیم کے اخلاق کے حقائق و اسرار منکشف ہوجائین،

کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ اکثر انبیا مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت عیسی، اور جناب رسالت پناہ نے علوم و فنون کی مطلق تعلیم نہ پائی تھی اور باوجود اسکے صرف ہدایت و تلقین کی تاثیر سے دنیا کی حالت بدل دی، اور فلسفہ اخلاق کے وہ اصول اور مسائل تعلیم کیے کہ فلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہان تک نہ پہنچ سکا تھا،

نبوت کی تصدیق اور نبی کی باتون کو سچ سمجھنا خود انسان کی فطرت صحیحہ کا اقتضا ہے

ایک شخص جو حق کا تشنہ ہے جبکا وجدان صحیح ہے جو سچ اور جھوٹ مین تمیز کرسکتا ہے جیسکے دل مین سچی بات آپ سے آپ اُترجاتی ہے، وہ جب کسی نبی سے تلقین و ہدایت سنتا ہے تو پھر وہ کج بحثیون مین نہین پڑتا بلکہ آپ سے آپ اُس کا دل مان لیتا ہے کہ یہ سچ ہے اور سچائی کے مرکز سے نکلا ہے مولانا روم نے اسکی یہ تشبیہ دی ہے کہ اگر کسی پیاسے کو پانی دیا جائے تو کیا وہ یہ بحث پیش کریگا کہ پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ پانی ہے، یا اگر ماں اپنے بچے کو دودھ پینے کے لیے بلائے تو کیا اس کو شک ہوگا کہ یہ میری ماں ہے اور واقعی دودھ پلانے کے لیے بلا رہی ہے چنانچہ فرماتے ہین۔

نبوت کی تصدیق کیونکر ہوتی ہے

تشنہ را چون بگوئی تو شتاب	در قدح آب است بستان زود آب
ہیچ گوید تشنہ کاین دعوی است رو	از برم اے مدعی مہجور شو
یا گواہ و حجتے بنما کہ این	جنس آب است وازان ماء معین

یا بہ طفل شیر۔ مادر بانگ زد — کہ بیا من مادرم ہان اے ولد

طفل گوید؟ مادرا حجت بیار — تاکہ با شیرت گیرم من قرار

در دل ہر اُمتی کز حق مزہ است — روی و آواز پیمبر معجزہ است

چون پیمبر از برون بانگے زند — جان ہست در درون سجدہ کند

زانکہ جنس بانگ او اندر جہان — از کسی نشنیدہ باشد گوش جان

امام راغب اصفہانی[1] لکھتے ہین کہ انبیا کو دو قسم کے معجزے دیے جاتے ہین پہلی قسم یہ ہے کہ وہ پاک نسب ہوتے ہین، اُن کے چہرون پر وہ نور ہوتا ہے جو دلون کو فریفتہ کرلیتا ہے اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہین جو قلوب کو مسخر کرلیتے ہین، اُن کی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو تشفی ہوجاتی ہے،، پھر لکھتے ہین۔

وَهٰذِهِ الْاَحْوَالُ اِذَا حَصَلَتْ لَا يَحْتَاجُ ذُوالْبَصِيْرَةِ مَعَهَا اِلٰى مُعْجِزَةٍ وَلَا يَطْلُبُهَا	اور یہ حالات جب پائے جاتے ہین تو سمجھدار آدمی کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہین رہتی اور وہ کسی معجزہ کا طالب نہین ہوتا

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین جہان نبوت پر بحث کی ہے لکھتے ہین کہ جو شخص آنحضرت کے ہدایات اور ارشادات پر بار بار غور کرے گا اُس کو خود آنحضرت کی نبوت پر یقین ہوجائے گا۔ پھر لکھتے ہین،

فَمِنْ ذٰالِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا اَوْ شَقِّ الْقَمَرِ الخ	تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ نہ اس سے کہ عصا سانپ ہوگیا یا چاند شق ہوگیا،

[1] الذریعہ مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹

معارف فی شرح الصحائف مین جو علم کلام کی مستند کتاب ہے آنحضرت کی نبوت پر دو طریقہ سے استدلال کیا ہے پہلا وہی قدیم طریقہ یعنی معجزات ہے۔ دوسرا طریقہ یہ لکھا ہے

اَلْوَجْهُ الثَّانِیْ فِیْ اِثْبَاتِ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صلعم	دوسرا طریقہ، آنحضرت کی نبوت ثابت کرنے کا آنحضرت کے
اَلْاِسْتِدْلَالُ بِاَخْلَاقِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَحْکَامِهٖ	افعال- اقوال، اور احکام سے استدلال کرنا ہے
پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین	
وَهٰذَا الْوَجْهُ بِالْحَقِیْقَةِ یُعَیِّنُ حَقِیْقَةَ النُّبُوَّةِ	اور یہ طریقہ درحقیقت- نبوت کی حقیقت بتا دیتا ہے-

انبیا کی تعلیم وہدایت کا طریقہ

مذہب کے متعلق بہت بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ انبیا کے اصول طریقہ تعلیم کو ملحوظ نہین رکھتے، علم کلام کی متداول کتابون مین اس ضروری نکتہ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے لیکن امام رازی نے مطالب عالیہ مین- ابن رشد نے کشف الادلہ مین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین تفصیل کے ساتھ یہ اصول بیان کیے ہین ان مین سے ضروری الذکر یہ ہین

انبیا کی تعلیم کے اصول

پہلا اصول

(۱) انبیا کو اگرچہ عوام وخواص دونون کی ہدایت مقصود ہوتی ہے لیکن چونکہ عوام کے مقابلہ مین خواص کی تعداد اتنی قلیل ہوتی ہے اس لئے ان کی طرز تعلیم اور طریقہ ہدایت مین عوام کا پہلو زیادہ ملحوظ ہوتا ہے- البتہ ہر جگہ ضمن مین ایسے الفاظ موجود ہوتے ہین جن سے اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جس کے مخاطب خواص ہوتے ہین

امام رازی نے آیات متشابہات کے ورود کے متعلق سب سے قوی وجہ یہ بیان کی ہے کہ۔

اَنَّ الْقُرْاٰنَ کِتَابٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰی دَعْوَۃِ الْخَوَاصِّ وَالْعَوَامِ بِالْکُلِّیَّۃِ وَطَبَائِعُ الْعَوَامِ تَنْبُوْ فِیْ اَکْثَرِ الْاَمْرِ عَنْ اِدْرَاکِ الْحَقَائِقِ۔	قرآن ایسی کتاب ہے جس سے خاص و عام سب کو حق کیطرف دعوت دی گئی ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ انکی طبیعت اکثر امور مین حقائق کے ادراک سے انکار کرتی ہے
فَکَانَ الْاَصْلَحُ اَنْ یُخَاطَبُوْا بِاَلْفَاظٍ دَالَّۃٍ عَلٰی بَعْضِ مَا یُنَاسِبُ مَا یَتَوَهَّمُوْنَہٗ وَیَتَخَیَّلُوْنَہٗ وَیَکُوْنُ ذٰلِکَ مَخْلُوْطًا بِمَا یَدُلُّ عَلَی الْحَقِّ الصَّرِیْحِ	اس لئے مصلحت یہ تھی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے جو عوام کے خیالات اور تصورات کے ساتھ کچھ مناسبت رکھتے ہون اور اُسکے ساتھ حقیقت واقعی بھی مخلوط ہو

(تفسیر کبیر آل عمران آیت ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ)

ابن رشد فصل المقال مین لکھتے ہین

فَکَانَ الشَّرْعُ مَقْصُوْدُہُ الْاَوَّلُ الْعِنَایَۃُ بِالْاَکْثَرِ مِنْ غَیْرِ اِغْفَالٍ لِتَنْبِیْہِ الْخَوَاصِّ	شریعت کا مقصود اولی جمہور عوام کے ساتھ اعتنا کرنا تاہم خواص کی تنبیہ سے بھی چشم پوشی نہین کی جاتی۔

دوسرا اصول

(۲) انبیا۔ لوگون کی عقل و علم کے لحاظ سے اُن سے خطاب کرتے ہین لیکن اس علم وعقل کے لحاظ سے جو اکثر افراد انسانی مین پائی جاتی ہے۔ اکتساب مجاہدہ۔ مراقبہ ممارست کیوجہ سے جو علم وعقل پیدا ہوتی ہے وہ انبیا کے خطاب کا موضوع نہین

وَمِنْ سِیَرِھِمْ اَنْ لَّا یُکَلِّمُوا النَّاسَ اِلَّا عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمُ الَّتِیْ خُلِقُوْا عَلَیْھَا	اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگون سے انکی خلقی عقل کے موافق خطاب کرتے ہین

فالانبياء لم يخاطبوا الناس الا على منهاج
ادراكهم الساذج المودع فيهم باصل
الخلقة فلذلك لم يكلفوا الناس ان يعرفوا
ربهم بالتجليات والمشاهدات ولا بالبراهين
والقياسات ولا ان يعرفوه منزها من
جميع الجهات (حجة الله البالغة صفحه ۸۸)

اس لئے انبیا نے محض اُس فہم اور ادراک کے لحاظ سے
خطاب کیا، جو ان لوگون کی خلقت مین ودیعت ہے چنانچہ
انبیا نے لوگون کو یہ تکلیف نہین دی کہ وہ خدا کو تجلیات
مشاہدات۔ براہین۔ اور قیاسات کے ذریعہ سے پہچانین
نہ انکو اس بات پر مکلف کیا کہ وہ خدا کو ہر جہت، اور
ہر حیثیت سے منزہ خیال کرین،

تیسرا اصول

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ **انبیا** تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے سوا
اور قسم کے مسائل اور مباحث اور حقائق سے متعرض نہین ہوتے، اور اس قسم کے امور
کے متعلق کچھ بیان کرتے ہین تو انھی کی روایات اور خیالات کے مطابق، اور اسمین بھی
استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہین۔

ومن سيرتهم ان لا يشتغلوا بما لا يتعلق
بتهذيب النفس وسياسة الامة كبيان اسباب
حوادث الجو من المطر والكسوف والهالة
وعجائب النبات والحيوان ومقادير سير
الشمس والقمر واسباب الحوادث اليومية
وقصص الانبياء والملوك والبلدان ونحوها
الا كلمات يسيرة الفها اسماعهم وقبلها عقولهم

اور انبیا کے اصول مین سے ایک بات یہ ہے کہ جو امور
تہذیب نفس، اور سیاست قومی سے تعلق نہین رکھتے
انمین وہ دخل نہین دیتے، مثلاً کائنات الجو یعنی بارش۔
گرہن۔ ہالہ کے پیدا ہونے کے اسباب۔ نباتات اور
حیوانات کے عجائبات۔ چاند سورج کی رفتار کی مقدار
حوادث یومیہ کے اسباب۔ انبیا سلاطین، اور ممالک کے
قصص وغیرہ وغیرہ ان چیزون سے وہ بحث نہین کرتے، مگر ہان کچھ چند معمولی

عقولهم يوفى بها في التذكير بآلاء الله والتذكير بأيام الله على سبيل الاستطراد بكلام إجمالي يسامح في مثله بإيراد الاستعارات والمجازات ولهذا الأصل لما سألوا النبي صلى الله عليه وسلم عن لمية نقصان القمر وزيادته أعرض الله تعالى عن ذالك إلى بيان فوائد الشهور فقال يسئلونك عن الأهلة قل هي مواقيت للناس والحج وترى كثيرا من الناس فسد ذوقهم بسبب الألفة بهذه الفنون أو غيرها من الأسباب فحملوا كلام الرسل على غير محمله (حجة الله البالغة صفحه ۸۸)

باتین جن سے لوگون کے کان مانوس ہو چکے ہین اور اُنکی عقلون نے ان باتون کو قبول کر لیا ہے، اور ان باتونکو بھی وہ لوگ خدا کی شان اور قدرت کے ذکر مین ضمنی طور پر اجمالا بیان کرتے ہین اور اسمین مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہین، اور اسی اصول کی بنا پر جب لوگون نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب پوچھا تو خدا نے اُسکے جواب سے اعراض کیا اور اُسکے بجاے مہینونکا فائدہ بیان کر دیا چنانچہ فرمایا ویسئلونک الخ اور اکثر لوگون کا مذاق، ان فنون (یعنی ریاضیات وغیرہ) کے اشتغال کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے تو یہ لوگ انبیا کے کلام کو خلاف حقیقت محل پر محمول کرتے ہین۔

چوتھا اصول

(۴) ایک عام اصول جس پر **تمام انبیا** کا عمل رہا یہ ہے کہ وہ جس قوم مین مبعوث ہوتے ہین اسکے اکل وشرب، لباس، مکان، سامان آرایش۔ طریقہ نکاح زوجین کے عادات بیع وشرا، معاصی پر داروگیر، فصل قضایا، غرض اس قسم کے تمام امور پر نظر ڈالتے ہین اگر یہ چیزین ویسی ہی ہین جیسا انکو ہونا چاہیے تو پھر کسی قسم کا تبدل وتغیر نہین کرتے بلکہ ترغیب دلاتے ہین کہ یہ رسوم وآئین صحیح اور واجب العمل اور مبنی علی المصالح ہین، البتہ اگر ان مین کچھ نقص ہوتا ہے مثلاً وہ آزار رسانی کا ذریعہ ہون۔ یا لذات دنیوی مین انہماک کا باعث ہون

یا اصول احسان کے مخالف ہون۔ یا انسان کو دنیاوی اور دینی مصالح سے بے پروا کر دینے والی ہون تو انکو بدل دیتے ہین وہ بھی اس طرح نہین کہ سرے سے انقلاب کر دین، بلکہ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہین جس کے مشابہ کوئی چیز قوم مین پہلے سے موجود ہوتی ہے یا ان لوگون کے حالات مین اُسکی مثالین پائی جاتی ہین۔ جنکو قوم اپنا مقتدا و پیشوا تسلیم کرتی آتی ہے"۔

شاہ ولی اللہ صاحب یہ اصول نہایت تفصیل سے بیان کر کے لکھتے ہین،

وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى اِخْتَلَفَ شَرَائِعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالرَّاسِخِ فِى الْعِلْمِ يَعْلَمُ اَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَجِئْ فِى النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْمُعَامِلَاتِ وَالزِّيْنَةِ وَاللِّبَاسِ وَالْقَضَاءِ وَالْحُدُوْدِ وَالْغَنِيْمَةِ بِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ اَوْ يَتَرَدَّدُوْنَ فِيْهِ اِذَا كُلِّفُوْا نَعَمْ اِنَّمَا وَقَعَ اِقَامَةُ الْمُعْوَجِّ وَتَصْحِيْحُ السَّقِيْمِ

اور اسی وجہ سے انبیا کی شریعتین مختلف ہین۔ اور جو لوگ علم مین پختہ کار ہین وہ جانتے ہین کہ شریعت نے نکاح۔ طلاق۔ معاملات۔ آرائش۔ لباس۔ قضا۔ تعزیرات غنیمت، مین کوئی ایسی بات نہین پیش کی جسکو وہ لوگ سرے سے نہ جانتے ہون یا ایسی جسکے قبول کرنے مین انکو پس و پیش ہو، ہان یہ ضرور ہوا کہ جو کجی تھی، سیدھی کر دی گئی اور جو خرابی تھی رفع کر دی گئی

پانچوان اصول

(۵) **انبیا پر جو شریعت نازل ہوتی ہے اُسکے دو حصے ہوتے ہین ایک وہ عقائد** و مسائل جو مذہب کے اصول کلیہ ہوتے ہین، اس حصہ مین تمام شریعتین متحد ہوتی ہین۔ مثلاً خدا کا وجود۔ توحید۔ ثواب۔ عقاب۔ عبادت۔ شعائر اللہ کی تعظیم۔ نکاح۔ وراثت وغیرہ وغیرہ دوسرے وہ احکام اور سنن، جو خاص خاص انبیا کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین اور جنکی بنا پر

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰

کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی مثلاً شریعت عیسوی سے مختلف ہے، شریعت کا یہ حصہ خاص خاص قومون یا ملکون کے مصالح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے اور اُسکی بنیاد زیادہ تر ان خیالات عقائد، عادات، معاملات، رسوم، طریق معاشرت، اور اصول تمدن پر ہوتی ہے جو پہلے سے اُس قوم مین موجود تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین

فَلِذٰلِکَ یُعْتَبَرُ فِی الشَّرَائِعِ عُلُومٌ مَخْزُونَۃٌ فِی الْقَوْمِ وَاعْتِقَادَاتٌ کَامِنَۃٌ فِیْھِمْ وَعَادَاتٌ تَتَعَادٰی فِیْھِمْ وَلِذٰلِکَ نَزَلَ تَحْرِیْمُ لُحُوْمِ الْاِبِلِ وَاَلْبَانِھَا عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ دُوْنَ بَنِیْ اِسْمٰعِیْلَ وَلِذٰلِکَ کَانَ الطَّیِّبُ وَالْخَبِیْثُ فِی الْمَطَاعِمِ مُفَوَّضًا اِلٰی عَادَاتِ الْعَرَبِ وَلِذٰلِکَ حَرُمَتْ بَنَاتُ الْاُخْتِ عَلَیْنَا دُوْنَ الْیَھُوْدِ۔[1]	اسی طرح شریعت مین اُن علوم اور اعتقادات وعادات کا لحاظ کیا جاتا ہے جو قوم مین مخزون اور جاری وساری ہوتے ہین یہی وجہ تھی کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام ہوا اور بنی اسمٰعیل پر حرام نہ ہوا، اور یہی وجہ ہے کہ کھانوں مین پاک اور نجس کی تفریق عرب کے مذاق پر محول کی گئی، اور یہی وجہ ہے کہ بھانجی سے شادی کرنا ہمارے مذہب مین حرام ہے، اور یہود کے یہان نہین۔

شاہ صاحب نے اس موقع پر اس اصول کی اور بہت سی تفریعات بیان کی ہین ہم نے تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کر دین۔

اسی بحث مین آگے چلکر لکھتے ہین

وَاعْلَمْ اَنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْعَادَاتِ وَالْعُلُوْمِ الْکَامِنَۃِ یَتَّفِقُ فِیْھَا الْعَرَبُ وَالْعَجَمُ	جاننا چاہیے بہت سے مراسم اور علوم ایسے ہین جن مین تمام عرب وعجم، اور تمام معتدل ممالک کے رہنے والے اور

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۲

وَجَمِیعُ سُکَّانِ الْاَرْضِ الْمُعْتَنِ لَہٗ وَاَهْلُ الْاَمْرِ خَبِرَ الْقَابِلَةِ لِلْاَخْلَاقِ الْفَاضِلَةِ کَالْحُزْنِ بِمَیِّتِهِمْ وَاِسْتِحْبَابِ التَّرَفُّقِ بِہٖ وَکَالتَّفَخُّرِ بِالْاَحْسَابِ وَالْاَنْسَابِ فَتِلْکَ الْعَادَاتُ وَالْعُلُوْمُ اَحَقُّ الْاَشْیَاءِ بِالْاِعْتِبَارِ ثُمَّ بَعْدَ هَا عَادَاتٌ وَعَقَائِدُ تَخْتَصُّ بِالْمَبْعُوْثِ عَلَیْهِمْ فَتُعْتَبَرُ تِلْکَ اَیْضًا	تمام وہ لوگ جن مین اخلاق فاضلہ کے قبول کرنیکی صلاحیت ہی سب متفق ہوے ہین مثلاً مُردہ کا غم کرنا، اور اونپر رحم کھانا۔ یا مثلاً حسب ونسب پر فخر کرنا۔ تو یہ مراسم اور یہ اصول سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہین۔ انکے بعد وہ مراسم ہین جو خاص اسی قوم مین جاری ہین جنپر وہ پیغمبر بعوث ہوا ہی تو ان مراسم کا بھی لحاظ کیا جاتا ہی۔

(۶) کسی چیز سے روکنے یا کسی چیز کے حکم دینے کے دو طریقے ہین ایک یہ کہ اُس چیز کے فوائد نقصان بیان کئے جائین اور یہ بتایا جائے کہ وہ شے مقصود بالذات نہین ہی بلکہ امر و نہی کا اصلی سبب اسکا مفید یا مضر ہونا ہی دوسرا طریقہ یہ ہی کہ یہ کہا جائے کہ خود وہ شے بالذات موجب ثواب یا عقاب ہی جیسا کہ بعض دعاؤن کی نسبت لوگون کا خیال ہی کہ اگر اُسکے الفاظ، ادل بدل ہو جائین تو دعا مین وہ تاثیر نہ رہیگی۔

پہلا طریقہ اگرچہ بظاہر حکیمانہ اور اصول عقل کے زیادہ موافق ہی لیکن یہ طریقہ عام نہین ہو سکتا۔ اگر امر و نہی کا مدار اسپر رکھا جائے تو ایک ایک عامی کو اوامر و نواہی کے دقائق اور باریکیان سمجھانی پڑینگی اور یہ بالکل نا ممکن ہی اسکے علاوہ کسی کام کے کرنے کیلئے عام طبائع پر جسقدر اسبات کا اثر پڑتا ہی کہ خدا نے اسکام کا حکم دیا ہے اور خدا اسکی تعمیل سے خوش ہوتا ہی، اسقدر اس بات کا اثر نہین پڑسکتا کہ وہ چیز فی نفسہٖ اچھی ہی فرض کرو اگر تعزیرات ہند کی بجاے اخلاقی کتابین جاری کیجائین جنمین یہ لکھا ہو کہ چوری۔ ڈکیتی۔ رہزنی۔ بُری باتین ہین اسلئے انسے بچنا چاہئے۔ تو کیا یہ اخلاقی کتابین جرائم کے گھٹانے مین وہ کام دینگی جو تعزیرات ہند

دے رہی ہے؟ اس بنا پر انبیا افعال کی ترغیب و ترہیب کے لئے زیادہ تر یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہین یعنی بجائے اسکے کہ اوامر و نواہی کے وجوہ اور اسباب بتائین۔ وہ ان افعال کو بالذات موجب ثواب وعقاب بتاتے ہین۔ اور ثواب وعقاب کو صرف خدا کی خوشنودی اور ناراضی پر محمول کرتے ہین۔ وہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ کے حکم دینے مین عام لوگون سے یہ نہین کہتے کہ ان ارکان کے ادا کرنے مین یہ یہ فائدے ہین بلکہ صرف یہ کہتے ہین کہ ان چیزون سے خدا خوش ہوتا ہے اور اُنکے نہ ادا کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے اور درحقیقت عوام کو کسی چیز کیطرف راغب کرنیکا صرف یہی موثر طریقہ ہے[1]

[1] یہ اصول۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی اُس تقریر سے ماخوذ ہے جو انھون نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۹۵ مین لکھی ہے لیکن شاہ صاحب اس اصول کو فلاسفہ اسلام کیطرف منسوب کرتے ہین چنانچہ لکھتے ہین وذهب فلاسفة الاسلام الى ان العذاب والثواب انما يكونان على النفسانية والاخلاق المتشبثة بها بدليل الروح وانما ذكر ثوابهما وانتاجهما في الشرائع تفهيما وتقريبا للمعاني الدقيقة الى اذهان الناس شاہ صاحب کی ذاتی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شی شریعت مین مامور بہ و منہی عنہ ہوتی ہے تو بالذات اسپر ثواب و عقاب مرتب ہوجاتا ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے آگے چلکر جہان اسپر بحث کی ہے کہ جو شریعت تمام شریعتون کی ناسخ ہوتی ہے اسکے اصول کیا ہوتے ہین، وہان اس اصول کو خود، شریعت ناسخہ کے اصول مین شمار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہین

ومنها ان يكلف الناس باشباح البر ولا تفرد بهم ذالك الزاما قطعيا ولا يلوح لهم بارواحها الكثير تلويحا ولا يعينه في شي من الشرائع ويجعل علم الشرائع الذى ماخذ الاحكام التفصيلية علما مكنونا وذلك لان اكثر المكلفين لا يعرفون المصالح ولا يستطيعون معرفتها الا اذا ضبطت بالضوابط وصارت محسوسة يتعاطاها كل متعاط فلو رخص لهم في ترك شي منها وبين ان المقصود الاصلي غير تلك الاشباح لتوسع لهم مذاهب الخوض ولاختلفوا اختلافا فاحشا

اور ان اصول مین سے ایک یہ ہے کہ پیغمبر لوگون کو نیکی و بدی کی ظاہری صورتون کا مکلف کرے، اور انکو سخت تاکید کرے، اور ان اعمال کی روحانیت کا اثر بہت کم اظہار کرے۔ اور ان احکام شریعت مین سے کسی حکم کی نسبت انکو کرنے نکرنے کا مختار نہ بنائے۔ اور اسرار شریعت کو جو احکام تفصیلی کا ماخذ ہے ایک راز مخفی قرار دے۔ اور یہ اسلئے کہ اکثر لوگ مصالح سے واقف نہین اور اسکو سمجھ نہین سکتے جبتک کہ ایسے قاعدے نہ بنائے جائین جو محسوس صورتین بن جائین اور جسکو ہر شخص سمجھ لے اسلئے اگر انکو کسی شے کے چھوڑنے کی اجازت دیجائے یا اُنسے کہا جائے کہ اعمال مقصود اصلی نہین ہین۔ تو انکو بڑی وسعت ہوجائیگی اور انمین سخت اختلاف پیدا ہوجائیگا

مذکورہ بالا اصول، تمام انبیا مین مشترک ہوتے لیکن جس نبی کی رسالت عام ہوتی ہے
اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوتا ہے، اُسکی ہدایت اور تلقین مین بعض زائد خصوصیات
ہوتی ہین جو اور انبیا مین نہین پائی جاتین،

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ پیغمبر جس قوم مین مبعوث ہوتا ہے، اُس کی شریعت مین اُس
قوم کے عادات اور خصوصیات کا خاص طریقہ پر لحاظ ہوتا ہے لیکن جو پیغمبر تمام عالم کے
لئے مبعوث ہو، اُسکے طریقہ تعلیم مین یہ اصول چل نہین سکتا، کیونکہ نہ وہ تمام دنیا کی قومونکے
لئے الگ الگ شریعتین بنا سکتا ہے نہ تمام قومونکی عادات اور خصوصیتین باہم متفق
ہوسکتین ہین۔ اسلئے وہ پہلے اپنی قوم کی تعلیم و تلقین شروع کرتا ہے اور اُن کو محاسن
اخلاق کا نمونہ بناتا ہے، یہ قوم اُس کے اعضا اور جوارح کا کام دیتی ہے اور اُسی کے
نمونہ پر وہ اپنی تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے، اُس کی شریعت مین اگرچہ زیادہ تر وہ قوا
کلیہ اور اصول عام ہوتے ہین جو قریبًا تمام دنیا کی قومون مین مشترک ہوتے ہین
تاہم خاص اس کی قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے لیکن جو احکام
ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہین اُن کی پابندی مقصود بالذات نہین
ہوتی اور نہ اپنر چندان زور دیا جاتا ہے،

اس اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین (صفحہ ۱۲۳) مین نہایت
تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہین۔

وَهٰذَا الْاِمَامُ الَّذِیْ یَجْمَعُ الْاُمَمَ عَلٰی مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ یَحْتَاجُ | یہ امام جو تمام قومون کو ایک مذہب پر لانا چاہتا ہو۔

إِلَى أَ[illegible] غَيْرِ الْأُصُولِ الْمَذْكُورَةِ فِيمَا
سَبَقَ مِنْهَا أَنْ يَدْعُوَ قَوْمًا إِلَى السُّنَّةِ الرَّاشِدَةِ
وَيُزَكِّيَهُمْ وَيُصْلِحَ شَأْنَهُمْ ثُمَّ يَتَّخِذَهُمْ
بِمَنْزِلَةِ جَوَارِحِهِ + + +
وَذَالِكَ لِأَنَّ هٰذَا الْإِمَامَ نَفْسَهُ لَا يَتَأَتَّى مِنْهُ
مُجَاهَدَةُ أُمَمٍ غَيْرِ مَحْصُورَةٍ وَإِذَا كَانَ كَذَالِكَ وَجَبَ
أَنْ تَكُونَ مَادَّةُ شَرِيعَتِهِ مَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَذْهَبِ الطَّبِيعِيِّ
لِأَهْلِ الْأَقَالِيمِ الصَّالِحَةِ عَرَبِهِمْ وَعَجَمِهِمْ ثُمَّ
مَا عِنْدَ قَوْمِهِ مِنَ الْعِلْمِ وَالْاِرْتِفَاقَاتِ
وَيُرَاعَى فِيهِ حَالُهُمْ أَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِمْ ثُمَّ يَحْمِلُ
النَّاسَ جَمِيعًا عَلَى اتِّبَاعِ تِلْكَ الشَّرِيعَةِ لِأَنَّهُ
لَا سَبِيلَ إِلَى أَنْ يُفَوِّضَ الْأَمْرَ إِلَى كُلِّ قَوْمٍ
أَوْ إِلَى أَئِمَّةِ كُلِّ عَصْرٍ إِذْ لَا يَحْصُلُ مِنْهُ فَائِدَةُ
التَّشْرِيعِ أَصْلًا وَلَا إِلَى أَنْ يَنْظُرَ مَا عِنْدَ كُلِّ قَوْمٍ
وَيُمَارِسَ كُلًّا مِنْهُمْ فَيَجْعَلَ لِكُلٍّ شَرِيعَةً + + +
فَلَا أَحْسَنَ وَلَا أَيْسَرَ مِنْ أَنْ يَعْتَبِرَ فِي الشَّعَائِرِ
وَالْحُدُودِ وَالْاِرْتِفَاقَاتِ عَادَةَ

اس کو اور چند اصول کی جو اصول مذکورہ بالا کے علاوہ
ہین حاجت پڑتی ہو نہین سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک قوم کو راہ راست
پر بلاتا ہی اسکی اصلاح کرتا ہی، اسکو پاک بنادیتا ہی،
پھر اسکو اپنا دست وباز و قرار دیتا ہی
یہ اسلئے کہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ یہ امام تمام دنیا کی قومون
کی اصلاح مین جان کھپائے اسلئے ضرور ہوا کہ اسکی شریعت
کی اصلی بنیاد تو وہ ہو جو تمام عرب وعجم کا فطری مذہب ہو،
اُسکے ساتھ خاص اسکی قوم کے عادات اور مسلمات
کے اصول بھی لئے جائین اور انکے حالات کا لحاظ
بہ نسبت اور قومون کے زیادہ تر کیا جائے، پھر تمام لوگون
کو اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دیجائے کیونکہ یہ تو ہو
نہین سکتا کہ ہر قوم یا ہر پیشواے قوم کو اجازت دیدی
جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالین ورنہ تشریع محض
بیفائدہ ہوگی، نہ یہ ہوسکتا کہ ہر قوم کی عادات وخصوصیات
کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کیلئے الگ الگ شریعت بنائی
جائے اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہین کہ
شعار، تعزیرات، اور انتظامات مین خاص اس قوم کی عادات کا

قومہ المبعوث فیھم ولا یضیق عن نفسی۔ نافذ کیا جاتا جن مین یہ امر پیدا ہوا ہی، اسکے ساتھ انکی

علی الآخرین الذین یاتون بعد۔ نسلون پر ان احکام کے متعلق چندان سخت گیری نکیجائے

اس اصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعت اسلامی مین چوری۔ زنا۔ قتل۔ وغیرہ کی جو سزائین

مقرر کی گئی ہین اُن مین کہان تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ اُن

سزاؤن کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہان تک ضروری ہے۔

خرق عادات

بیانات مذکورۂ بالا سے اگرچہ ثابت ہوچکا۔ کہ نبوت خرق عادت پر موقوف نہین، اور

اس لحاظ سے ہم کو اس مسئلہ کے متعلق کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن خرق عادت

تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے اور اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ اسلام مین بھی کچھ

نہ کچھ اُسکی جھلک موجود ہے اس لئے اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے۔ قران مجید مین

اس قسم کے جو واقعات منقول ہین فرقہ جدیدہ ان کی عموماً تاویل کرتا ہے اور کہتا ہے

کہ قران مجید مین اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور نہین لیکن انصاف یہ ہے کہ قران مجید

بلکہ تمام آسمانی کتابون مین اس قسم کے واقعات کے مذکور ہونے سے انکار نہین ہوسکتا

سنہ تھہ اشاعرہ کی افراطیون سے وہم پرستی کے درجہ تک پہونچ گئی ہے لیکن انکار

محض کرنا بھی کچھ کم ہٹ دھرمی نہین ہے، ہمارے زمانہ کے لوگون نے جو تاویلین کی

ہین ہم اس سے بخوبی واقف ہین اسنے تھہ یہ تاویلین نئی تعلیم یافتہ لوگون کے لئے

کافی ہین جو بیچارے عربی زبان اور اُس کے طرز و اسلوب سے ناآشنا ہین، مگر ماہر عربیت کے سامنے یہ تلمیع کیا کام دے سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید فرقہ، چونکہ وہم پرست مسلمانون کا طرف مقابل ہے اس لیے ضرور تھا کہ وہ اعتدال سے متجاوز ہو جائے، ایک طرف جب یہ افراط ہی کہ کہ ہر قسم کے ناممکن اور محال واقعات، ہرکس وناکس سے سرزد ہو سکتے ہین، اور کرامۃ الاولیاء حق کے دائرہ کی وسعت کی کوئی حد نہین قرار پائی۔ تو اس کے مقابلہ مین یہ تفریط کچھ تعجب انگیز نہین کہ کوئی واقعہ جو بظاہر خلاف ہو ہرگز وقوع مین نہین آسکتا لیکن ہم کو، افراط و تفریط سے الگ ہوکر، خود حقیقت حال پر غور کرنا چاہیے

خرق عادت کے منکرین کا استدلال اور اسپر بحث

خرق عادت کے منکرین، کا تمامتر استدلال یہ ہے کہ خرق عادت قانون فطرت کے خلاف ہی اور جو چیز قانون فطرت کے خلاف ہے وہ ممتنع ہی اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کی کسی شخص کو انکار نہین ہو سکتا لیکن پہلے مقدمہ کے ثابت ہونے کا کیا طریقہ ہی کیا فطرت کے تمام قوانین منضبط ہو چکے ہین ؟ کیا اسپر اطمینان ہو چکا ہے کہ ہم جن امور کو قانون فطرت سمجھ رہے ہین وہ درحقیقت قانون فطرت ہین ؟ علوم جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سیکڑون ایسے قانون فطرت دریافت کیے جو پہلے مطلق معلوم نہ تھے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم ہی، سیکڑون ہزارون برس سے فقرا اور جوگیون کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آتے تھے کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش اور متاثر کر سکتے ہین، موجودہ زمانہ اس بنا پر انکار کر رہا تھا کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے کہ ایک مادہ بغیر اس کے کہ

دوسرا مادہ اس سے ملاقی ہو کسی قسم کا اثر قبول کر سکے لیکن جب مسمریزم کے تجربون نے قوت نفسانی کا اثر ثابت کیا تو تمام پچھلے واقعات تسلیم کرنے پڑے۔ آج ایک مسمریزم کا مشاق علی رؤس الاشہاد دوسرے اشخاص کو محض قوت نظر یا قوت نفس سے بیہوش کر سکتا ہے اس سے جو بات چاہے کہلوا سکتا ہے۔ جو کام چاہے کرا سکتا ہے

قدیم عربی کتابون مین مذکور ہے کہ مصر مین ایک مچھلی ہوتی ہے جس کے چھونے سے جسم پر رعشہ طاری ہونا شروع ہوتا ہے یہان تک کہ اگر آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک نہ دے تو رعشہ کی شدت سے بیہوش ہو کر گر جائے۔ یہ واقعہ ایک مدت تک خلاف عقل قرار دیا گیا لیکن موجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کیا اور معلوم ہوا کہ اس مین الکٹرسٹی ہوتی ہے۔

خود یورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے جاتے ہین کہ جسقدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے ناممکن چیزین ممکن ثابت ہوتی جاتی ہین۔

خرق عادت کے متعلق یورپ کے علما کی راے

فرانس کا مشہور فاضل کیمل فلامریان جو فزیکل سائنس کا استاد مانا جاتا ہے اپنی کتاب اسپرچویلیزم مین لکھتا ہے "انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے یا جس کو وہ نہین جانتا اور سمجھ نہین سکتا اس کے وجود سے انکار کرتا ہے۔ ہیروڈوٹس[1] یا پلینی کی تحریرون مین اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران مین چھاتی تھی اور اس سے وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہم کو بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزا کرتے لیکن

[1] یونان کا مشہور مورخ ہے

پیرس کے علمی کانفرس منعقدہ ۲۵ جون ۱۸۲۷ع مین یہ واقعہ براے العین مشاہدہ کیا گیا ؎

"اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مرگیا اور جب اس کی تشریح کی گئی تو اسکے پیٹ مین ایک بچہ پایا گیا جو اس شخص کا توام تھا اور اس کے جسم مین پرورش پاتا رہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے لیکن چند روز ہوے ہم نے خود اپنی آنکھون سے دیکھا کہ ایک بچہ چھپن برس تک بدن ہی مین پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا ہیروڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگون کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسان نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر نہ تھا خلاف عقل سمجھا جاتا تھا، لیکن آج تمام طبی ڈکشنریون مین تسلیم کیا جاتا ہی کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہین ؎

"اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہین کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہین وہ جاہل اور کودن ہین[۱]"

چونکہ ہمارے ملک مین عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو، استہزا اور انکار کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے، اسلئے ہم چاہتے ہین کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور اور مستند حکما و فضلا کے اقوال اور آرا اس موقع پر نقل کرین،

---

[۱] کامل فلامریان کی کتاب صفحہ ۲۴۶

دنیا مین خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقہ کو انکار رہا ہے جو طبعی اور مادّہ پرست ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی تحقیقات، اجسام اور خواص اجسام پر محدود ہوتی ہین یورپ کا یہی حال ل سے ہے ایک مدت تک یہی حالت رہی، پھر ایک فرقہ پیدا ہوا جسنے روح اور روح کے اثرون کی تحقیقات پر توجہ کی، ان لوگون نے بہت سے تجربون کے بعد یہ دعوی کیا کہ روح جسم سے جداگانہ ایک چیز ہے اور اُسکے قوی اور ادراکات بالکل الگ ہین، روح سیکڑون کوس سے بغیر حواس کی وساطت کے ایک چیز کو دیکھ سکتی اور سُن سکتی ہے، روح واقعات آیندہ کا ادراک کر سکتی ہے، روح کوسون تک اپنا اثر پہونچا سکتی ہے۔ غرض روح کے ذریعہ سے بہت سے ایسے افعال سرزد ہو سکتے ہین جن کو خرق عادت کہا جاتا ہے

اسپریچولزم

اس فرقہ نے اپنے دعوی کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا کہ لوگون کو اسکی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑا ۱۸۶۹ء مین بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات کے لئے منعقد ہوئی اس مجلس کے ارکان یہ تھے

سرجان لبک ممبر پارلیمنٹ   صدر انجمن

پروفیسر ہکسلی جو طبعیات کا سب سے بڑا عالم تھا۔ وکیل

لوئیس۔ فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم۔   "

الفرڈ ویلز۔ جو ڈارون کا ہمعصر اور مسئلہ ارتقا مین برابر کا شریک تھا۔   ممبر

مارگن مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن   "

جان کوکس   "

ان کے سوا اور بہت سے فضلا شریک مجلس تھے، اٹھارہ مہینے تک مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی، اخیر مین مجلس نے جو رپورٹ مرتب کی اُسکے بعض فقرے یہ ہین۔

"مجلس نے اپنی راے کا مدار صرف ان تجربون پر رکھا جو مجلس نے براہ العین مشاہدہ کئے اور جن مین کسی قسم کا شک وشبہ نہین ہوسکتا تھا مجلس مین چار شخص ایسے ممبر تھے جو شروع مین اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے، اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات مین فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کی عصبی نظام کا اثر ہے لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربون کے بعد اُن کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرق عادات حقیقی اور اور واقعی ہین"

اس کے بعد انگلستان اور امریکا مین اس کی تحقیقات کے لئے ایک مجلس قائم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزلوب اور ہوڈسن تھے، یہ مجلس قریباً بارہ برس تک تحقیقات مین مصروف رہی اور بالآخر ۱۸۹۹ء مین اسنے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا، ہیزلوب نے جو رسالے لکھی اسکے بعض فقرے یہ ہین

"مجکو امید ہے کہ مین برس دن کے بعد تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے یہ ثابت کر دونگا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ مین نے خود اپنی آنکھون سے وہ وہ خرق عادات دیکھے جنکی نسبت کسی طرح شعبدہ اور فریب کا احتمال نہین ہوسکتا"

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہین

"دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطلاعین، حاصل ہونے والی ہین مجکو امید ہے کہ

دو ہی ایک برس مین یہ مین دنیا کے لئے، انسانی زندگی کے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کرونگا۔ اگر پروفیسر ہیزلوپ نے یہ دعوی کیا ہے کہ اُسنے مردون کی روحون سے باتین کین تو اُسنے بالکل سچ دعوی کیا ہے "

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اس مسئلہ کے متعلق گفتگو کی تو اُسنے یہ الفاظ کہے "مین نے اور پروفیسر ہیزلوپ نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی ہم دونون دہریہ تھے، اور کسی شئے پر یقین نہین رکھتے تھے تحقیقات سے ہماری غرض یہ تھی کہ مدعیان روحانیت جو شعبدہ بازیان کرتے ہین۔ ان کی پردہ دری کر دی جائے لیکن آج مین اس بات کا قائل ہون کہ مردون سے بات چیت ہوسکتی ہے اور اُس کے متعلق اتنے دلائل ظاہر ہوچکے کہ اب مطلق شبہ کی گنجائش نہین رہی "

پروفیسر کوکس۔ جو امپیریل سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اُسنے مجمع عام مین کہا کہ "مین صرف یہی نہین کہتا کہ یہ ممکن ہے بلکہ مین کہتا ہون کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے " پروفیسر کوکس نے خاص اسپریچولیزم پر ایک کتاب لکھی جو نہایت کثرت سے بار بار چھپ چکی ہے اسمین وہ لکھتا ہے کہ "چونکہ مجکو ان واقعات کا قطعی یقین ہوچکا ہے اس لئے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ مین اُن کے ظاہر کرنے مین اس بنا پر ہچکچاؤن کہ نکتہ چین میری ہنسی اُڑائینگے "

مادیین مین بہت بڑا فاضل ڈاکٹر جارج سکستون ہے، وہ روح وغیرہ کا نہایت مخالف تھا اور ان امور پر سخت حملے کیا کرتا تھا، اس نے صرف اس غرض سے کہ

مدعیانِ روح کی شعبدہ بازیون کا پتہ لگائے، اس طرف توجہ کی اور پندرہ برس تک اس تگ و دو مین رہا، لیکن بالآخر اُسنے یہ الفاظ کہے

"مین نے خاص اپنے گھر مین جہان میرے احباب کے سوا، اور کوئی موجود نہ تھا بغیر کسی درمیانی شخص کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا جن لوگون سے بات چیت ہوئی وہ مرے ہوئے ہمارے عزیز و اقارب تھے"

بارکس نے جو مشہور رجیالوجسٹ فاضل ہے ایک علمی پرچہ مین لکھا کہ "مین نے تمام وہ کتابین جو روح کی رد مین لکھی گئی تھین پڑھین اور ان تمام لوگون سے مناظرے کئے لیکن مین نے یہ مشاہدات خود اپنی آنکھون سے دیکھے اور دس برس تک تجربہ کرتا رہا یہان تک کہ اب مین ان مشاہدات پر، بہ علم و درایت گفتگو کر سکتا ہون

مارگن جو علوم ریاضیہ کا پریسیڈنٹ ہے، اُسنے یہ شہادت دی کہ مین نے خود اپنی آنکھون سے جو دیکھا اور اپنے کانون سے جو سُنا اُسنے مجکو ایسا مطمئن کر دیا ہے کہ شک کا احتمال بھی نہین رہا"

سب سے بڑی شہادت اس باب مین رسل ویلز کی ہے، یہ مشہور فاضل ڈارون کا شریک اور ہمپلہ خیال کیا جاتا ہے، ڈارون کی ایجاد مین یہ برابر کا شریک تھا اس نے خاص اس بحث پر ایک کتاب لکھی جس کا نام عجائبات روح ہے اسمین وہ لکھتا ہے کہ مین محض دہریہ تھا اور اپنے اس مذہب پر بالکل قانع تھا مجکو ذرہ بھر بھی خیال نہ تھا کہ مین روح کا معترف ہوسکون گا، یا اس بات کا قائل ہوسکون گا کہ اس عالم مین مادہ کے

سوا اور بھی کوئی چیز کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے ؎

"لیکن محسوس حیرت خیز مشاہدات نے مجکو مجبور کر دیا کہ مین ان چیزون کو حقیقی اور واقعی تسلیم کرون، اگرچہ ابھی تلک مین یہ تسلیم نہین کرتا تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہین لیکن ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل پر اثر کرنا شروع کیا نہ بطریق استدلال و حجت بلکہ یہ مشاہدات کے پے درپے تواتر کا اثر تھا جس کا نتیجہ تھا کہ روح کے اقرار کے بغیر کوئی مفر نہ تھا"

پروفیسر الیسٹ جو امریکا کی سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اسنے ایک میگزین مین لکھا کہ چند روز پہلے مجکو اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی کہ مجکو ایک ایسا واقعہ لکھنا پڑے گا لیکن اب مین دیکھتا ہون کہ اپنے اعتقاد کو اگر بد دیانتی سے چھپاتا ہون تو مین اپنی عقلی ترقی کو گھٹاتا ہون، یہ تمام سچے مشاہدات دیکھکر اب مین چپ نہین رہ سکتا ورنہ مین اخلاقی بزدلی کا مرتکب ہونگا

جرمن کا مشہور ہیئت دان زولنر بھی اسکی تحقیقات پر متوجہ ہوا، اس کے ساتھ اور چند مشہور فضلا شریک ہوے جنمین سے بعض کے یہ نام ہین

ویبر

فیشنر فزیکل سائنس کا استاد اور یونیوسٹی کا پروفیسر

ونڈٹ نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت سی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلون نے روح کے عجیب وغریب کرتبون کا اعتراف کیا زولنر بہت بڑا عالم تھا۔ اس کے اعتراف پر لوگون کو خیال ہوا کہ شاید اُسنے

دھوکا کھایا چنانچہ چند مشہور پروفیسروں نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اسپر زولنر نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام اوراق علیہ ہے، اسمین اسنے نہایت زور شور سے اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا، اور ان کے صحت پر دلائل قائم کئے

۱۸۹۱ء مین جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اسکے ایک جلسہ مین پروفیسر لودج نے جو بہت بڑا ریاضی دان ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ "اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم مین ابتک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جسطرح اور بہت سی حدین ٹوٹ گئین۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کچھ انتہا نہین، اور یہ کہ جسقدر ہم جانتے ہین وہ بمقابلہ ان چیزون کے جو ہم کو معلوم نہین ہین کچھ بھی نسبت نہین رکھتین"

۲۲۔ جون ۱۸۹۹ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی اس مین پروفیسر دروتاش نے اپنی اسپیچ مین کہا کہ "وہ خرق عادات جو اس وقت سے ہمنے مشاہدہ کئے اور جن کے ذکر سے ان لوگون کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہین اور جنکی مباحث علمیہ پر گفتگو کیا کرتے ہین، اُنھی متواتر مشاہدات کے سلسلہ مین داخل ہین جو ایک مدت سے ہمارے تجربہ مین آرہے ہین اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہوگیا ہے"

۱۸۹۳ء مین بمقام میلان ایک بہت بڑی کمیٹی منعقد ہوئی جسکے ممبر حسب ذیل تھے

الگزنڈر گزاکوف۔

جیوفانی۔ میلان کے رصد خانہ کا سکرٹری۔

کارل دوپرل - جرمن کا مشہور ڈاکٹر

جیوزوب جیروزا - فزیکل سائنس کا پروفیسر

پروفیسر شارل ریشیہ - فرانس کے طبی کالج کا پروفیسر

لمبروزو

ان علما نے ۱۰ اجلاس مین ان امور کی تحقیقات کی، اور بالآخر اپنی ریورٹ مین لکھا کہ جو خوارق عادات ہمنے مشاہدہ کئے ان مین کسی قسم کی شعبدہ بازی یا چالاکی نہین تھی، اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہین کہ مسائل علمیہ مین داخل کئے جائین "

اس قسم کی سیکڑون شہادتین ہین جن کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب طیار ہو گی اسلئے ہم دائرۃ المعارف کے فقرۂ ذیل پر اکتفا کرتے ہین

وَكَثِيْرُوْنَ مِنْ اَهْلِ اَمْرِيْكَا وَاُوْرُبَا الْمُمْتَازِيْنَ بِالْعُلُوْمِ وَالْفَلْسَفَةِ وَالْحِكْمَةِ وَالسِّيَاسَةِ يَعْتَقِدُوْنَ وُجُوْدَ قُوَّةٍ لَمْ يَكْتَشِفْهَا الْعِلْمُ تَقُوْمُ بِتِلْكَ الْاَعْمَالِ اَوْ اَنَّ مَا رَاَوْهُ مِنَ الظَّوَاهِرِ لَا يُنْسَبُ اِلَى الْخِدَاعِ اَوِ الشَّعْوَذَةِ وَقَالُوْا اِنْ لَمْ تَكُنْ حَقِيْقَةً فَهِيَ جَدِيْرَةٌ بِالْبَحْثِ وَالتَّاَمُّلِ	امریکا اور یورپ کے بہت سے علما جو علوم فلسفہ حکمت اور سیاست مین ممتاز ہین اس بات کے معتقد ہین کہ ایک ایسی قوت موجود ہے جس کو علم نے ابتک دریافت نہین کیا تھا - وہ قوت ان اعمال کو انجام دیسکتی ہے - ان لوگون کا اعتقاد ہے کہ جو تجربے ان لوگون نے کئے وہ فریب یا شعبدہ نہین قرار دئے جاسکتے، اور اگر وہ حقیقی نہین ہین تو کم ازکم ان پر غور اور تأمل کرنا ضروری ہے

جو خوارق عادات، ان تجربیات اور مشاہدات سے ثابت ہوئے اگرچہ وہ ہزار و نئے

متجاوز ہین لیکن ان کی بنا پر جو کلیات قائم ہوتے ہین اُن کو کامل فلا مریان نے حسب ذیل شمار کیا ہے۔

(۱)۔ روح جسم سے جداگانہ ایک وجود مستقل رکھتی ہے

(۲) روح مین اس قسم کی خاصیتین ہین جو اب تک علوم موجودہ کی رو سے غیر معلوم تھین

(۳) روح حواس کے وساطت کے بغیر متاثر ہو سکتی ہے یا دوسری چیز پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے۔

(۴) روح آیندہ واقعات سے واقف ہو سکتی ہے

ان شہادتون کو ہم روح کے ثبوت مین پیش نہین کرتے بلکہ ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ انسان مین ایک قوت ہے جسکو خواہ روح کہو خواہ ترکیب جسم کا خاصہ مانو، اُس سے ایسے عجیب وغریب افعال سرزد ہوتے ہین جنکو علوم جدیدہ کے اساتذہ بھی خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور اعتراف کرتے ہین کہ وہ جسم اور مادہ کے دسترس سے باہر ہین اس بنا پر خوارق عادات سے کسی عاقل کو انکار نہین ہو سکتا، البتہ فرق یہ ہے کہ وہم پرست اور خوش اعتقاد لوگ ان چیزون کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ بلا کسی سبب اور واسطہ کے براہ راست خود خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہین، اور خواص کا یہ اعتقاد ہے کہ عالم اسباب مین ہر چیز وابستۂ علت ہے اسلئے ان خرق عادات کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے

اسلام مین جو حکما اور عرفا گذرے ہین مثلاً امام غزالی ۔ ابن رشد ۔ شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ سب نے ان خرق عادات کو اسباب کا معلول مانا ہے اور ان اسباب کی تشریح کی ہے جن سے یہ خرق عادات سرزد ہوتے ہین ۔ امام غزالی نے تمام معجزات کی تین قسمین قرار دی ہین، حسّی ۔ خیالی ۔ عقلی ۔ پہلی قسم تو اشاعرہ کے استمالت کے لئے قائم کی ہے ۔ باقی دو قسمین جو اپنے مذاق کے موافق بیان کی ہین وہ بالکل آج کل کی تحقیقات کے موافق ہین، چنانچہ ہم نے امام غزالی کی سوانح عمری مین جو چھپ کر شایع ہو چکی ہے امام صاحب کی اصلی عبارت نقل کی ہے ۔

خرق عادت کی نسبت بوعلی سینا کی راے

بوعلی سینا کو بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار تھا لیکن جو صوفیہ اُسکے زمانہ مین موجود تھے، ان کے خوارق عادات اس کثرت سے خود اُسکے مشاہدہ مین آئے کہ بالآخر اس کو اقرار کے ساتھ اُنکے اسباب و علل پر غور کرنا پڑا **اشارات** مین خود اُسکے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے ۔ وہ خرق عادات کے بیان مین لکھتا ہے،

ولکنہا تجارب لما ثبتت طلب اسبابہا ثم انی لو اقتصصت جزئیات ہذا الباب فیما شاہدناہ وفیما حکاہ عمن صدقناہ لطال الکلام

لیکن یہ تجربے ہین اور جب وہ ثابت ہوے تو اُنکے اسباب کی جستجو ہوئی اور اگر مین اس قسم کے جزئیات کا شمار کرون جو مینے خود دیکھے یا ان لوگون نے دیکھے جنکو مین ثقہ سمجھتا ہون تو بہت طول ہو جائیگا

بوعلی سینا نے مختلف خرق عادات کے مختلف اسباب بیان کیے ہین، انمین سے اسی نے سب سے بڑا سبب، قوت نفسانی کا اثر قرار دیا ہے ۔ اس کی تفصیل اس کے بیان کے موافق حسب ذیل ہے

"یہ امر بداہۃً ثابت ہے کہ تخیل اور توہم کا اثر جسم پر پڑتا ہے، مثلاً خوشی سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے بعض دفعہ محض وہم سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے انسان کو کسی کی طرف سے دل مین ناگوار خیالات آتے ہین، ان خیالات سے غصہ پیدا ہوتا ہے غصہ سے حرارت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے، یہان تک کہ پسینہ آجاتا ہے، اس سے اسقدر ثابت ہوا کہ مادیین کا یہ دعوی صحیح نہین کہ مادہ پر صرف مادہ ہی اثر ڈال سکتا ہے خیال۔ وہم۔ غیظ۔ غضب۔ مادہ نہین بلکہ ایک کیفیت ہے، باوجود اس کے ان کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔

جس طرح ان کیفیات سے، انسان خود متاثر ہوتا ہے بعض انسانون مین یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ دوسرون پر اثر ڈال سکتے ہین، یہ قوت انسانون مین علی قدر مراتب قوی اور ضعیف ہوتی ہے اور بعض انسانون مین اس قدر قوی ہوتی ہے کہ اس سے نہایت عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہین"

"یہ قوت جس شخص مین فطری اور جبلی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وہ فطرۃً مقدس اور پاکیزہ خو ہوتا ہے اور اس قوت کو اغراض حسنہ مین استعمال کرتا ہے، وہ نبی یا ولی ہوتا ہے اور اگر اس قوت کے ساتھ فطرۃً بدطینت اور شریر ہوتا ہے اور اس قوت کو برے کامون مین صرف کرتا ہے تو وہ جادوگر اور شعبدہ گر ہوتا ہے"

امام غزالی نے معارج القدس مین جہان انبیا کے مختصات لکھے ہین لکھتے ہین
ولا ینکر ان یکون من القوی النفسانیۃ اور کچھ بعید نہین کہ بعض لوگون کے قوائے نفسانی

مَا هُوَ اَقوٰی فِعلاً وَّتَاثِیرًا مِّن اَنفُسِنَا حَتّٰی لَا یَقتَصِرَ فِعلُهَا فِی المَادَّۃِ الَّتِی هِیَ لَهَا وَهُوَ بَدَنُهَا بَل اِذَا شَاءَت اَحدَثَت فِی مَادَّۃِ العَالَمِ مَا یَتَصَوَّرُہُ فِی نَفسِهَا

ایسے ہون جنکی قوت اور تاثیر ہمارے نفوس سے زیادہ ہو۔ یہان تک کہ ان کا اثر اپنے ہی جسم پر محدود نہو بلکہ جس طرح اپنے اجسام پر وہ اثر ڈال سکتے ہین مادہ عالم پر بھی ایسا ہی اثر ڈال سکین

بوعلی سینا نے قوت نفسانی کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے جدید تحقیقات کے بالکل مطابق ہے، اسپریچولیزم والے توصاف اعتراف کرتے ہین کہ روح ایک مستقل جداگانہ چیز ہے اور یہ خوارق عادات اسی کے آثار ہین، جو لوگ روح کے قائل نہین ہین ان کو بھی مشاہدات اور تجربون کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان مین کوئی ایسی قوت ہے جس سے وہ خوارق عادات سرزد ہوتے ہین جو جسم اور مادہ سے سرزد نہین ہو سکتے، چنانچہ اس کے متعلق، یورپ کے بڑے بڑے علماے علوم جدیدہ کی شہادتین اوپر گذر چکین۔

غرض، خرق عادت ایسی چیز نہین کہ محض اس کی بناپر کسی مذہب کو غلط کہدیا جائے البتہ چونکہ خرق عادت، کوئی معمولی چیز نہین، اسلئے یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ جب تک اسکے ثبوت کی قطعی شہادت موجود نہو، ہم اسپر اعتبار نہ کرین۔ قرآن مجید چونکہ قطعی الثبوت ہے اس لئے اسمین جہان خرق عادت کا ذکر ہوگا، واجب التسلیم ہوگا لیکن پہلے یہ امر نہایت غور اور دقت نظر سے طے کرنا پڑے گا کہ فی الواقع قرآن مجید کے الفاظ، اسکے ثبوت مین قطعی الدلالہ ہین یا نہین۔

مفسرین مین جو محقق گذرے ہین مثلاً قفال۔ ابومسلم اصفہانی۔ ابوبکر اصم وغیرہ ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید مین، بہت کم خرق عادات مذکور ہین اور جو واقعی مذکور ہین ان کی صحت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے

اخیر مین یہ جتا دینا بھی ضرور ہے کہ اشاعرہ اور آج کل کے عام مسلمانون نے خرق عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے، اس کے رو سے ہر قسم کے تناقضات اور حقیقی ناممکنات بھی، خرق عادت کے دائرہ مین آجاتے ہین، اور حاشا ہم اُن کے امکان کا دعوی نہین کرتے۔ مدت کے ڈوبنے ہوئے آدمیون کو، دریا مین ایک لکڑی پھینک کر زندہ کر دینا خرق عادت نہین بلکہ محال ہے۔ اور خرق عادت کے جواز سے ہمارا یہ مقصد نہین کہ اس قسم کی دور از کار روایتون کو صحیح تسلیم کیا جائے

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت

بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ

نبوت کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد آنحضرت کا نبی ہونا ایک بدیہی مسئلہ رہجاتا ہے نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا اجزاے ذیل سے مرکب ہے خود کامل ہو، دوسرون کو کامل کرسکتا ہو، اُسکے علوم اور معارف، اکتسابی نہ ہون، بلکہ منجانب اللہ ہون۔ یہ تمام باتین جس کمال کے ساتھ آپ کی ذات مبارک مین موجود تھین کیا ابتداے آفرینش سے آجتک اسکی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟

غور کرو وہ شخص جسنے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو۔ جسنے آنکھ کھول کر اپنے
گرد و پیش۔ بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو جس کے کانون مین ناقوس کے سوا
اور کوئی آواز نہ آئی ہو۔ جسنے الٰہیات۔ اخلاق۔ اصولِ معاشرت، قانون تمدن کے
متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سنا ہو۔ دفعۃً منظر عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفہ
اخلاق تزکیہ روح۔ الٰہیات معاد۔ قانون معاشرت اصول تمدن۔
کے وہ دقائق اور نکات بتائے جو کسی حکیم کسی فلسفی کسی مقنن کسی پیغمبر نے کبھی نہین
بتائے تھے دوسری طرف تمام قوم کی قوم مین جو اُس وقت جہالت و وحشت۔ جور و ظلم
فسق و فجور، سفاکی و خونریزی مین ڈوبی ہوئی تھی پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی وہ روح
پھونک دے کہ دفعۃً ان کی کایا پلٹ ہو جائے بجز محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے؟
غور کرو آنحضرت کی بعثت کے وقت تمام دنیا کی کیا حالت تھی ۔ ہندو اور
مصری سیکڑون خدا یا اوتار مانتے تھے عیسائی **تثلیث** کے قائل تھے **صابئین**
ستارہ پرست تھے **مجوسی** یزدان اور اہرمن دو خدا تسلیم کرتے تھے **یہودی** توحید
کے قائل تھے مگر جس قسم کا خدا مانتے تھے وہ انسان سے کچھ ہی بڑھکر بلکہ بہت سی
باتون مین برابر یا گھٹ کر تھا، اہل عرب یا تو خدا کے سرے سے قائل ہی نہ تھے یا اگر
تھے تو اس قسم کا خدا مانتے تھے جسکے نہایت کثرت سے لڑکیان (یعنی ملائکہ) تھین
بہت سے فرقے ہر دن کا الگ الگ خدا مانتے تھے ۔
یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو خیال اُسکے دل مین آتا ہے وہ اُنھی واقعات کا

روایات، اور خیالات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گرد وپیش پھیلے ہوتے ہین انہی سے وہ ادل بدل کر ایک دوسری صورت بنا لیتا ہے - اب غور کرو کہ اگر اس فطرت کے رو سے آنحضرت کے دل مین خدا کا خیال آتا تو اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس زمانہ کے لوگون کا تھا لیکن آپ نے جس خدا کی تلقین کی وہ ایسا خدا تھا جو واحد محض ہے جس کی ذات اور صفات مین کسی شخص کو کسی قسم کا اشتراک نہین، جو نہ زمین مین ہے نہ آسمان مین نہ اوپر نہ نیچے نہ داہین نہ باہین، نہ زمان مین نہ مکان مین اور پھر ہر جگہ ہے جو ایک ایک ذرہ کو جانتا ہے چیونٹی کے پاون کی آہٹ کو سُن لیتا ہے ہمارے دل کے چھپے ہوے بھیدون کو جانتا ہے - ایسا منزہ - ایسا کامل - ایسا بالاتر خدا انسان خود اپنے خیال سے نہین پیدا کر سکتا تھا، بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کرا سکتا تھا جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے -

عیسائیوں کا دعوی کہ آنحضرت نے توریت اور انجیل کی تعلیم پائی تھی

عیسائیون نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے کہ آنحضرت پڑھے لکھے تھے توراۃ وانجیل سے واقف تھے اور جرجیس نام ایک عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرت کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا کیونکہ اس زمانہ کی توراۃ وانجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو خود انکا خدا تھا، فرانس کا مشہور فاضل کانٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام[1] مین لکھتا ہے -

"اُن روایات کا پتہ لگانا جنسے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیون یہودیون

[1] یہ کتاب فرنچ زبان مین تھی مصر کے ایک مسلم نے عربی زبان مین اسکا ترجمہ کیا اور ۱۸۹۸ء مین چھاپ کر شایع کیا

اور ستارہ پرستون کے عقائد بالمشافہ حاصل کئے تھے، فائدہ سے خالی نہین کیونکہ اسسے
ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہان قرآن اور توریت کی آیتین ہم مضمون ہین لیکن جو
بھی یہ دوم درجہ کی بحث ہے کیونکہ گو یہ فرض کرلیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابون سے
ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہین ہوتی کہ محمدؐ مین یہ مذہبی روح کیون کر پیدا ہوئی اور وحدانیت
کا ایسا مضبوط اعتقاد کیون پیدا ہوا جو اُن کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا[1]"

یہی مصنف آگے چلکر لکھتا ہے "یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد توریت اور انجیل کے
مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، اگر محمدؐ نے ان کتابون کو پڑھا ہوتا تو اُن کو اُٹھا کر پھینکدیا ہوتا
کیون وہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھین۔ اس قسم کے اعتقاد کا
محمدؐ کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے اور وہی اس بات
کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامون تھے "

اب ہم تفصیل کے ساتھ دکھلاتے ہین کہ **عقائد عبادات - اخلاق - معاشرت**
کے متعلق، آنحضرت نے جو اصول اور مسائل، وحی کے ذریعہ سے تلقین فرمائے
وہ اس قدر کامل اور اعلیٰ درجہ کے ہین کہ کسی حکیم، اور متمدن کے خیال مین نہین آتے
اور بغیر وحی الٰہی کے کسی کے خیال مین آہی نہین سکتے تھے۔

عقائد

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی فکر اور اجتہاد سے عقائد قائم کرنے چاہیین یا دوسرونکی

[1] ترجمہ کتاب مذکور بزبان عربی مطبوعہ مصر صفحہ ۹،

تقلید اور پیروی سے اسلام سے پہلے جسقدر مذاہب تھے سب مین، ائمہ دین کے سوا باقی تمام لوگ تقلید پر مجبور تھے، عیسائیون مین پوپ، یہودیون مین احبار، پارسیون مین دستور، ہندؤن مین پنڈتون اور رشیون کے سوا کوئی شخص نہ مذہبی عقیدہ کے متعلق کچھ کہہ سکتا تھا نہ عقائد کے متعلق اپنی رائے قائم کرسکتا تھا،

اسلام نے اس قسم کی تقلید کو شرک قرار دیا اور کہا کہ

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ-آیت ۳۱)	عیسائیون اور یہودیون نے خدا کو چھوڑکر اپنے احبار اور رہبانون کو خدا بنالیا ہے۔

عقائد مین تقلید کرنا شرک ہے

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے بڑے تعجب سے کہا کہ ہم لوگ، احبار اور رہبان کو خدا کہان کہتے ہین!! آنحضرت نے فرمایا کہ تمھارا عقیدہ ہے کہ بطریق (پادری) جس چیز کو حلال کردیتا ہے، حلال ہوجاتی ہے اور جس چیز کو حرام کردیتا ہے حرام ہوجاتی ہے"

اسی مضمون کو ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران-آیت ۶۴)	تو کہدے کہ اے کتاب والو! آؤ ایک بات پر جو ہمارے اور تمھارے دونون کے ہان مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسیکو نہ پوجین اور خدا کے ساتھ کسیکو شریک کرین اور ہم مین سے ایک ایک کو اپنا رب نہ بنائے، خدا کو چھوڑکر

اسلام نے اس قسم کی جو آزادی دی، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ مین گو نہایت اختلاف مراتب تھا، لیکن عقائد مین کوئی شخص کسی کا مقلد نہ تھا، ایک جاہل بدو بھی

عقائد مین بڑے سے بڑے صحابی کی تقلید نہین کرتا تھا بلکہ اپنی سمجھ اور عقل سے کام لیتا تھا اسی کا اثر ہی کہ گو زمانہ مابعد مین جب اسلام کو تنزل ہوا تو تقلید کا رواج شروع ہوا لیکن یہ مسئلہ آج تک مسلم رہا کہ لَا یَجُوْزُ التَّقْلِیْدُ فِی الْعَقَائِدِ یعنی عقائد مین تقلید جائز نہین۔

اسلام کی یہی ہدایت تھی جو ہزار برس کے بعد **لوتھر** کے خیال مین آئی اور جسکی بناپر اُسنے دنیا کو **پوپ** کی غلامی سے ازادی دلائی۔ یورپ مین ہر قسم کی مذہبی آزادی کی بنیاد درحقیقت گویا اسلام کی اسی ہدایت پر قائم ہوئی اور قائم ہے

تفصیلی عقائد

ذات وصفات باری

تفصیلی عقائد

عقائد مین اہم المسائل اور راس المسائل خدا کے وجود اور اُس کی ذات وصفات کا مسئلہ ہے، خوب غور سے دیکھو کہ ایسے بڑے ضروری مسئلہ کے متعلق، تمام اہل مذاہب بلکہ تمام عالم کس قسم کی عجیب وغریب غلطیون مین مبتلا تھا، عیسائی تین خدا مانتے تھے اور تین کو ایک، اور ایک کو تین کہتے تھے، یہ اجتماع النقیضین خود انکی سمجھ مین بھی نہیں آتا تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ عقیدہ کا سمجھ مین آنا ضرور نہین، مصری کئی کرور خدا تسلیم کرتے تھے، پارسیون کی سمجھ مین نہین آتا تھا کہ نیکی وبدی، دونون کا ایک خدا کیونکر ہوسکتا ہے اس بناپر انھون نے نیکی وبدی کے الگ الگ خدا قرار دے رکھے تھے ہندوؤن کے ہان کم سے کم تین خدا تھے برہما۔ بشن۔ مہیش۔ اور اوتار تو سیکڑون بلکہ ہزارون یہود البتہ ایک خدا کے قائل تھے لیکن اس کے اوصاف ایسے قرار دئے تھے

وجود باری کی متعلق تمام مذاہب کی غلطیان

کہ وہ ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا،

یہ تو ان کا حال تھا جو خدا کو کسی نہ کسی صورت مین ملتے تھے، اُس گروہ کی بھی کمی نہ تھی جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے قائل نہ تھے۔ یہ مختلف نامون سے موسوم تھے، زندیق دہریہ۔ مادیین وغیرہ وغیرہ

دنیا اس عالمگیر تاریکی مین پڑی ہوئی تھی کہ دفعۃً اسلام نے آکران تمام غلط خیالات اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا، اُس نے بتایا کہ خدا واحد محض ہے اور زمان ومکان جہت واشارہ، تحت وفوق، ہر قسم کے قیود وخصوصیات سے مبرا ہے یہ وہ تقدیس وتنزیہ تھی جسپر یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی، اورگبن نے کہا کہ "جب زمان ومکان، وجہت، واشارہ، تمام خصوصیتون کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے کیا باقی رہجاتا ہے" بے شبہہ اسلام کو ایسی ہی وسیع الخیالی کی بنیاد قائم کرنی تھی جو جسمانی خصوصیات سے بالکل مبرا ہو،

توحید خالص اور ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال

اسی تقدیس کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال کر دیا کیون کہ اسلام نے خدا کی نسبت جو پاک اور منزہ خیال قائم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور جسمانی پیکر اور صورت کے بغیر دلون مین نہ آسکے۔ ہندو مصری۔ صابی۔ رومن کیتھلک سب خدا کے تصور کے لیے جسمانی تمثل کے محتاج تھے، اور اسیوجہ سے بت پرستی مین مبتلا تھے لیکن اسلام مین باوجودیکہ سیکڑون ہزارون فرقون کے پیدا ہو جانے کے بھی کسی فرقہ کو آجتک بت پرستی کا کبھی خیال نہ آسکا، آج دنیا مین ہندو عیسائی۔ پارسی وغیرہ وغیرہ

جس قدر روشنضمیر اور بلند خیال ہوتے جاتے ہین، توحید خالص کے قریب آتے جاتے ہین، علم وفن اور خیالات کی وسعت جسقدر بڑھتی جاتی ہے، خدا کی نسبت جسمانی قیود کا خیال مٹا جاتا ہے،

خدا کے تسلیم اور اعتراف کے بعد ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ بندہ کو خدا سے براہ راست کیونکر تعلق ہو سکتا ہے؟ اس ضرورت سے تمام فرقون نے درمیانی واسطے قائم کئے تھے اور اوتارون، دیوتاؤن، پیرون، کا سہارا ڈھونڈتے تھے، اسلام نے بتایا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ درمیانی نہین، ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اپنی ہر قسم کی حاجتین اور مرادین پیش کر سکتا ہے، خدا کا دربار سعی سفارش۔ توسط اور شفاعت سے مبرا ہے، وہ ہر شخص کے پاس ہے، ہر شخص کی آواز سنتا ہے، ہر شخص اُس تک پہنچ سکتا ہے

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ | ہم انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ اُسکے قریب ہین

نبوت

توحید کے بعد **نبوت** کا درجہ ہے، اُسکے متعلق تمام دنیا مین ایک عالمگیر غلطی پھیلی ہوئی تھی، ہر فرقہ اور ہر گروہ یہ سمجھتا تھا کہ انبیا انسان کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہین، یہی خیال تھا، جس سے رام کرشن، زردشت اور حضرت عیسی علیہ السلام کو مین خدا، یا کم از کم مظہر خدا بنا دیا تھا، اسلام نے نہایت زور شور، نہایت آزادی نہایت دلیری اور سختی سے صاف بتا دیا کہ **انبیا** بشریت کے دائرہ سے ایک ذرہ باہر نہین ہین

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَیَّ | اے محمد کہہ دو کہ مین تمہین جیسا آدمی ہون مجھپر وحی آتی ہے

إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ وَاحِدٌ	تمہارا خدا۔ واحد ہے
لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلّٰهِ	عیسیٰ کو اس بات سے عار نہین کہ وہ خدا کے غلام ہین۔
قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ	اے محمد! کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہین نہ مین یہ کہتا ہون کہ مین غیب کی باتین جانتا ہون نہ مین یہ کہتا ہون کہ مین فرشتہ ہون۔ مین تو صرف وحی کا پیرو ہون جو مجھپر آتی ہے۔
قُلْ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ	اے محمد! کہدو کہ اگر مین غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ بھلائیان حاصل کر لیتا

دنیا مین جتنے مذہب گذرے ہین سب نے خدائی اور نبوت کے ڈانڈے ملادئے تھے یا کم سے کم قریب کر دئے تھے، صرف اسلام کو یہ عزت حاصل ہی کہ اسنے دونون کی حد بالکل جدا کر دی۔

خوب غور کرو۔ ہم مسلمان، آنحضرت کو تمام انبیا سے بزرگ اور افضل مانتے ہین باوجود اسکے حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ حضرت عیسیٰ کو روح اللہ کہتے ہین اور آنحضرت کو صرف رسول اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہین۔ صرف اسیقدر نہین بلکہ نمازون مین جب شہادتین ادا کرتے ہین تو رسالت کے اقرار سے پہلے عبدہٗ کا لفظ کہتے ہین اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ یعنی "ہم گواہی دیتے ہین کہ محمدؐ خدا کے بندے ہین، اور پھر رسول ہین" یہ کیون؟ اس لیے کہ خدا کی توحید کا کمال یہی ہے کہ اس کے آگے کوئی شخص گو وہ کسی درجہ کا ہو، بندگی کے درجہ سے بڑھنے نہ پائے، چونکہ آنحضرت کو

خالص توحید دونون مین جانشین کرلی تھی، اس لئے ضرور تھا کہ خود آنحضرت کے لئے صرف عبدیت اور رسالت کا سادہ لقب اختیار کیا جائے ؛

سزا و جزا

معاد اور عذاب و ثواب۔ سزا و جزا کے متعلق تمام اہل مذاہب کا یہ خیال تھا اور آج بھی ہی کہ انسان جب خدا کے احکام کی تعمیل نہین کرتا تو خدا اُس سے ناراض ہوتا ہی اور چونکہ دنیا دار العمل ہے اسلیئے یہان تو انسان کو سزا نہین ملتی لیکن جب قیامت مین خدا مسند حکومت پر متمکن ہوگا، تو تمام معاملات اُسکے حضور مین پیش ہونگے اور خدا حسب مراتب، لوگونکو اُنکی نافرمانیون کی سزا دیگا، اسیطرح جن لوگون نے اطاعت اور فرمانبرداری کی ہی انکو صلے اور انعامات ملینگے

یہ خیال عام طبائع کے بالکل مناسب ہی اور عام لوگونکو نیکی کی طرف مائل کرنے اور برائی سے روکنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طرز نہین ہو سکتا،

لیکن یہ عذاب و ثواب کی اصلی حقیقت نہین ہے بلکہ اصل حقیقت کے عام فہم کرنیکا ایک پیرایہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہی کہ جس طرح عالم جسمانیات مین اسباب و علل اثر اور موثر کا سلسلہ ہے مثلاً سنکھیا قاتل ہے گلاب محرک نزلہ ہے، املتاس مسہل ہی اسی طرح یہی سلسلہ روحانیات مین بھی قائم ہے، نیک و بد جسقدر افعال ہین انکا نیک یا بد اثر روح پر مترتب ہوتا ہے، اچھے کامون سے روح کو انبساط ہوتا ہی، بُرے افعال سی انقباض، آلودگی، اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہی اور یہ وہ نتائج ہین جو اس سے جدا نہین ہو سکتے۔ فرض کرو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چرائی، اب اگر وہ شخص جسکی وہ چیز تھی معاف بھی کردے تو چوری کرنے سے اُس شخص کی عزت پر جو داغ آگیا وہ کسی حالت مین زایل نہین ہو سکتا، غرض اچھے

روح مین جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور برُے کامون سے جو شقاوت حاصل ہوتی ہی، اسی کا نام عذاب و ثواب ہے اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے - امام غزالی مضنون بہٖ علی غیر اہلہ مین لکھتے ہین

أَمَّا الْعِقَابُ عَلَى تَرْكِ الْأَمْرِ وَارْتِكَابِ النَّهْيِ فَلَيْسَ الْعِقَابُ مِنَ اللّٰهِ غَضَبًا وَانْتِقَامًا وَمِثَالُ ذٰلِكَ أَنَّ مَنْ غَادَرَ الْوِقَاعَ عَاقَبَهُ اللّٰهُ بِعَدَمِ الْوَلَدِ فَكَذٰلِكَ نِسْبَةُ الطَّاعَاتِ وَالْمَعَاصِي إِلَى الْآخِرَةِ لِأَنَّهُ مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ فَالسُّؤَالُ عَنْ أَنَّهُ لِمَ يُفْضِي الْمَعْصِيَةُ إِلَى الْعِقَابِ كَالسُّؤَالِ عَنْ أَنَّهُ لِمَ يَهْلِكُ الْحَيَوَانُ عَنِ السُّمِّ

امر و نہی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہوگا اسکے یہ معنی نہین کہ خدا کو غصہ آئیگا اور وہ انتقام لیگا بلکہ اسکی مثال یہ ہو کہ جو شخص عورت کے پاس نہ جائیگا اسکے اولاد نہ ہوگی، طاعت و معصیت کیوجہ سے جو قیامت مین ثواب و عذاب ہوگا اسکی بالکل یہی مثال ہی لہٰذا یہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب کیون ہوتا ہے گویا یہ سوال کرنا ہے کہ زہر کھانے سے جاندار کیون مرجاتا ہو -

امام صاحب نے اسی کتاب مین یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ خدا نے جن باتون کا حکم دیا ہے یا جن باتون سے روکا ہے اسکی مثال ایسی ہی جس طرح ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے، اور مضر چیزون سے پرہیز کرنیکا حکم دیتا ہی، مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہین کرتا تو اسکو ضرر ہوتا ہی یہ ضرر صرف اسوجہ سے ہوتا ہی کہ مریض نے بدپرہیزی کی لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہین کہ مریض بیچونکہ حکیم کی نافرمانی کی اسلئے ضرر ہوا حالانکہ ضرر کی اصلی علت بدپرہیزی ہی، فرض کرو کہ طبیب بدپرہیزی سے منع نہ بھی کرتا تاہم بدپرہیزی کرنے سے ضرر ہوتا[1] - اسی طرح خدا گناہون کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا

[1] امام صاحب کی اصل عبارت تہمتہ الغزالی مین نقل کی ہے

تاہم ان گناہون کے ارتکاب سے روح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا،

ملاحدہ اعتراض کیا کرتے ہین کہ خدا کو گناہ پر عذاب دینے سے کیا حاصل؟ سزا یا انتقام وہ شخص لیتا ہے جس کو کسی قسم کا نقصان پہونچا ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو اور خدا اس سے بری ہے، اگر تمام عالم فسق و فجور مین پڑ جائے یا تمام روے زمین پر اعادۂ طوفان ہو جاے تو اس سے خدا کا کیا بگڑتا ہے، اس صورت مین انتقام لینا بے فائدہ ہے،

ملاحدہ یہ بھی کہتے ہین کہ درحقیقت تمام اہل مذاہب نے خدا کا تصور بالکل انسانی حیثیت سے کیا ہے، اور چونکہ وہ دیکھتے ہین کہ دنیا کے بادشاہون کو احکام کی نافرمانی سے سخت طیش اور ملال ہوتا ہے اور وہ مجرم کو نہایت سخت سزائین دیتے ہین - اسلئے اہل مذاہب نے خدا کی نسبت بھی یہی خیال قائم کیا کہ وہ گناہون سے ناراض ہوتا ہے، اور قیامت مین گناہگارونکو دوزخ مین عذاب گوناگون دے گا، لیکن عذاب و ثواب کی جو حقیقت ہمنے بیان کی، اس کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو ملاحدہ کا اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہے،

اسلام نے عذاب و ثواب کے متعلق، عام طور پر اگرچہ بیان کا وہی پیرایہ اختیار کیا جو تمام اہل مذاہب کا تھا اور عام طبائع کے لئے وہی طریقہ ناگزیر بھی تھا، لیکن اس باب مین اسلام کو جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اصل حقیقت بھی صراحۃ اور کنایۃ ظاہر کی، اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر موقع پر اسلام کو تمام اور مذاہب سے ممتاز کرتی ہے تمام دیگر مذاہب مین صرف عوام کی تلقین و ہدایت کا لحاظ ہے، اصل حقیقت سے یا خود، بانیان مذہب بے خبر تھے، یا اگر باخبر تھے تو وہ خواص کی تعلیم و تربیت کو اپنا مقصد

نہین قرار دیتے تھے۔ بخلاف اس کے اسلام تمام دنیا کی ہدایت کے لئے آیا جسمین عالم و جاہل، احمق و دانا، عارف و عامی زاہد و صوفی، ظاہر پرست اور حکیم، سب داخل تھے، عذاب و ثواب، اور معاد کی اصل حقیقت کی طرف قرآن مجید مین جابجا اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہین

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ	ہان اگر تم کو علم الیقین ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے

امام غزالی جواہر القران مین اس آیت کی تفسیر مین لکھتے ہین

اَیْ اِنَّ الْجَحِیْمَ فِیْ بَاطِنِکُمْ	یعنی دوزخ خود تمھارے اندر موجود ہے

ایک اور مقام پر ہے

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۔	کفار تجھ سے کہتے ہین کہ عذاب جلد آجائے، حالانکہ دوزخ نے کافرون کو ہر طرف سے چھا لیا ہے

امام غزالی اس آیت کے متعلق جواہر القرآن مین لکھتے ہین

وَلَمْ یَقُلْ اِنَّهَا سَتُحِیْطُ بَلْ قَالَ هِیَ مُحِیْطَةٌ	خدا نے یہ نہین کہا کہ دوزخ آیندہ محیط ہوجائیگی بلکہ یہ کہا کہ ابھی اسوقت محیط ہے

ایک اور جگہ قرآن مجید مین ہے

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا	ہمنے ظالمون کے لئے ایسی آگ مہیا کر رکھی ہے جس کے پردون نے ظالمون کو گھیر لیا ہے

امام غزالی اسکے متعلق لکھتے ہین

وَلَمْ یَقُلْ یُحِیْطُ بِهِمْ	(خدا نے یہ نہین کہا کہ آیندہ گھیر لیگی (بلکہ یہ کہا کہ اسوقت گھیر لیا ہے)

امام صاحب ان آیتون کی یہ تفسیر لکھکر لکھتے ہین

فَاِنْ لَمْ تَفْهَمِ الْمَعَانِيَ كَذٰلِكَ فَلَيْسَ لَكَ نَصِيْبٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا فِيْ قُشُوْرِهٖ كَمَا لَيْسَ لِلْبَهِيْمَةِ نَصِيْبٌ مِّنَ الْبُرِّ اِلَّا فِيْ قِشْرِهٖ	تو اگر تم مطالب کو اس طرح نہین سمجھتے تو تم کو قران سے صرف اُس کا چھلکا ہاتھ آیا ہے جس طرح بہائم کو گیہون مین سے صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے۔

عبادت

عبادت اس مسئلہ کے متعلق بھی تمام مذاہب کو ہمیشہ غلطیان واقع ہوئی آئین تمام مذاہب نے اس مسئلہ کے متعلق نہ صرف ایک بلکہ متعدد، اور نہ صرف ایک طرح کی بلکہ مختلف قسم کی غلطیان کین

مسئلہ عبادت کے متعلق تمام دیگر مذاہب کی غلطیان

سب سے بڑی یہ غلطی ہے کہ عموماً لوگ سمجھتے آتے ہین کہ **عبادت** خود ایک مقصود بالذات چیز ہے اور اسکا مقصد صرف خدا کی اطاعت کا اظہار ہے اُسکی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کی وفاشعاری اور اطاعت کا امتحان لینا چاہا اور اس بناپر حکم دیا کہ وہ تمام شب ایک پاؤن کھڑا رہے۔ اس سے نہ بادشاہ کا کوئی نفع ہے، نہ نوکر کا کوئی فائدہ۔ بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا امتحان ہے۔ اسی طرح ہم جو نمازین پڑھتے ہین، روزے رکھتے ہین حج کرتے ہین، تو اس سے فقط امتثال امر مقصود ہے، خدا نے حکم دیا۔ ہم بجالائے، جسقدر ہم تکلیفین اٹھاتے ہین اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے۔ مہینون کھانا چھوڑ دینا۔ ایک پاؤن پر رات رات بھر کھڑا رہنا۔ ہاتھ کو ہوا مین معلق رکھکر خشک کر دینا، جاڑون مین برہنہ آسمان کے نیچے سونا چالیس چالیس دن کا چلہ کھینچنا۔ شادی نہ کرنا، تمام عمر جوگی پن اور رہبانیت مین بسر کرنا۔ اس قسم کی جو باتین ہندوؤن، عیسائیون، اور دیگر مذاہب مین پائی جاتی ہین، سب کی بنیاد اسی خیال پر ہے۔

اس خیال سے نے یہان تک ترقی کی کہ جان کی قربانی تک نوبت آئی بہت سے لوگ
خود اپنے آپ کو بل چڑھا دیتے تھے، ان سے گھٹ کر اولاد کی قربانی کرتے تھے،
حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل مین جو خیال یا خیالات آسکتے ہین وہ صرف
وہی ہوتے ہین جو گرد و پیش کی چیزون سے پیدا ہو سکتے ہین۔ انسان کسی ایسی چیز کا
خیال نہین کر سکتا جو اُسکے حواس سے بالاتر ہو، اُسے جو کچھ دیکھایا سنا ہے، اُسی کو بڑھا کر
گھٹا کر، بگاڑ کر، یا ترقی دے کر ظاہر کرتا ہے، لیکن کوئی خیال خود پیدا نہین کر سکتا،
انسان کے دل مین جب خدا کا خیال ایک شاہنشاہ مطلق کی حیثیت سے آیا،
تو ضرور تھا کہ اُسکے صفات بھی اُسی شاہنشاہی رتبہ کی حیثیت سے ذہن مین آئین، انسان
نے شاہون، اور شہنشاہون، کے متعلق جو کچھ دیکھا یا سنا تھا یہی تھا کہ وہ اظہار اطاعت سے
خوش ہوتے ہین، جان نثاری، ادب، عاجزی، خشوع اور تعظیم کو پسند کرتے ہین، اور
جو شخص جسقدر زیادہ اِن خدمات کو بجالاتا ہے وہ انعام سلطانی کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوتا ہی
انھی خیالات کے لحاظ سے انسان کو خدا کی عبادت کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ہر مذہب
مین عبادت کے جس قدر اقسام ہین سب مین انھی اصول کا عنصر پایا جاتا ہے، یہی
بات ہے جس کی بنا پر یورپ کے ملاحدہ کہتے ہین کہ مذہبی خیالات، خود انسان نے
اپنے حالات کے اقتضا سے پیدا کر لئے ہین، یورپ مین حکمائے حال نے
جب فطری مذہب کے اصول و فروع منضبط کئے تو عبادت کی حقیقت پر غور کی
چنانچہ انھون نے اسکے لئے یہ اصول قرار دئے

(۱) انسان کے جس قدر فرائض زندگی ہین مثلاً کسب معاش، پرورش اولاد، محبت وطن، وغیرہ وغیرہ ان سب کو عبادات مین شمار کیا جائے

(۲) عبادات جسمانی مثلاً نماز روزہ وغیرہ مقصود بالذات نہ قرار دیے جائین، بلکہ غرض یہ ہو کہ اُنپر کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہو

(۳) اعتدال کی حد سے تجاوز نہ ہون

(۴) یہ قرار دیا جائے کہ خدا کو عبادت سے کچھ غرض نہین عبادت سے خود ہمارا فائدہ ہے[۱]

یہ وہ اصول ہین جو اس زمانہ ترقی مین یورپ نے دریافت کیے جب کہ فطرت کے رازہا سے سربستہ کا طلسم کھل گیا ہے لیکن قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے یہ اسرار بتا دیے تھے، سب سے پہلے یہ بتایا کہ خدا کو بندون کی عبادت کی کچھ پروا نہین

مَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ

جو شخص محنت اُٹھاتا ہے تو اپنے لیے اُٹھاتا ہے خدا تمام عالم سے بے نیاز ہے

پھر کلی طور سے بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہونچتا ہے، اور خدا نے جو عبادت کا حکم دیا ہے خود انسان کے فوائد کے لحاظ سے دیا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا

جو شخص اچھا عمل کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے تو اپنے برے

مَا يُرِيدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ

خدا یہ نہین چاہتا کہ دین مین تمھارے اوپر کچھ دقت پیدا کرے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تمکو پاک کرے اور تمپر اپنی نعمت کو تمام کرے

---

[۱] پروفیسر ژول سیمان (تطبیق صفحہ ۳۰)

پھر عبادت مین سے ایک ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان کئے

نماز کی نسبت کہا

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے

روزہ کی نسبت فرمایا

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

غالباً تم پرہیزگار ہو جاؤ گے

حج کی نسبت فرمایا

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (حج)

تاکہ اپنے فائدہ کی جگہ آئین

زکوٰۃ کے فوائد محتاج بیان نہین

ان باتون کے ساتھ تمام عبادات مین اس بات کو ملحوظ رکھا کہ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے پائین اور اُنکے ادا مین کسی قسم کی دقت اور دشواری نہ پیش آئے

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔

خدا تم سے آسانی چاہتا ہے نہ دشواری

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ

خدا نہین چاہتا کہ مذہب مین تم پر کسی قسم کی دقت واقع ہو

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ۔

خدا چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

خدا کسی کو اُسکی سکت سے زیادہ تکلیف نہین دیتا

ان سب باتون سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے تمام ضروریات زندگی کو عبادت قرار دیا اور اُنکی ادا اور بجا لانے کی تاکید کی

تجارت کے متعلق فرمایا

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

دنیا مین پھیل جاؤ اور خدا کے عطیہ (رزق) کو ڈھونڈھو۔

اولاد کی خواہش کو صلحا و مقربین کے خصائص مین شمار کیا قرآن مجید مین جہان خواص امت کے اوصاف گنائے ایک وصف یہ بیان کیا

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ | اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہین کہ اے خدا ہماری بیویون کر اور ہماری اولاد سے۔ ہماری آنکھین ٹھنڈی کر

اسی بنا پر تمام صحابہ جو اسلام کی اصلی تصویر تھے زندگی کے ضروریات کو سچائی اور دیانت داری سے انجام دینا عبادت سمجھتے تھے، آج بھی مسلمانون کا خیال ہے کہ صحابہ کا چلنا پھرنا۔ کھانا پینا۔ نکاح کرنا۔ خانہ داری کے کامون کو انجام دینا، سب عبادت تھا لیکن صحابہ کی تخصیص نہین، ہر شخص کے یہ افعال عبادت ہین، بشرطیکہ اسی طرح کئے جائین جسطرح صحابہ کرتے تھے،

حقوق انسانی

حقوق انسانی ۔ انسان کو مختلف طبقات انسان سے جو تعلقات ہین وہ انسان پر مختلف حقوق پیدا کرتے ہین، اور یہی حقوق، علم الاخلاق اور قانون، بلکہ اصول تمدن کی بنیاد ہین۔ دنیا مین جسقدر مذاہب ہین، سب نے کم و بیش ان حقوق سے اُس حد تک بحث کی ہے جہان تک وہ اخلاق کے دائرہ مین آسکتے ہین بعض مذاہب نے زیادہ وسعت حاصل کی اور نکاح و وراثت و وصیت وغیرہ کو بھی اپنے دائرہ مین داخل کر لیا ہے لیکن یہ تعلقات ایسے شتبہ نازک، اور دقیق ہین کہ اُن کے متعین کرنے مین اور پھر اُن سے جو حقوق پیدا ہوتے ہین اُن کے قرار دینے مین اکثر غلطیان واقع ہوتی ہین ان تمام مسائل مین اسلامی شریعت مین جو نکتہ سنجی پائی جاتی ہے، اسکی نظیر بانیان مذہب

اور حکما کسی کے ہان نہین مل سکتی، اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ شارع اسلام نے جو کچھ کہا وہ الہام اور وحی تھا ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جن نکتون تک بڑے بڑے حکما کی بھی رسائی نہ ہوسکی، وہ ریگستان عرب کے ایک امّی کی زبان سے ظاہر ہوتے

حقوق انسانی کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے آپ پر کیا حق حاصل ہے؟ جہانتک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تمام دنیا مین یہ مسئلہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس کا آپ مالک ہے، اسی بنا پر خودکشی کرنا کوئی جرم نہین خیال کیا جاتا تھا یونان کے بڑے بڑے حکما خودکشی کو جائز سمجھتے تھے یہانتک کہ وہان کے بعض نامور حکما نے اپنے تئین آپ ہلاک کر لیا تھا،

خودکشی کا مسئلہ

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس نکتہ کو ظاہر کیا اور اس بنا پر خودکشی کی ممانعت کی

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَکُمْ ۔ | اپنے آپ کو قتل نہ کرو

اسلام نے خودکشی کو مٹا دیا

اس مسئلہ نے اولاد کے حقوق پر بڑا اثر کیا تھا، انسان، اولاد کو درحقیقت اپنا ہی ایک دوسرا وجود خیال کرتا ہے، اسی بنا پر اولاد کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے اور چونکہ انسان اپنے نفس کا آپ مالک ہے اسلیے جس قسم کا اختیار اُس کو اپنی ذات پر ہے اولاد کی نسبت بھی خیال کرتا ہے، اسی بنا پر مختلف شکلون مین قتل اولاد کی بنیاد قائم ہوگئی تھی، ہندوستان اور کالڈیا مین عین تہذیب و تمدن کے زمانہ مین بھی اولاد کو بتون اور دیویون پر نذر چڑھاتے تھے، ہندوستان اور خود عرب مین نہایت کثرت سے دخترکشی جاری تھی، اسپارٹا اور روم مین بدصورت اولاد کو راستہ پر پھینک دیتے تھے، ارسطو اور افلاطون جیسے نکتہ سنج حکیم

تمام دنیا مین قتل اولادکشی کسی صورت مین رائج اور جائز تھا

اس بات کو جائز رکھتے تھے، کہ ضعیف اولاد ضائع کردی جائے، ارسطو کی رائے بھی کہ
لنگڑے لڑکے پرورش کے قابل نہین، اسپارٹا مین جب لڑکا پیدا ہوتا تھا، تو بزرگان قوم
کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، اگر وہ تندرست ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا ورنہ ٹلیجٹس پہاڑ پر
سے اسکو گرا دیتے تھے۔ اور بہت سی قومون مین اس قسم کا رواج پایا جاتا۔ سب سے
پہلے قرآن مجید نے اس جور وظلم کو مٹایا

اسلام نے قتل اولاد کو مٹایا

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ — اپنی اولاد کو قتل نہ کرو

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ — اور اسی طرح اُن کے شریکون نے، اولاد کے قتل کرنیکو اُن کی نظر مین اچھا دکھلایا

عورتون کے حقوق۔ عورت جو نوع انسانی کا لضف حصہ ہے، اُسکے حقوق کی
نسبت دنیا کے مختلف حصون مین سیکڑون ہزارون قانون بنے لیکن عجیب بات یہ ہی
کہ اُس وقت تک اس فرقہ نے اپنے حقوق کی داد نہ پائی جب تک اسلام دنیا پر سایہ افگن نہ ہوا،
دنیا کے مختلف ممالک کو، فطرت نے خاص خاص خصوصیتون مین ممتاز پیدا کیا تہا
ان مین روم کو قانون سے خاص مناسبت تھی جس طرح یونان کا فلسفہ، اٹلی کی مصوری،
ایران کی نفاست پسندی شہرت عام رکھتی تھی۔ اسی طرح روم کا قانون، تمام دنیا
مین، اعلیٰ اور افضل تسلیم کیا جاتا تھا۔ روم کے قانون آج بہی تمام یورپ کے قوانین
کا سنگ بنیاد ہین، اس اعلیٰ ترین قانون مین عورتون کے جو حقوق تھے وہ یہ تھے
عورت شادی کے بعد، شوہر کی زرخرید جایداد ہوجاتی تھی اسکا تمام مال ومتاع خود شوہر کی

عورتوں کے حقوق

ملک ہوجاتا تھا۔ وہ جوکچھ زر و مال پیدا کرتی تھی سب شوہر کا مملوکہ ہوجاتا تھا، وہ کوئی عہدہ نہین پاسکتی تھی، وہ کسی کی ضامن نہین ہوسکتی تھی، وہ ادائے شہادت کے قابل نہ تھی وہ کسی سے کوئی معاہدہ نہین کرسکتی تھی یہانتک کہ مرنے کے وقت کوئی وصیت بھی نہین کرسکتی تھی

رومن سلطنت نے جب عیسائی مذہب قبول کیا تو کچھ کچھ اصلاحین ہوئین لیکن وہ اصلاحین محض وقتی تھین یعنی چند روز کے بعد پھر وہی پُرانے اصول قائم ہوجاتے تھے ۵۸۶ء مین ایک بہت بڑا جلسہ یورپ مین اس مسئلہ کے طے کرنے کے لیے منعقد ہوا کہ عورت کی روح ہے یا نہین۔ جلسہ نے بڑی فیاضی سے کام لیکر اس قدر تسلیم کیا کہ عورت، نوع آدم مین داخل ہے اور اسلیئے ذی روح بھی ہے لیکن اسکے پیدا کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ مرد کی خدمت کرے۔

رومن لاء

انگلستان مین ایک مدت تک اسی قسم کے قوانین جاری رہے یعنی نکاح کے بعد عورت کا وجود شوہر کا وجود ہوتا تھا وہ خود کسی قسم کا معاہدہ نہین کرسکتی تھی۔ اس کی تمام جائداد شوہر کی ملک ہوجاتی تھی، اور وہ اسکو جس طرح چاہتا صرف کرسکتا تھا۔ تیس برس سے کم ہوے کہ ومن ایکٹ بنا جس سے ان قوانین مین اصلاح ہوئی تاہم بہت سی بے اعتدالیان ابتک قائم ہین،

یہودیون کے ہان نکاح درحقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اُس کی قیمت عورت کے باپ کو ملتی تھی۔

لہ برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا۔ لفظ ومن (عورت)

ہندؤن سے نے ہان بعینہ رومن کے سے قواعد تھے یعنی اُس کی جانداد، شوہر کو ملجاتی تھی وہ کسی قسم کی خودمختارانہ معاملہ و معاہدہ کی مجاز نہ تھی، بیوی۔لڑکی۔مان وغیرہ کو میراث کا کوئی حصہ (بجز حق پرورش کے) نہین ملتا تھا،

عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے وہان یہ حالت تھی کہ عورت کو وراثت کا مطلقاً کوئی حصہ نہین پہنچتا تھا۔ باپ مرتا تھا تو اُسکی بیویان، بیٹے کو وراثت مین ملتی تھین اور وہ اُن کو اپنی بیویان بنا لیتا تھا، نکاح کے چار طریقے تھے، جن مین سے تین طریقے حسب ذیل تھے دو شخص اپنی بیویون کو مدت معین کے لئے آپسمین بدل لیتے تھے، چند آدمی ایک عورت کے ساتھ مباشرت کرتے تھے، اور دوسرے تیسرے دن وہ عورت اُن مین سے کسی کے پاس کہلا بھیجتی تھی کہ تم سے مجکو حمل رہ گیا ہے۔ پھر وہ اُس کی اولاد قرار پاتی تھی۔ چند آدمی ایک عورت کے ساتھ ہم صحبت ہوتے تھے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو قیافہ شناس یہ فیصلہ کرتا تھا کہ فلان شخص کا نطفہ ہے چنانچہ وہ اُس کی اولاد قرار پاتا تھا چنانچہ نکاح کی یہ تینون صورتین صحیح بخاری مین حضرت عائشہؓ کی روایت سے مذکور ہین۔

اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے

اب دیکھو، قرآن مجید نے عورتون کے حق مین کیا کیا؟ لیکن اسکے بتانے کے قبل اس امر کا ذکر ناضرور ہے، کہ یورپ کے اکثر مصنفون کا دعوی ہے کہ ”اسلام مین جسقدر احکام او رمسائل ہین وہ سب دوسرے مذاہب کی نقل ہین، شارع اسلام نے اپنی طرف سے خود کوئی نیا مسئلہ اضافہ نہین کیا،“ عورتون کے متعلق عیسائیون یہودیون، ہندؤن کے ہان جو قواعد تھے وہ تم پڑھ چکے، اب خیال کرو، کہ اسلام نے انکی نقل کی ہے یا خود ایسے

فلسفیانہ اصول اور مسائل قائم کیے جن کی طرف کبھی کسی کا خیال بھی نہین پہنچا تھا،

سب سے پہلے قرآن مجید نے یہ بتایا کہ عورت و مرد مین کس قسم کا فطری تعلق ہے، اور یہ کہ عورت، انسانی معاشرت کی جزو اعظم اور مرد کی راحت و تسلی ہے

وَخَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم)	اور تمھارے لیے خود تمھاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم اون کے پاس آرام پاؤ اور تم دونون مین محبت اور پیار پیدا کیا

پھر مختلف پیرایون مین یہ ظاہر کیا کہ مرد، عورت، برابر درجہ کے دو رفیق ہین، دونون ایک دوسرے کے محتاج الیہ ہین، دونون کے تعلقات۔ دونون کی حیثیت۔ دونون کے حقوق برابر درجہ کے ہین

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ)	عورتین تمھارا لباس ہین اور تم اُنکا
لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	عورتون پر مردون کے جو حقوق ہین اُسی قسم کے اُنکے حقوق مردون پر

قرابت کے تعلقات کے جو مدارج ہین، ان مین مرد عورت، ایک درجہ پر ہین مثلاً مان۔ باپ۔ کا ایک درجہ ہے، بہن بھائی کی ایک حیثیت ہے چچا اور پھوپی کا یکسان مرتبہ ہے، قرآن مجید مین باپ مان کا جہان ذکر ہے برابر درجہ کی حیثیت سے ہے

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا	اور مان باپ سے نیکی کرنا۔ اور جو کوئی ان دونون مین کر بڈھا ہو جائے تو نہ جھڑک اُن کو اور نہ ڈانٹ بتا۔ اور اُنسے ادب کی بات کر۔ اور اُن کے آگے پیار سے عاجزی کے کندھے جھکا اور کہہ کہ اے خدا ان پر رحمت کر

كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا | جس طرح دونون نے مجکو بچپن مین پالا

مان کے حقوق کو زور دیکر بیان کیا

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف) | مان نے اسکو پیٹ مین تکلیف کیساتھ رکھا اور تکلیف سے جنا

رومیون اور ہندوون کے اس قانون کے مقابلہ مین کہ عورت، کا مال ومتاع سب شوہر کا ہوجاتا ہے۔ قرآن نے یہ کہا

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ | مرد جو کمائین وہ انکا ہے، اور عورتین جو کمائین وہ انکا

ہندوون مین، اور نیز عرب جاہلیت مین عورت جو میراث سے بالکل محروم رہتی تھی اُسکے مقابلہ مین یہ کہا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ | باپ مان اور رشتہ دارون کی وراثت مین، مردون کا حصہ ہے

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ | اور (اسیطرح) باپ مان اور رشتہ دارونکی وراثت مین عورتونکا حصہ

دخترکشی کے رسم کو ان لفظون سے مٹایا اور اس طرح مٹایا کہ تیرہ سو برس سے آج تک، مسلمانون مین ایک واقعہ بھی وجود مین نہ آیا۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ | اور جب کہ موؤدہ (زندہ دفن کی ہوئی لڑکی) سے قیامت مین سوال ہوگا کس جرم پر وہ قتل کی گئی تھی،

جاہلیت مین دستور تھا، کہ جب کوئی شخص مرجاتا تھا تو اسکے بھائی زبردستی اس کی بیوہ سے نکاح کرلیتے تھے، یا اس کو نکاح سے باز رکھتے تھے، اور جب اُس سے کچھ رقم وصول کرلیتے تھے تب شادی کی اجازت دیتے تھے ان رسمون کو یہ کہکر مٹایا۔

لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۚ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	تم کو یہ جائز نہین کہ زبردستی عورتونکو وراثت مین لے لو۔ اور نہ یہ کہ انکو روکے رکھو تاکہ جو کچھ انکو دے چکا ہو اس مین سے کچھ لے لو

مہر جو لڑکی کے باپ کو ملتا تھا اور جس کے عوض وہ گویا لڑکی کو فروخت کر دیتا تھا اس کے بجائے یہ کہا

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء) | اور دو عورتون کو ان کے مہر خوشی سے

روزانہ معاشرت مین عورتون کے ساتھ جس لطف، محبت، یگانگیت، مساوات کے ساتھ پیش آنا چاہیے اس کو ان جامع الفاظ مین ادا کیا

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ | اور معاشرت کرو عورتون سے بطرز معقول

زن و شوی کے تعلقات مین سب سے اہم اور نازک مسئلہ طلاق کا مسئلہ ہے اس بحث کے نازک اور مشکل ہونے کا یہ اثر تھا کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قومون نے اس کے متعلق مختلف پہلو اختیار کیے لیکن سب کے سب غلط تھے اور آج بھی جب کہ دنیا۔ اس قدر ترقی کر گئی ہے، یہ غلطیان قائم ہین۔ عیسائیون مین اس قدر سختی ہے کہ زنا کے سوا کسی حالت مین طلاق ہو ہی نہین سکتی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کل یورپ مین جو تہذیب و تمدن کا مرکز ہے اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ نہایت سخت ناگوار اور پرفضیحت واقعات پیش آتے رہتے ہین، بلکہ جن زن و شو مین حد درجہ کی سو مزاجی اور نااتفاقی ہے، ناموافقت نے دونون کا عیش تلخ کر دیا ہے، ملنا جلنا بالکل بند ہے، ازدواج کے جو فوائد اور مقاصد ہین وہ بالکل معدوم ہین، سالہا سال اسی کوفت مین بسر ہوتے ہین لیکن اس مصیبت سے چھوٹ کی

صرف یہ تدبیر ہے کہ زنا کا واقعہ ثابت کیا جائے، بڑے بڑے اکابر اور اعیان سلطنت عدالتون مین اپنی بیویون کی زناکاری کا دعویٰ کرتے ہین اور سیکڑون ہزارون آدمیون کے مجمع مین اس شرمناک واقعہ کی شہادت پیش کرتے ہین، مدتون یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس کے متعلق جو کاغذات مرتب ہوتے ہین، وہ ہر قسم کی فضیحتی - رسوائی - بے شرمی - اور بے حیائی کا انبار ہوتے ہین لیکن یہ سب اس لئے گوارا کرنا پڑتا ہے کہ ان بیچارے عیسائیون کے بغیر عورت کے پنجہ سے رہائی نہین ہو سکتی - ہندو قانون بھی اس باب مین عیسائیون ہی کے مشابہ ہے

دوسری طرف یہودی ہین جن کے ہان بات بات پر طلاق جائز بلکہ مستحسن ہے کھانے مین نمک تیز ہو جائے یا اپنی بیوی سے زیادہ خوبصورت عورت ہاتھ آجائے تو بے تکلف طلاق دی جا سکتی ہے اب دیکھو اسلام نے اس نازک اور دقیق مسئلہ کو کیونکر حل کیا

قرآن مجید نے پہلے مختلف پیرایون مین یہ تلقین کی کہ مرد و عورت کا تعلق، نفس پرستی اور رفع شہوت کے لئے نہین ہے بلکہ حسن معاشرت اور پائدار ربط و الفت کیلئے ہے

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ	قید مین رہنے کو نہ مستی نکالنے کو
وَخَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا	اور تمھاری جنس سے تمھارے لئے بیویان پیدا کین تاکہ تم تسکین پاؤ
اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً	اُنسے اور تم دونون مین پیار اور محبت پیدا کی

اب فرض کرو کہ کسی مرد کو عورت ناپسند آئے اور وہ اس سے قطع تعلق کرنا چاہے اس صورت مین اسلام نے تاکید کی کہ مرد کو تحمل و صبر سے کام لینا چاہیے

فَاِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا	تو اگر تم ان کو ناپسند کرو تو یہ ہوسکتا ہے کہ تمکو ایک چیز ناپسند ہو اور
وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء)	خدا اُس مین بہت کچھ بھلائی پیدا کرے

یہی تلقین عورت کو بھی کی

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا	اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے ناراضی یا بیرخی کا ڈر
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء)	ہو تو آپسمین کچھ مضائقہ نہیں کہ دونون صلح کرلین در صلح بھی چیز ہے

پھر عورت کی بدخوئی اور بدمزاجی کے رفع کرنے کی تدبیرین بتائین کیونکہ بدمزاجی کو ہمیشہ برداشت کرتے رہنا حقیقت مین تکلیف مالایطاق ہے

وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ	اور جن عورتون کی نافرمانی کا تمکو خوف ہو تو اُن کو نصیحت کرو
فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ	اور اُنکو چھوڑ دو انکی خوابگاہ مین۔ اور انکو مارو (خفیف طور پر) پھر
فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا	وہ اگر کہا مانین۔ تو انکے خلاف حیلے نہ ڈھونڈھو۔

اسپر بھی اگر اتفاق اور آشتی ممکن نہو تو اس صورت مین قبل اسکے کہ خود مرد اور عورت کوئی فیصلہ کرین، اس بات کا حکم دیا کہ قوم کو اس معاملہ مین مداخلت کرنی چاہئے کیونکہ اس قسم کے معاملات مین، جو تمدن اور معاشرت انسانی سے تعلق رکھتے ہین، ہر شخص مجموعۂ قومی کا ایک جزو ہے اور اس کے افعال اور اعمال کا اثر تمام قوم پر پڑتا ہے اس لئے پبلک اور قوم کو اس مین مداخلت کا حکم دیا اور فرمایا

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا	اور اگر تمکو خوف ہو کہ آپسمین ناراضی ہوجایگی تو ایک پنچ مرد کے
حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا	گھرانے سے۔ اور ایک عورت کے گھرانے سے مقرر کرو

یہ تدبیر بھی اگر کارگر نہ ہوئی اور مرد نے قطعی ارادہ کر لیا کہ طلاق دے گا، تو اس ناگزیر صورت مین اسلام نے **طلاق** کی اجازت دی، لیکن اسکے ساتھ کس قدر مختلف باتون کا لحاظ کیا

سب سے پہلے یہ کہ طلاق کا یہ طریقہ بتایا کہ تین مہینے مین بتدریج طلاق دی جائے یعنی ہر مہینہ مین ایک طلاق، (اصطلاح مین اس فاصلہ کو عدت کہتے ہین) یہ فاصلہ اس غرض سے مقرر کیا کہ شاید اس اثنا مین سوچ سمجھکر مرد اپنی راے سے باز آجائے

اس کے ساتھ پھر فرمایا

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا (بقرۂ رکوع ۲۸)	اور اُن کے خاوندون کو زیادہ حق ہے کہ واپس لے لین، اگر چاہین صلح کرنی

پھر یہ قاعدہ مقرر کیا کہ

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ	پھر اگر مرد نے طلاق دیدی تو اب وہ عورت، اسکیلئے کبھی جائز نہ ہوگی جبتک وہ دوسرا نکاح نکرے (اور شوہر ثانی بھی اسکو طلاق نہ دیدے)

اس قید کے لگانے سے یہ غرض ہے کہ مرد کو یہ خیال پیدا ہو کہ اگر مین نے طلاق دیدی اور آیندہ چل کر میری طبیعت اتفاقاً پھر اُس کی طرف مائل ہوئی تو اب اُس کے ہاتھ آنے کی کوئی صورت نہ رہے گی، بجز اس کے کہ وہ دوسرے کے تصرف مین رہکر آئے اور یہ ظاہر ہے کہ اس عار کو کون گوارا کریگا ع عقیق کندہ نام دگر چہ کار آید

اسکے ساتھ یہ قرار دیا کہ طلاق دینا کوئی خانگی معاملہ نہین، بلکہ اُس کو قوم کے سامنے ظاہر کرنا اور شہادت دلوانا پڑے گا

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

پھر جب وہ پہنچین اپنے عدت کو۔ تو یا رکھ لو انکو معقول طریقہ پر۔ یا چھوڑ دو معقول طریقہ پر۔ اور گواہ مقرر کر لو اپنے معتبر آدمی۔ اور ٹھیک گواہی دو خدا کے لئے

اس سے یہ غرض ہے کہ طلاق جب ایک پبلک معاملہ قرار پائیگا اور اس کے ثبوت کے لئے گواہ اور شاہد مقرر کرنے ہونگے تو غیر متمند آدمی بمشکل سے طلاق پر آمادہ ہوگا

ان تمام باتون کے ساتھ مرد نے طلاق دے ہی دی تو اس صورت مین قواعد ذیل کی پابندی ضروری قرار دی

لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ (سورہ طلاق) أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ۔ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ

عدت کے زمانہ مین عورتون کو اُن کے گھرون سے نہ نکالو انکو رہنے کا مکان دو جہان تم خود رہتے ہو اپنی مقدور کے موافق، اور ان کو نقصان نہ پہنچاو دق کرنے کو۔ اور اگر وہ حاملہ ہون تو بچہ جننے تک انکا نان و نفقہ دو۔ اور اگر وہ دودھ پلائین تمھاری خاطر تو ان کو اجرت دو۔ اور آپس مین نیکی کے ساتھ معاملہ کرو۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ

اور مطلقہ عورتون کو دستور کے موافق کھانا کپڑا دینا حق ہے پرہیزگارون پر

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ طلاق دیکر عورت کو محبوس رکھتے تھے، اور اُس کو نکاح ثانی کرنے نہین دیتے تھے جس سے کبھی تو خواہ مخواہ عورت کو ستانا منظور ہوتا تھا کبھی یہ مقصد ہوتا تھا کہ اس کو دق کر کے مہر معاف کرالین یا کوئی حصہ چھڑوالین، کبھی صرف اس خیال سے

روکتے تھے کہ اپنی بیوی کا دوسرے کے نکاح میں آنا عار خیال کیاجاتا تھا۔ ان باتون کی اس طرح اصلاح کی۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقرہ)

اور ان کو اس غرض سے روک نہ رکھو کہ ان پر ظلم کرو۔ اور جو شخص ایسا کرے گا تو اپنے نفس پر ظلم کرے گا

فَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ (بقرہ)

پھر جب تم عورتون کو طلاق دو اور انکی عدت پوری ہو جائے تو اسبات سے انکو نہ روکو کہ وہ اپنے (آیندہ) شوہرون سے شادی کرلین

اگر مطلقہ عورت کو حمل ہے، تو بچہ جننے کے دو برس بعد تک، مرد کو اسکا کھانا کپڑا دینا پڑیگا

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ)

اور مائین اپنے بچون کو پورے دو برس تک دودھ پلائین۔ جو شخص یہ چاہے کہ پوری مدت تک دودھ پلوائے اور مرد پر انکا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق۔

اکثر یہ ہوتا تھا کہ نکاح کے وقت مہر بہ تعداد کثیر باندھتے تھے لیکن جب طلاق دیتے تھے تو مہر کا دینا گران گذرتا تھا، اس لیے مختلف تدبیرون سے عورت پر زور ڈال کر مہر کو گھٹاتے تھے، اس کے لیے فرمایا۔

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ

اور اگر تم چاہو، ایک بیوی کو چھوڑکر دوسری بیوی کرنی، اور دے چکے ایک کو (یعنی پہلی بیوی کو) خزانہ، تو اب اُسمین سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم لینا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے، اور کیونکر لے سکتے ہو، حالانکہ ایک دوسرے تک پہنچ چکا یعنی

وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُکُمْ اِلٰی بَعْضٍ ۔	زناشوئی کے تعلقات وقوع مین آچکے)

ان تمام احکام کا حاصل یہ ہے کہ مرد نہایت سخت مجبوریون سے اگر عورت کو طلاق دے تو تین مہینے کی مدت مین بہ تدریج ایک ایک طلاق دے، طلاق کے بعد عدت کے زمانہ تک جسکی تعداد تین مہینے ہے، اس کے مصارف کا بار شوہر کے ذمہ ہوگا اس مدت مین عورت کو کافی موقع ملیگا کہ اپنے لیے نیا شوہر ڈھونڈھے، اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل، اور اس کے بعد دو برس تک اور عورت کے مصارف شوہر کے ذمہ ہونگے، اس کے علاوہ مہر جو مقرر ہوا تھا وہ کل کا کل ہاتھ آئے گا اور عورت کو تنگدستی کے ہاتھون تکلیف نہ اُٹھانی پڑیگی

کیا اس سے زیادہ، کوئی حکیم، اور کوئی مقنن، عورتون کے لیے عمدہ قانون بنا سکتا ہے؟ اور کیا اسلام کے سوا، دنیا کے کسی اور مذہب مین، اس رحم اور مراعات کی نظیر ملسکتی ہے؟[1]

وراثت منجملہ ان قوانین کے جن مین، دنیا کی قومین ہمیشہ مختلف الآرا رہی ہین اور آج بھی ہین یہ مسئلہ بھی ہے، عیسائیون مین صرف اولاد اکبر جائداد غیر منقولہ کی وارث ہوتی ہے باقی اولاد کو گذارہ ملتا ہے، اولاد کے سوا باقی رشتہ دار بالکل محروم رہتے ہین۔

ہندؤن مین کل اولاد ذکور وارث ہوتی ہے لیکن اولاد ذکور کے سوا، اور قرابت دارون کو کچھ نہین ملتا۔ لڑکیون کو صرف نان و نفقہ ملتا ہے

عرب مین، عورتون کو مطلق وراثت نہین پہونچتی تھی، بلکہ جہان تک معلوم ہے،

[1] اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ یہ تمام احکام وہ ہین جو قرآن مجید اور احادیث کے رو سے ثابت ہین

اولاد ذکور کے سوا۔ باپ بھائی۔ مان بہن وغیرہ کو وراثت مین سے کچھ حصہ نہین ملتا تھا۔

یورپ آج کل اسقدر تہذیب و تمدن مین ترقی کر گیا ہے لیکن وراثت کا اب تک وہی قاعدہ ہی کہ صرف اولاد اکبر وارث ہوتی ہے

وراثت کس اصول پر مبنی ہے

اب غور کرو کہ تمدن اور اصول فطرت کے لحاظ سے وراثت کے کیا اصول ہونے چاہئیں۔ اس بحث کا مدار دو سوالون پر ہے۔ ایک یہ کہ دولت کا زیادہ افراد مین تقسیم ہونا اور پھیلنا بہتر ہے یا ایک دو فرد مین محدود رہنا۔ دوسرے یہ کہ کسی شخص کے مرجانے پر اسکی جائداد اس کے عزیزون کو کیون ملتی ہے؟

علم تمدن کے اساتذہ نے یہ طے کر دیا ہے کہ دولت کی مقدار جسقدر زیادہ افراد مین تقسیم ہو کر پھیلے اسی قدر زیادہ مفید ہے۔ متمدن اور وحشی ممالک مین یہی چیز میزا و فارق ہے۔ شخصی سلطنتون مین عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ بادشاہ اور اُسکے ارکان و متعلقین دولتمند ہوتے ہین۔ باقی تمام لوگ عموماً نادار اور کم مایہ ہوتے ہین۔ بخلاف اس کے شائستہ ممالک مین بادشاہ سے لیکر افلاس کے طبقہ تک دولت درجہ بدرجہ علی قدر المراتب اترتی آتی ہے۔

اسلام کے قواعد وراثت تمام تر اصول عقلیہ پر مبنی ہین

اس اصول کا لحاظ صرف اسلام کے قواعد وراثت مین پایا جاتا ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق میت کے تمام رشتہ دار و قریب، درجہ بدرجہ وراثت سے متمتع ہوتے ہین۔ مان باپ چچا۔ دادا بھائی بہن پھوپھی۔ خالہ۔ ماموں وغیرہ سب، وراثت مین کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے ہین وراثت کا اصلی اصول میت کا تعلق اور قرابت ہے یعنی جن لوگون کو میت سے

میت سے تعلق تھا، اور جو لوگ میت کے شریک رنج وراحت اور اُس کے اعضا و جوارح تھے، ان کو میت کی جاںداد میں سے حصہ ملنا چاہئے، اس اصول کے موافق یہ نہایت تنگدلی ہے کہ صرف ایک قسم کے رشتہ دار، وراثت کے لیے خاص کر دئے جائیں، بے شبہہ رشتہ دارون کے مراتب متفاوت ہین، اور فرق مراتب کا لحاظ ضرور ہے لیکن یہ صریح ظلم اور ناانصافی ہے کہ بجز ایک قسم کے رشتہ دار کے باقیون کو بالکل محروم کر دیا جائے، اور یورپ کا یہ قانون تو بالکل خلاف عقل ہے کہ صرف اولاد اکبر وارث ہو، اولاد کو جو تعلق میت سے ہے وہ تمام اولاد کو یکسان حاصل ہے، باوجود اس کے صرف اکبر السن ہونے کی وجہ سے ایک کو ترجیح دینا اور باقیون کو بالکل محروم کر دینا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔

اسلام نے نہایت دقیق اور نازک فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے، میت کو جن جن رشتہ دارون سے جس درجہ کا تعلق تھا، نہایت دقت نظر سے اُن کے مراتب متعین کئے اور اُسی نسبت سے، اُن کے مختلف اور کم و بیش حصے مقرر کئے

حقوق عامۂ ناس ۔ اسلام نے عام جماعت انسانی سے نیکو کاری۔ خوش خُلقی۔ فیاضی رحمدلی۔ کے ساتھ پیش آنے کا حکم نہایت اصرار اور تاکید کے ساتھ دیا ہے، لیکن ہم اس موقع پر اُن کا ذکر نہین کرتے کیون کہ اخلاق حسنہ کی عام تعلیم، تمام مذاہب کا اصل اصول ہے اور اس مین کسی خاص مذہب کی خصوصیت نہین، البتہ جو چیز ترجیح اور تفوق کا معیار ہے وہ یہ ہے کہ اور مذاہب نے غیر مذہب والون یا غیر قومون کے ساتھ کس قسم کے

سلوک کی تعلیم کی ہے؟

دنیا مین بڑی بڑی قومین جو تمام دنیا پر چھا گئی تھین، ہندو۔ پارسی۔ عیسائی اور یہودی تھے۔ ہندو مذہب نے ہندوستان کی تمام قومون کو جو آرین نہ تھین شودر کا لقب دیا اور باوجود اتحاد مذہب کے اُن کے لئے وہ قاعدے بنائے جس سے زیادہ محنت اور ذلت وہ قاعدے کسی کے خیال مین نہین آسکتے وہ ہر قسم کی عزت آزادی۔ عہدہ اور اختیارات سے محروم کر دئے گئے انتہا یہ کہ اگر وید مقدس کی آواز اتفاقیہ کسی شودر کے کان مین پڑ جائے تو اُس کے کان مین سیسہ پلا دینا چاہئے کیونکہ اُسکے ناپاک کان اس مقدس آواز کے بھی مستحق نہین ہے

قدیم عیسائیون کے عروج کا پہلی زمانہ، رومن امپائر کا زمانہ ہے۔ یہ سلطنت ایک مدت دراز تک قائم رہی اور اس کو وہ سطوت و شان حاصل ہوئی کہ دنیا کے دور دور دراز حصون مین ان کے نام سے لرزہ پڑ جاتا تھا لیکن یہ عظیم الشان حکومت کیا تھی؟ فرنچ کی انسائیکلوپیڈیا مین اُس کا خاکہ ان لفظون مین کھینچا ہے[1]

رومن کا نظام سلطنت کیا تھا، وہ بیرحمی، اور سفاکی جس نے قانون کا لباس پہن لیا تھا، اُسکے جو فضائل تھے یعنی شجاعت مکر، پیش بینی۔ ترتیب۔ اتحاد باہمی وہ بعینہ چورون اور ڈاکوؤن کے فضائل تھے۔ اس کی وطنیت بالکل وحشیانہ تھی۔ سنے انتہا حب جاہ اجنبی قومون کے ساتھ کینہ پروری، رحمدلی کے احساس کا فنا ہو جانا۔ ان چیزونکے سوا،

---

[1] تطبیق صفحہ ۳۷

وہاں اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ عظمت و شان جس چیز کا نام تھا وہ تیغبازی۔ دُرّہ زنی۔ قیدیان جنگ کو سزا دینا۔ بچون اور بوڑھون سے گاڑی کھچوانا تھا،،

یہودیون نے غیر قومون کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کے اندازہ کرنے کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ خود توراۃ مین مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ دشمنون کے ساٹھ ہزار آدمی جو گرفتار ہوئے تھے، ان مین سے عورتین اور بچے بھی زندہ نہ رہنے پائین اور سب کے سب قتل کر دئے جائین "

اب دیکھو اسلام نے کیا کیا؟

اسلام نے غیر مذہب اور غیر قومون کو کیا حقوق دئے

قوم اور نسل کی تمیز تو سرے سے اُٹھا دی، اسلام کا سرچشمہ عرب تھا لیکن اس نے، پارسی ہندو ترک تاتار حبشی افغانی غرض تمام دنیا کی قومون کو اسلام قبول کرنے کے ساتھ عرب کا ہمسر بنا دیا، یورپ آج اسقدر آزادی کا مدعی ہے لیکن غیر قومون کے ساتھ اس نے جو تفرقہ قائم رکھا ہے، اس کو کسی طرح دور نہین کر سکتا۔ اگر کوئی شخص عیسائی ہو کر یورپ والون کا ہم مذہب ہو جائے تو پیشوایان مذہب اس کو تسلی دیتے ہین کہ روز قیامت مین اُن کا ہم رتبہ ہوگا، لیکن اس دار فانی مین جو حد فاصل قائم تھی وہ قائم رہے گی

برخلاف اس کے اسلام نے یہ کیا کہ غزنویہ۔ دیلمیہ۔ سلاجقہ۔ ترک۔ چراکہ وغیرہ کو جن مین عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا، نوبت، نوبت، شاہنشاہیان بخش دین اور خود عرب کو اُن کا محکوم بنا دیا۔

مخالفین مذہب کی اسلام نے دو قسمین قرار دین،

۱۰ (۱) **ذمی** اور معاہد یعنی وہ لوگ جو اسلام کی حکومت مین رہتے ہین یا جن سے صلح اور دوستی کا معاہدہ ہے

(۲) **حربی** یعنی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہین ہے اور لڑائی اور مخاصمت قائم ہے یا قائم ہو سکتی ہے

ذمیون کو اسلام نے جان۔ مال۔ آزادی۔ عزت اور دیگر تمام حقوق کے لحاظ سے بالکل مسلمانون کا ہمسر بنا دیا لیکن چونکہ ہم نے اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام **حقوق الذمیین**[ل] ہے اس لیے اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہین کرتے۔

حربیون کے ساتھ اسلام نے جس مراعات اور سلوک کا حکم دیا ہے وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوگا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۔	خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین اور اس حد سے آگے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھ جانے والونکو پسند نہین کرتا
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ۔	اگر تم بدلہ لو تو اسی طرح جس طرح تم سے لیا گیا اور اگر صبر کرو تو صبر اچھا ہے۔ صبر کرنیوالون کے لیے
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا	کسی قوم کی دشمنی تمکو اس بات پر آمادہ نکرے کہ تم انصاف نکرو

قرآن مجید مین اس قسم کے بھی اکثر الفاظ آئے ہین کہ "کافرون کو جہان پاؤ قتل کرو" "تمام کافرون سے لڑو" "کافر خدا کے دشمن ہین" ان آیتون سے بظاہر ثابت ہوتا ہے

[ل] یہ رسالہ اور چند رسالونکے ساتھ چھپا ہے جسکا نام رسائل شبلی ہے اور مدرسۃ العلوم علیگڈھ مین مل سکتا ہے

کہ ہر مخالف مذہب سے دشمنی اور عداوت رکھنا مسلمانون کا فرض مذہبی ہے

اسی بنا پر بعض متعصب مسلمانون نے قرار دیا کہ پہلی قسم کی آیتین منسوخ ہوگئین۔ لیکن اس تناقض کو خدا نے خود رفع کر دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

جو لوگ تم سے مذہبی لڑائی نہین لڑے اور تم کو تمھارے گھرون سے نہین نکالا۔ ان کی نسبت خدا تم کو اس بات سے منع نہین کرتا کہ تم اُن کے ساتھ بھلائی کرو، اور ان کے ساتھ انصاف کرو۔ خدا تو تم کو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے۔ جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے اور تم کو تمھارے گھرون سی نکالا۔ اور تمھارے نکالنے پر اعانت کی۔ اور جو لوگ ایسے لوگون سے دوستی کرتے ہین وہ ظالم ہین

ان آیتون سے صاف ظاہر ہے کہ بجز اُس صورت کے کہ مخالفینِ مذہب، مسلمانون سے مذہبی لڑائی لڑین اور اُن کو اُن کے ملک سے نکال دین یا نکال دینے پر اعانت کرین، اور کسی صورت مین، اُن سے دوستی رکھنا یا اُن کے ساتھ بھلائی کرنا ممنوع نہین۔ عیسائی اور بعض اور مذہبون مین بظاہر اس سے زیادہ فیاضانہ احکام نظر آتے ہین مثلاً انجیل مین ہے کہ "اگر تمھارے ایک گال پر کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی پھیر دو کہ یہ بھی حاضر ہے"

لیکن یہ اُس قسم کی باتین ہین جو بظاہر نہایت خوشنما ہین لیکن واقع مین فضول ہین کیونکہ

فطرت انسانی کے خلاف ہین اور اس وجہ سے عملی صورت مین کبھی ان کا ظہور نہین ہو سکتا اسلام کو جو تمام مذاہب پر ترجیح ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ افراط و تفریط دونون سے الگ ہے اور اس کے جسقدر احکام ہین۔ تمام فطرت انسانی کے موافق ہین

بقیہ عقائد

بقیہ عقائد

اسلام کی اصلی بنیاد جن اصول پر قائم ہے، وہ صرف توحید اور نبوت ہے، مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ یہ اسلام بالکل سادہ، صاف، اور مختصر ہے اور یہی سادگی ہے، جس کی بنا پر اسلام کو اور تمام مذاہب پر ترجیح ہے، اسی سادگی پر یورپ کا ایک محقق ان الفاظ مین حسرت ظاہر کرتا ہے، اگر "کوئی حکیم عیسائی مذہب کے طول طویل اور پیچیدہ عقائد مذہبی پر نظر ڈالے گا تو بول اُٹھیگا کہ آہ! میرا مذہب ایسا سادہ اور صاف کیون نہ ہوا کہ مین ایمان لاتا ایک خدا پر اور اس کے رسول محمد پر" یہی دو لفظ تھے جنکے زبان پر لانے سے اور یقین کرنے سے دفعۃً کافر، مسلمان، گمراہ، ہدایت یافتہ، شقی سعید، اور مردود مقبول بنجاتا تھا، لیکن زمانہ کے امتداد اور طبائع کے اختلاف نے اس متن پر سیکڑون حاشیے بڑھا دیے، اور اب اسلام ایک ایسے مجموعہ مسائل کا نام ہو گیا ہے جس کو قرون اولی کے لوگ سمجھانے سے بھی نہ سمجھتے اور عرب جن پر قرآن اترا تھا وہ تو آج بھی نہین سمجھ سکتے، طرّہ یہ کہ یہی نو زائیدہ مسائل، کفر اور اسلام کا معیار قرار پاگئے، قرآن مجید مخلوق ہے یا قدیم؟ صفات الٰہی عین ذات ہین یا غیر؟ اعمال جزو ایمان ہین

یا خارج ہو قرون اوّل میں ان مسائل کا پتہ بھی نہ تھا لیکن زمانہ مابعد میں انھی کو کفر و اسلام کی حدِ فاصل قرار دیا گیا۔ تاریخ علم کلام میں تم پڑھ چکے ہو گے کہ ان مسائل کی بنا پر کیا کیا قیامتیں برپا ہوئیں، بہرحال اب یہ مسائل، علم کلام کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ جدید علم کلام میں نفیاً یا اثباتاً ان کے ذکر سے چارہ نہیں۔

ان مسائل پر دو حیثیتوں سے بحث کرنی چاہیے۔

مسائل عقائد کی نوعیت

(۱) ان مسائل کی نوعیت

(۲) علم کلام کو واقعی ان سے کس حد تک تعلق ہے

پہلی بحث یہ بحث علم کلام کی تاریخ میں ہم مفصلاً لکھ چکے ہیں یہاں صرف اسقدر بتا دینا ہے کہ یہ مسائل دو قسم کے ہیں بعض ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید یا حدیث میں سرے سے نہیں ہے لیکن چونکہ متکلمین کے نزدیک وہ توحید اور نبوت کے عوارض ذاتی ہیں اسلیے ان سے بحث کرنی ضرور ہے کیونکہ ان کے بغیر توحید اور نبوت کی تکمیل نہیں ہو سکتی مثلاً قرآن مجید کا حادث یا قدیم ہونا یہ مسئلہ اگرچہ بتصریح قرآن و حدیث میں مذکور نہیں لیکن جو عقائد قرآن مجید میں مذکور ہیں، انکے لوازم میں سے ہے کیونکہ قرآن، کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی خدا کی صفات میں سے ہے اور جو چیز کسی چیز کی صفت ہوتی ہے وہ اسکے ساتھ قائم ہوتی ہے، اب اگر قرآن مجید حادث ہو، تو ذات باری بھی حادث ہو گی کیونکہ جو چیز حوادث کا محل ہوتی ہے خود بھی حادث ہوتی ہے، اور یہ بات خود ثابت ہو چکا ہے کہ ذات باری قدیم ہے اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں،

بعض مسائل ایسے ہین جو قرآن مجید مین مذکور ہین لیکن چونکہ ان کی کیفیت مذکور نہین اسلیے ہر فرقہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق کیفیت کی تعیین کی، اس تعیین سے بالذات اور بواسطہ بہت سے مسائل پیدا ہوگئے مثلاً معاد کی کیفیات، قرآن مجید مین نہایت کثرت سے معاد کا ذکر ہے لیکن کیفیت کی تصریح نہین، اشاعرہ نے اس کی کیفیت یہ قرار دی کہ بعینہ وہی جسم دوبارہ پیدا کیا جاے گا جو دنیا مین موجود تھا، حکماے اسلام کے نزدیک معاد کو جسم سے تعلق نہین، عذاب و ثواب جو کچھ ہوگا روح پر ہوگا اور روح کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت نہین کیونکہ روح جوہر بسیط ہے اور وہ پیدا ہوکر فنا نہین ہوتی

دوسری بحث پہلی قسم کے مسائل یعنی جنکا ذکر قرآن مجید یا احادیث صحیحہ مین سرے سے نہین ہے وہ درحقیقت علم کلام مین داخل نہین[1] لیکن چونکہ آج چھ سات سو برس سے وہ گویا اسلام کے اجزا بن گئے ہین اسلیے انکا ذکر ضرور ہے چنانچہ وہ حسب ذیل ہین۔

سائل عقائد جو قرآن مین مذکور نہین

اشاعرہ	دیگر فرق
(۱) خدا کسی جہت مین نہین	حنابلہ اور اکثر محدثین اسکے مخالف ہین۔
(۲) خدا کے جسم نہین ہے	کرامیہ مسئلہ کے مخالف ہین ابن تیمیہ بھی جسم کا قائل ہے
(۳) خدا جوہر یا عرض نہین	ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک جوہر ہے
(۴) خدا کسی زمانہ مین نہین ہے یعنی زمانی چیز نہین	

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۹ مین یہ تقسیم کی ہے اور اس پہلی قسم کی نسبت لکھتے ہین کہ کسی شخص کا اہل سنت و جماعت سے ہونا ان مسائل کی بنا پر نہین ہے۔

(۵) خدا کسی غیر کے ساتھ متحد نہین ہوسکتا

وحدۃ وجود والون کے نزدیک ہر چیز خدا ہے۔

(۶) خدا کی ذات مین کوئی حادث چیز قائم نہین ہوسکتی

کرامیہ اسکے مخالف ہین۔

(۷) خدا کی صفات عین ذات نہین

حکماے اسلام اور اکثر معتزلہ کے نزدیک عین ذات ہین

(۸) خدا قادر بالذات ہے یعنی فعل اور ترک فعل کا مختار ہے

بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک موجب بالذات ہے یعنی جسطرح آفتاب سے روشنی صادر ہوتی ہے اسی طرح خدا سے افعال صادر ہوتے ہین۔

(۹) خدا تمام ممکنات کا فاعل بالذات ہے۔

بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک خدا واحد بالذات ہے اور جو چیز واحد بالذات ہے اس سے بالذات صرف ایک ہی چیز صادر ہوسکتی ہے چنانچہ خدا نے صرف عقل اول کو پیدا کیا اور پھر عقل اول سے واسطہ در واسطہ تمام مخلوقات پیدا ہوئی۔

(۱۰) خدا کا ارادہ قدیم ہے

معتزلہ کے نزدیک حادث ہے

(۱۱) خدا کا کلام قدیم ہے اور وہ کلام نفسی ہے

حنبلیون کے نزدیک خدا کا کلام گو قدیم ہے لیکن کلام نفسی نہین بلکہ حرف اور صوت کا نام ہے۔ معتزلہ کے نزدیک کلام الٰہی حادث ہے اور حرف وصوت کا نام ہے۔

(۱۲) انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین۔ وہ خدا کے اختیار سے سرزد ہوتے ہین، انسان کی قدرت اور اختیار کو کچھ دخل نہین۔	معتزلہ کے نزدیک، انسان کا ارادہ اور قدرت خود اُسکے افعال کی علت ہو البتہ یہ ارادہ اور قدرت خدا نے اس مین پیدا کی ہو۔
(۱۳) خدا کے افعال معلل بالاغراض نہین	معتزلہ کے نزدیک، خدا کے ہر فعل کی غرض وغایت ہے۔

(۱۴) بقا ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے،

(۱۵) سمع وبصر جو خدا کے اوصاف ہین تمام محسوسات سے متعلق ہو سکتے ہین۔

(۱۶) کلام باری مین ترتیب نہین بلکہ وہ واحد محض ہے۔

(۱۷) خدا کا کلام نفسی مسموع ہو سکتا ہے۔

ان عقائد کے سوا اور بھی بہت سے عقائد ہین لیکن مہمات مسائل یہی ہین اس لئے ہم نے انھی پر اکتفا کی،

دوسری قسم کے عقائد وہ ہین جن کا ذکر قرآن مجید مین ہے،

یہ عقائد زیادہ اُن چیزون سے متعلق ہین جو روحانیات یا عالم غیب مین داخل ہین، مثلاً وجود ملائکہ، حشر ونشر، بہشت ودوزخ، صراط، میزان وغیرہ، چونکہ انکا ذکر خود قرآن مجید مین تھا اسلئے اجمالاً تمام اسلامی فرقون نے ان کو مانا لیکن ان کی حقیقت اور ماہیت کے تعین کرنے مین اختلاف ہوا بعض فرقون نے الفاظ کے بالکل ظاہری معنی لئے بعض نے مجاز اور استعارہ کو دخل دیا، بعض نے خاص خاص الفاظ مین کچھ تاویل نہین کی بلکہ یہ کہا کہ روحانیات

سے بچانے کا یہ ایک طریقہ ہے یہ اختلاف اگرچہ خود مقتضائے فطرت تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ خود قرآن مجید مین اس کا اشارہ موجود تھا ۔

قرآن مجید مین ایک آیت ہے،

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۖ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۔ (آل عمران رکوع ۱)	قرآن مجید کی بعض آیتین صاف ہین اور وہی ام الکتاب ہین اور بعض مبہم ہین۔ تو جن لوگون کے دلون مین کجی ہے وہ مبہم آیتون کے پیچھے پڑے رہتے ہین تاکہ فساد پیدا کرین اور تا کہ اُن کی تاویل کرین، حالانکہ اُن کی تاویل بجز خدا کے کوئی نہین جانتا یا وہ لوگ جو علم مین پکے ہین، وہ کہتے ہین ہم اس پر ایمان لائے ۔

اختلاف اس طرح پیدا ہوا کہ ایک فریق نے وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کو الگ جملہ قرار دیا جسکے رو سے یہ معنی ہوئے کہ جو آیتین مبہم ہین اُن کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہین جانتا ۔ باقی جو لوگ راسخ فی العلم ہین وہ صرف یہ کہکر رہ جاتے ہین کہ ہم اس پر ایمان لائے دوسرے فریق کے نزدیک وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ الگ جملہ نہین ہے بلکہ پہلے جملہ پر عطف ہے، اس تقدیر پر معنی یہ ہوے کہ مبہم آیتون کی تاویل بجز خدا کے اور بجز اُن لوگون کے جو علم مین پکے ہین اور کوئی نہین جانتا ۔ پہلے معنی کے قائل ،حضرت عائشہ۔ حسن بصری ۔ مالک ابن انس ۔ کسائی ۔ فرا، اور جبائی وغیرہ ہین ۔ دوسرے معنی کے

[1] تفسیر کبیر۔ آیۃ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

قائل مجاہد، ربیع بن انس اور اکثر متکلمین ہین۔ عبداللہ بن عباس سے دونون روایتین ہین
اس اختلاف سے ایک اور اختلاف پیدا ہوا یعنی یہ کہ کون سی آیتین محکم ہین اور کون سی مبہم
اس بنا پر عقائد مبحوث فیہا مین متعدد اختلافات پیدا ہوئے

(۱) یہ عقائد جن آیتون مین مذکور ہین وہ مبہم ہین یا نہین؟

(۲) مبہم ہین تو اُن کی تاویل کرنی چاہیے یا نہین؟

(۳) تاویل کرنی چاہیے تو کیون کر؟

چونکہ آئندہ ہر جگہ تاویل کی بحث آئے گی اس لیے سب سے پہلے ہم کو تاویل کا فیصلہ کرنا چاہیے
یعنی یہ کہ تاویل کی کیا حقیقت ہے؟ تاویل مطلقاً ناجائز ہے یا کہین جائز ہے اور کہین
ناجائز؟ اگر بعض موقع پر جائز ہے تو جواز کا کیا قاعدہ ہے؟ تاویل کو کفر و اسلام کا معیار
کہان تک قرار دیا جا سکتا ہے؟

تاویل کی حقیقت

تاویل کے معنی اصل لغت مین مرجع و مصیر کے ہین اور اصطلاح مین تعبیر اور تفسیر
کو کہتے ہین قرآن مجید مین یہ لفظ اکثر انھی معنون مین استعمال ہوا ہے سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ
مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا لیکن علمی یا تفسیری اصطلاح مین تاویل کے یہ معنی ہین کہ کسی لفظ
کے ظاہری اور لغوی معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی لیے جائین۔

اسلام مین جس قدر فرقے ہین حشویہ کے سوا باقی سب نے تاویل کو جائز رکھا ہے
امام احمد بن حنبل کے نسبت اگرچہ روایت ہے کہ وہ بالکل مخالف تھے تاہم تین موقع پر
وہ بھی تاویل کو جائز رکھتے تھے۔ غرض اصل تاویل کے جواز مین (بجز حشویہ کے)

اور کسی کو کلام نہین، گفتگو جو کچھ ہے وہ تاویل کے موقع اور محل مین ہے یعنی کہان جائز ہے اور کہان نہین۔ اسلامی فرقون مین ظاہر پرستی اور دقیقہ سنجی کے لحاظ سے جو فرق مراتب تھا اسی نسبت سے تاویل کا دائرہ بھی محدود اور وسیع ہوا۔ سب سے پہلا درجہ ارباب ظاہر کا ہے، ان کے نزدیک کہین تاویل جائز نہین۔ مثلاً قرآن مجید مین ہے کہ ہم نے آسمان و زمین سے کہا کہ "بہ خوشی یا باکراہ حاضر ہو" دونون نے کہا ہم بطیعانہ حاضر ہین،، یا مثلاً قرآن مین ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہین تو کہتے ہین کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے،، ارباب ظاہر کے نزدیک ان آیتون مین وہی لغوی معنی مراد ہین یعنی یہ کہ فی الواقع زمین و آسمان نے یہ الفاظ کہے تھے اور فی الواقع خدا ہر چیز کے پیدا ہونے کے وقت کُن کا لفظ کہا کرتا ہے، امام ابوالحسن اشعری کا مذہب اسی کے قریب ہے، قرآن مجید مین ہے کہ خدا کے دونون ہاتھ کھلے ہوئے ہین، امام موصوف نے کتاب الابانۃ مین تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کے اصلی معنی مراد ہین، کوئی مجاز یا استعارہ نہین ہے،

ارباب ظاہر کے بعد عام اشاعرہ۔ پھر ماتریدیہ۔ پھر معتزلہ۔ پھر حکماے اسلام ہین اس بحث مین سب سے اہم امر تاویل کے اصول کا انضباط ہے یعنی کن موقعون پر تاویل جائز ہے اور کن موقعون پر نہین۔ امام غزالی نے احیاء العلوم مین اور فصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ مین اسپر نہایت خوبی سے بحث کی ہے، اس لئے ہم اسکا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہین،

احیاء العلوم جزو اوّل کتاب قواعد العقائد فصل ثانی مین ہے،

تاویل کے متعلق امام غزالی کی رائے

اگر تم یہ کہو کہ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن جن مین سے

بعض نہایت واضح ہین اور ابتدا ئاً ذہن مین آجاتے ہین بعض خفی ہین جو مجاہدہ ریاضت کد و کاوش
اور فکر صحیح سے حاصل ہوتی ہین اور وہ بھی اُس وقت کہ دنیا کی تمام چیزون سے فارغ الذہن ہو کر اُنکی
پر توجہ کیجاے، حالانکہ یہ بات بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہی کیونکہ شریعت مین ظاہر و
باطن دو الگ چیزین نہین ہین بلکہ شریعت کا جو ظاہر ہی وہی باطن ہی جو مخفی ہی وہی آشکار ہی،
تو تم کو یہ جاننا چاہیے کہ ان علوم کا خفی و جلی ہونا ایسی بات ہی جس سے کوئی صاحب فہم انکار نہین
کرسکتا۔ صرف وہ لوگ اسکا انکار کرتے ہین جنھون نے بچپن کے زمانہ مین کچھ سُن لیا اور اسی پر جم
گئے اُنھون نے بلندی کیطرف اور علما و اولیا کے مقامات کیطرف ترقی نہین کی، اور یہ خود شریعت سے
دلائل سے ثابت ہی آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن کے معنی ایک ظاہر ہین اور ایک باطن ایک
حد ہے اور ایک مطلع۔ (یہ حدیث صحیح نہین مترجم) حضرت علی نے اپنے سینہ کیطرف اشارہ کرکے فرمایا کہ
اس مین بڑے بڑے علوم ہین کاش انکا کوئی حامل ملتا، آنحضرت نے فرمایا ہی کہ ہم پیغمبر لوگ ہین،
ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم لوگون سے انکی عقل کے موافق بات کرین،، (یہ حدیث بھی مرفوع نہین بلکہ
حضرت علی کا قول ہی، آنحضرت نے فرمایا ہی کہ اگر کوئی بات کسی قوم کے سامنے بیان کیجائے اور وہ
اُنکی عقل سے باہر ہو تو اُن کے حق مین فتنہ ہوگی خدا نے کہا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ آنحضرت نے کہا ہے کہ بعض علوم پوشیدہ ہین جن کو صرف
عارفان الٰہی جانتے ہین، الخ اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو کچھ مین جانتا ہون، اگر تم بھی جانتے
تو ہنستے کم اور روتے زیادہ "
اب بتاؤ اگر یہ راز کی باتین نہ تھین جن کے ظاہر کرنے سے آپ کو اس بنا پر منع کیا گیا تھا کہ لوگ

اُن کو نہین سمجھ سکتے تھے یا اور کوئی مصلحت تھی تو آنحضرت نے انکو ظاہر کیون نہین فرمایا؟ اور یہ
ظاہر ہو کہ اگر آنحضرت بیان کرتے تو لوگ بہر حال تصدیق کرتے ابن عباس نے اس آیت کے
متعلق اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کہا ہو کہ اگر اس آیت کی تفسیر مین بیان
کرون تو تم لوگ مجکو پتھر مار وگے اور دوسری روایت مین ہو کہ تم کہو گے کہ عبد اللہ بن عباس
کافر ہے" اور ابوہریرہ کا قول ہو کہ مین نے آنحضرت سے دو قسم کی باتین یاد کین، ایک کو شایع
کیا، اور دوسرے کو اگر شایع کرون تو میری یہ گردن کاٹ ڈالی جائیگی، اور آنحضرت نے فرمایا کہ ابوبکر
کو جو فضیلت تم لوگون پر ہو وہ زیادہ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے نہین ہو بلکہ اس راز کیوجہ سے ہو جو اُسکے
سینہ مین امانت ہے" اور یہ ظاہر ہو کہ یہ راز مذہبی ہی اصول سے متعلق تھا اور جو چیز مذہبی اصول
مین داخل تھی وہ ظاہری طور پر اور دون سے بھی مخفی نہین ہو سکتی تھی "سہل تستری کا قول ہو کہ علما کی
پاس تین قسم کے علوم ہوتے ہین (۱) علم ظاہر جسکو وہ اہل ظاہر کے سامنے پیش کرتے ہین (۲)
علم باطن جو صرف ان لوگون پر ظاہر کیا جاتا ہو جو اُسکے اہل ہوتے ہین، (۳) وہ علم جس کا تعلق
صرف خدا سے ہوتا ہو اور کسی کے سامنے ظاہر نہین کیا جاتا،" بعض عرفا کا قول ہو کہ ربوبیت
(خدائی) کا بھید ظاہر کرنا کفر ہو، بعضون کا قول ہو کہ "ربوبیت ایک ایسا راز ہو کہ اگر ظاہر کر دیا
جائے تو نبوت بیکار ہو جائے، اور نبوت ایک ایسا راز ہو کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو علم بیکار ہو جائے
اور علما کو خدا کے ساتھ ایسا راز ہو کہ اگر ظاہر کر دیا جائے تو تمام احکام باطل ہو جائین" اس قائل کا
غالبًا مطلب یہ ہو کہ **نبوت** کو تاہ بینون کے نزدیک باطل ہو جائے گی ورنہ اگر یہ مطلب
نہ ہو تو یہ قول غلط ہے بلکہ سچ یہ ہو کہ ان دونون مین تناقض نہین کیونکہ کامل وہی ہے

جسکا نور معرفت، نور تقوی کو پہچان دے اور تقوی کا مرکز نبوت ہی۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آیات اور روایات مین تاویل ہوسکتی ہے، ورنہ ظاہر وباطن مین کیون کر خلاف ہوسکتا ہی کیونکہ باطن اگر ظاہر کا مخالف ہی تو شریعت باطل ہوجائیگی اور یہ وہی بات ٹھہریگی کہ حقیقت خلاف شریعت ہی اور یہ کفر ہی کیونکہ شریعت ظاہر کا نام ہی اور حقیقت باطن کا اور اگر شریعت وحقیقت دونون ایک ہی ہین تو پھر دو قسمین کیسی؟ اس صورت مین شریعت مین کوئی قابل اخفا راز نہ ہوگا اور ظاہر وپنہان ایک ہوگا۔

تو تم کو جاننا چاہیے کہ یہ سوال ایک بڑی مہم کی سلسلہ جنبانی کرتا ہی اور علم مکاشفہ کیطرف منجر ہوتا ہے اور علم المعاملہ کی غرض وغایت سے دور جا پڑتا ہے حالانکہ ان تصنیفات کا مقصد صرف علم المعاملہ ہے۔ کیونکہ جو عقائد اوپر مذکور ہوے وہ اعتقادات قلبی مین داخل ہین اور ہم نے انپر تقلیداً یقین کیا ہی، نہ کہ کشف حقیقت کے طور پر، کیونکہ تمام لوگ کشف حقیقت پر مجبور نہین کئے گئے ہین، اور اگر یہ اعتقاد اعمال مین داخل نہ ہوتے تو ہم اس کتاب مین انکا ذکر بھی نہ کرتے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ دل کی ظاہری حالت سے متعلق ہین نہ باطنی تو ہم اس کتاب کے حصہ اول مین اس کا ذکر نہ کرتے باقی حقیقی انکشاف ہونا تو یہ قلب کی باطن ہی متعلق ہی، تاہم چونکہ گفتگو کا موقع ایسا آپڑا ہی کہ ظاہر وباطن مین تناقض کا خیال پیدا ہوتا ہی اس لئے مختصر طور پر اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہی۔

وہ اسرار جنکا فاش کرنا منع ہے انکی بابت مختصر ہین

جو شخص یہ کہتا ہی کہ شریعت وحقیقت یا ظاہر وباطن باہم مخالف ہین وہ اسلام کے بجاے کفر سے زیادہ قریب ہی اصل یہ ہی کہ جو اسرار مقربین سے مخصوص ہین، اور جنکو اور لوگ نہین جانتے اور جنکا

فاش کرنا منع ہی انکی پانچ قسمین ہین،

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ وہ بات فی نفسہ دقیق ہے اور اکثر طبیعتین اسکے سمجھنے سے عاجز ہین تو وہ خواہ مخواہ مقربین کے ساتھ مخصوص ہوگی اور ان کا فرض ہوگا کہ اس کو نا اہلون پر ظاہر نہ کرین ورنہ اُن کے حق مین وہ موجب فساد ہوگی۔ کیونکہ اُن کے فہم کی وہان تک رسائی نہین ہوسکتی، اسی بنا پر جب لوگون نے آنحضرت سے روح کی حقیقت پوچھی تو آنحضرت نے اعراض کیا، کیونکہ روح کی حقیقت، عام لوگون کی فہم مین نہین آسکتی، اور وہم اس کی حقیقت کے دریافت سے عاجز ہی، یہ نہ سمجھو کہ آنحضرت کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کی حقیقت نہین جانتا وہ اپنی حقیقت نہین جانتا اور جو شخص اپنی حقیقت نہین جان سکتا وہ خدا کو کیا پہچان سکتا ہی، بعض علما اور اولیا کو روح کی حقیقت معلوم ہوتی ہی لیکن وہ لوگ آداب شریعت کا لحاظ رکھتے ہین اور اسوجہ سے جس موقع پر انبیا نے سکوت کیا ہی وہ بھی سکوت کرتے ہین۔ روح پر کیا موقوف ہے، خدا کی صفات مین وہ باریکیان ہین جنکو عوام نہین سمجھ سکتے چنانچہ آنحضرت نے خدا کے صرف ظاہری صفات مثلاً علم، قدرت وغیرہ بیان کین، ان کو بھی لوگون نے اس وجہ سے سمجھا کہ وہ خود بھی علم اور قدرت رکھتے تھے اسلئے خدا کی قدرت اور علم کو اُسپر قیاس کرسکے، ورنہ اگر خدا کے وہ اوصاف بیان کیے جاتین جن کے مشابہ کوئی صفت انسان مین موجود نہین ہے تو انسان اسکا تصور نہین کرسکتا، بلکہ جماع کی لذت کو اگر کسی بچہ یا نامرد کو سمجھانا چاہو تو وہ نہین سمجھ سکتا بجز اسکے کہ یہ کہا جائے کہ کھانے مین جو لذت ہی، اسکے مشابہ ہی، لیکن یہ سمجھنا درحقیقت سمجھنا نہین ہے خدا کے علم و قدرت، اور انسان کے علم و قدرت مین جو فرق ہے وہ اس سے کہین زیادہ ہی جسقدر کھانے کی

لذت اور جماع کی لذت مین ہے۔

مختصر یہ کہ انسان صرف اپنی ذات اور صفات (موجودہ یا گذشتہ) کا تصور کرتا ہے پھر اپنے آپ پر قیاس کرکے دوسرون کی ذات وصفات کا بھی تصور کرتا ہے اور یہ بھی اندازہ کرسکتا ہی کہ دونون مین شرف وکمال کے لحاظ سے فرق ہے۔ اس بنا پر انسان جو کچھ کرسکتا ہو اس سے زیادہ نہین کرسکتا کہ خود اسمین جو اوصاف پائے جاتے ہین شلاً فعل۔ قدرت علم۔ وغیرہ انھی کو خدا مین بھی ثابت کرے، صرف یہ فرق ہوگا کہ خدا کی صفات کو اپنی صفات کی نہایت یا انتہا قرار دیگا۔ تو انسان درحقیقت اپنے ہی صفات کا اثبات کرتا ہے نہ اُن صفات کا جو خدا کے مخصوص صفات ہین اسی بنا پر آنحضرت نے فرمایا ہو کہ "اے خدا! مین تیری توصیف اس طرح نہین کرسکتا جس طرح تو نے خود کی ہو"۔ اس حدیث کے یہ معنی نہین کہ آنحضرت کو خدا کی صفات معلوم تھے اور اُن کو ادا نہین کرسکتے تھے بلکہ آپکو اعتراف تھا کہ مین خدا کی صفات کی حقیقت سمجھنے سے معذور ہون" بعض بزرگون نے کہا کہ خدا کی حقیقت خدا ہی سمجھ سکتا ہی، اور حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے کہ وہ خدا تعریف کا مستحق ہے جس نے اپنے پہچاننے کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ اسکے نہ پہچان سکنے کا اقرار کیا جائے"

یہان پہنچکر ہم کو قلم کی زبان روک لینی چاہیے اور اپنے مقصد کی طرف واپس آنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ان پانچ قسمون مین سے ایک وہ مسائل ہین جو فہم کے دائرہ سے باہر ہین، انھی مین روح کا مسئلہ بھی ہی، خدا کے بعض صفات بھی اس مین داخل ہین، حدیث ذیل مین بھی اسی طرف اشارہ ہی، "خدا کے ستر پردے ہین، جو نور کے ہین اور اگر وہ کھل جائین تو دیکھنے والے

جل کر رہ جائیں،

(۲) دوسری قسم کے اسرار جن کو انبیا اور صدیقین ظاہر نہیں کرتے وہ وہ ہیں کہ بجاے خود قابل فہم ہیں لیکن انکا ذکر اکثرون کے حق میں مضر ہے، گو انبیا اور صدیقین کے حق میں مضر نہیں، مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ جسکا ظاہر کرنا اہل علم کو ناجائز ہے، اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ بعض حقایق کا ذکر بعض لوگون کے حق میں مضر ہو۔ مثلاً آفتاب کی روشنی چمگادڑ کے حق میں، اور گلاب کی خوشبو گبریلے کے حق میں مضر ہے، مثلاً یہ عقیدہ کہ کفر، زنا، معاصی اور برائیان سب خدا کے حکم اور ارادہ اور مشیت سے ہین فی نفسہ سچ ہے لیکن یہی بات اکثرون کے حق میں مضر ہے، کیونکہ یہ امر ان کے نزدیک سفاہت کی دلیل ہے، اور حکمت کے خلاف ہے اور گویا برائی اور ظلم کو جائز رکھنا ہے، چنانچہ ابن الراوندی اور بعض اور نالائق اسی بنا پر ملحد ہو گئے قضا و قدر کے مسئلہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ ظاہر کر دیا جائے تو اکثر لوگون کو خدا کے عجز کا گمان ہوگا، کیونکہ اس شبہہ کا جو اصلی جواب ہے وہ عام لوگون کے سمجھ میں نہیں آسکتا،

اسکی مثال ایک شخص یون دے سکتا ہے کہ اگر یہ بتا دیا جاتا کہ قیامت کے آنے میں ہزار برس یا کم و بیش کی دیر ہے تو ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا تھا لیکن اگر تعیین کر دی جاتی تو خلاف مصلحت ہوتا اور اسمین خلق کو ضرر پہونچتا۔ کیونکہ اگر قیامت کے آنے میں زیادہ دیر ہے تو لوگ اس خیال سے کہ ابھی بہت دن ہین قیامت کی چندان پروا نہ کرتے۔ اور اگر قیامت کا زمانہ قریب ہے اور وہ متعین کر دیا جاتا تو لوگون پر اس قدر خوف طاری ہو جاتا کہ کام کاج چھوڑ دیتے اور دنیا برباد ہو جاتی۔ یہ مثال اگر صحیح ہو تو اسی دوسری قسم کی مثال ہوگی۔

(۳) تیسرے قسم کے وہ امور ہین کہ اگر صاف طور پر کہدے جائین تو سمجھ مین آجائین اور
اس مین کچھ ضرر بھی نہین لیکن ان کو استعارہ اور رمز کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا
جاتا ہے کہ سننے والے کے دل مین اس کا اثر قوی ہوتا ہے اور مصلحت اسی کی مقتضی ہے کہ دیر
زیادہ قوی اثر ہو مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے فلان کو دیکھا کہ وہ سورون کی گردن مین موتیون
کا ہار پہناتا تھا، اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ نااہلون کو تعلیم دے رہا تھا تو سننے والا ظاہری معنی
سمجھے گا لیکن محقق شخص جب غور کرے گا۔ اور اس کو معلوم ہو گا کہ وہان نہ سور تھا نہ موتی تو
اصل غرض کی طرف اس کا خیال منتقل ہو گا چنانچہ شاعر نے کہا ہے،

مُتَقَابِلَانِ عَلَى السِّمَاكِ الْأَعْزَلِ	رَجُلَانِ خَيَّاطٌ وَآخَرُ حَائِكٌ
وَيَخِيطُ صَاحِبُهُ ثِيَابَ الْمُقْبِلِ	لَا زَالَ يَنْسِجُ ذَاكَ خِرْقَةَ مُدْبِرٍ

ان شعرون مین شاعر نے آسمانی اقبال وادبار کو دو کاریگرون سے تعبیر کیا ہے، اس قسم کی
تعبیر مین معنی مقصود کو ایسی صورت کے ذریعہ سے بیان کیا جاتا ہے جو معنی یا اس کی مثال
پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسی قسم مین آنحضرت کا یہ قول داخل ہے، کہ مسجد تھوک سے اس طرح سمٹ
ہو کر سمٹ جاتی ہے جس طرح چمڑا آگ پر رکھنے سے، حالانکہ بظاہر مسجد مین انقباض نہین
پیدا ہوتا لیکن مقصود یہ ہے کہ مسجد قابل تعظیم چیز ہے اور اس مین تھوکنا اس کی تحقیر ہے، اسلئے
یہ فعل مسجد کی شان کے اسقدر مخالف ہے کہ گویا چمڑے کو آگ مین ڈال دینا ہے اسی طرح
آنحضرت کا یہ قول کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہے وہ اس بات سے نہین ڈرتا
کہ خدا اسکے سر کو گدھے کا سر بنا دے، اگرچہ ظاہری صورت کے لحاظ سے ایسا کبھی واقع نہین ہوا

اور نہ کبھی ہوگا لیکن اصل مقصد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے کیونکہ گدھے کے سر میں صورت وشکل کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہیں اس کی جو کچھ خصوصیت ہے وہ حماقت اور غباوت کے لحاظ سے ہے اور جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے حماقت کے لحاظ سے اسکا سر گویا گدھے کا سر ہے کیونکہ یہ انتہا سے حماقت ہے کہ ایک شخص کسی کے پیچھے چلتا ہو اور پھر اس سے آگے نکل جائے، یہ امر کہ اس موقع پر ظاہری معنی مقصود نہیں، دو طرح پر ثابت ہوتا ہے، یا دلیل عقلی سے یا دلیل شرعی سے، **دلیل عقلی** یہ کہ ظاہری معنی لینے ممکن نہ ہوں مثلاً آنحضرت کا قول کہ مسلمانوں کا دل خدا کی دو انگلیوں میں ہے، حالانکہ اگر مسلمانوں کے دل کو دیکھا جائے تو اسمیں کہیں انگلیاں نظر نہ آئینگی، اس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں سے یہاں قدرت مراد ہے کیونکہ انگلی کی اصلی حقیقت قدرت اور طاقت ہے اور قدرت کی تعبیر انگلی سے اس لیے کیگئی کہ کمال اقتدار کی تعبیر کا یہ نہایت موثر طریقہ ہے اور اسی طرح کمال اقتدار کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے) یہاں ظاہری معنی کسی طرح نہیں لیے جاسکتے کیونکہ جو چیز معدوم ہے وہ قابل خطاب نہیں تعمیل کا کیا ذکر، اور اگر پیدا ہونے کے بعد یہ خطاب ہے تو تحصیل حاصل ہے، لیکن چونکہ کمال اقتدار کے ظاہر کرنے کا یہ عمدہ پیرایہ ہے اسلیے اس طریقہ سے اسکو ادا کیا گیا **دلیل شرعی** کے یہ معنی کہ ظاہری معنی کا مراد لینا ممکن ہو لیکن روایت سے ثابت ہو گیا ہو، کہ وہ معنی مراد نہیں جیسا کہ اس آیت میں۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌ بِقَدَرِهَا الخ پانی سے قرآن اور وادیوں سے دل مراد ہیں جنمیں سے

بعض مین بہت سا خس وخاشاک ہے بعض مین کم۔ اور بعض مین بالکل نہین، اور جھاگ سے کفر و نفاق مراد ہے کیونکہ گو وہ نمایان ہے اور پانی پر تیرتا رہتا ہے لیکن ناپائدار ہے اور ہدایت جو لوگون کو نفع رسان ہے قائم اور دیرپا ہے۔

اس تیسری قسم کو لوگون نے زیادہ وسعت دی ہے یہان تک کہ قیامت مین ترازو پُل صراط وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر ہے ان کو بھی اسی پر محمول کیا ہے لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ کوئی حدیث اس کے موافق منقول نہین اور اسکے ظاہری معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ نہین اسلیے ظاہری ہی معنی لینے چاہیئین[1]۔

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو پہلے اجمالاً جانے پھر تحقیق اور ذوق سے اسکی حقیقت اس طرح سمجھے کہ ایک حالت طاری ہو جائے، ان دونون علمون مین ایسا فرق ہے جیسا چھلکے اور مغز مین یا ظاہر وباطن، مین اس کی یہ مثال ہے کہ جس طرح کسی شخص کو کوئی چیز تاریکی مین، یا بہت دور سے نظر آئے، اس صورت مین اس کو ایک قسم کا علم حاصل ہوگا لیکن جب روشنی مین یا قریب سے دیکھیگا تو دونون صورتون مین تفاوت معلوم ہوگا، دوسری حالت پہلی حالت کی مناقض نہ ہوگی بلکہ اس کی تکمیل ہوگی۔ علم تصدیق اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے انسان، عشق، بیماری، یا موت کا یقین رکھتا ہے لیکن جب خود اسکو یہ موقع پیش آتے ہین تو وہ یقین پہلے یقین سے کہین زیادہ کامل ہوتا ہے، بلکہ انسان کو شہوت اور عشق اور تمام دیگر جذبات کے متعلق مختلف حالتین ہوتی ہین۔ وہ یقین جو وقوع کے قبل ہوتا ہے، جو وقوع کے بعد ہوتا ہے

[1] امام صاحب اخیر مین خود ہی اشاعرہ کی بولی بول گئے اور احیاء العلوم جیسی کتاب مین اس قسم کا پردہ رکھنا ضرور تھا لیکن امام صاحب نے دوسری تصنیفات مین اس راز کو فاش کر دیا ہے۔

جو ختم ہو جانے کے بعد ہوتی ہے، آپس مین مختلف ہین مثلاً بھوک جب زائل ہو جاتی ہے تو اُسکے بعد
کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے جو عین بھوک کی حالت مین تھی، اسی طرح علوم دین کی
حالت ہے کہ وجدان کے مرتبہ کو پہونچکر کامل ہوتے ہین، کمال سے جو پہلی حالت تھی وہ گویا ظاہر
ہے اور کمال کی حالت گویا باطن ہے۔ ایک بیمار کے ذہن مین صحت کا جو مفہوم ہے وہ اس سے
کہین مختلف ہے جو ایک صحیح کے ذہن مین ہے۔

ان چارون اقسام مین لوگون کی حالت متفاوت ہے حالانکہ ان سب حالتون مین
باطن، ظاہر کی مناقض نہین بلکہ اس کا متمم ہے جس طرح مغز چھلکے کا متمم ہے

(۵) یہ وہ صورت ہے کہ زبان حال کو زبان مقال سے تعبیر کیا جاتا ہے، کوتاہ فہم ظاہر پر اٹکتا
ہے اور اس کو حقیقی نطق سمجھتا ہے، لیکن حقیقت شناس اصلی راز کو سمجھتا ہے یہ ایک ضرب المثل ہے کہ
دیوار نے کھونٹی سے کہا کہ تو مجکو کیون چھیدتی ہے کھونٹی نے کہا کہ اس سے پوچھو جو مجکو ٹھوک رہا ہے
کیونکہ مین خود مختار نہین ہون یہان۔ زبان حال کو زبان قال سے ادا کیا۔ اسیطرح قرآن کی یہ آیت

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ	پھر خدا آسمان کیطرف بڑھا جبکہ وہ دھوان تھا اور اس سے
لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا	اور زمین سے خطاب کر کے کہا کہ تم دونون بخوشی یا بہ
قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ	اکراہ حاضر ہو دونون نے کہا ہم بخوشی آتے ہین

احمق آدمی اس کے یہ معنی قرار دیتا ہے کہ آسمان اور زمین بھی عقل و فہم رکھتے ہین اور یہ الفاظ
حرف اور صورت کے ذریعہ سے خدا نے اُن سے کہے۔ زمین اور آسمان نے انکو سمجھا اور جواب
دیا کہ ہم حاضر ہین۔ لیکن نکتہ شناس جانتا ہے کہ یہ زبان حال ہے جس سے مراد یہ ہے کہ زمین اور آسمان خدا کے

ارادہ کے وابستہ ہین، اسی طرح خدا کا یہ قول ہے

وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ — ایک چیز بھی ایسی نہین جو خدا کے حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔

کودن آدمی اس آیت سے یہ سمجھتا ہے کہ جمادات مین حیات عقل اور گویائی ہے اور وہ حقیقۃً سبحان اللہ کا لفظ ادا کرتے ہین لیکن نکتہ دان جانتا ہے کہ زبان قال مراد نہین بلکہ یہ مراد ہے کہ خود جمادات کا وجود خدا کی تسبیح - خدا کی تقدیس اور خدا کی وحدانیت کی شہادت ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ — تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

محاورہ مین کہتے ہین کہ یہ عمدہ صنعتگری - کاریگر کی حسن صنعت اور کمال فن کی شہادت ہے اس سے یہ مراد نہین ہوتی کہ وہ صنعت گری زبان سے بولتی ہے بلکہ اس کی حالت سے یہ معنی پیدا ہوتے ہین، اسی طرح جو چیز ہے وہ کسی موجد کی محتاج ہے جو اسکو پیدا کرتا ہے اور اسکو اور اسکے اوصاف کو قائم رکھتا ہے اور اس کی حالتون کو بدلتا رہتا ہے، یہ محتاج ہونا خود موجد کی تقدیس کی شہادت ہے لیکن اس شہادت کو صرف اہل نظر سمجھتے ہین نہ ارباب ظاہر جن کی سمجھ صرف ظاہر پر محدود ہے اسلئے خدا نے کہا

وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ — لیکن تم لوگ ان کی تسبیح نہین [illegible]

کوتاہ نظر تو مطلقاً نہین سمجھ سکتے علماے راسخین اور مقربین سمجھتے ہین لیکن وہ بھی کنہ اور ماہیت نہین سمجھتے کیونکہ اشیا جو خدا کی تقدیس کی شہادت دیتی ہین ان کی شہادت مختلف قسم کی ہے اور ہر شخص اپنی عقل وبصیرت کے درجہ کے لحاظ ان کو سمجھتا ہے، ان شہادتون کے اقسام گنانا علم معاملہ کی حد سے باہر ہے۔

غرض یہ وہ مرحلہ ہے جس مین ارباب ظاہر اور ارباب باطن مین تفاوت اور فرق ہے اور یہین سے معلوم ہوتا ہے کہ باطن اور ظاہر مین فرق ہے،

اس مقام مین لوگون نے افراط و تفریط کی ہے بعض اس قدر بڑھ جاتے ہین کہ سرے سے ظاہر کو اڑا دیتے ہین یہان تک کہ جس قدر ظواہر اور براہین ہین کل با قریبا کل کو بدل دیتے ہین مثلاً خدا کے ان ارشادات کو

وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ	اور ہم سے انکے ہاتھ باتین کرینگے اور انکے پاؤن شہادت دینگے اور وہ لوگ اپنے بدن کی کھال سے کہینگے کہ تم نے ہماری خلاف کیون گواہی دی کھالین کہینگی کہ ہم کو اس خدا نے گویا کر دیا جس نے تمام چیزونکو گویا کر دیا،

اسی طرح منکر و نکیر کے سوال و جواب۔ میزان۔ پل صراط حساب و کتاب۔ دوزخیون اور بہشتیون کے مناظرے، دوزخیون کا یہ کہنا کہ ہم کو تھوڑا سا پانی یا جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے دو۔ ان تمام باتون کو یہ لوگ زبان حال قرار دیتے ہین۔

دوسرے گروہ نے اس قدر مبالغہ کیا کہ سرے سے سد باب کر دیا۔ امام احمد بن حنبل انھی لوگون مین ہین، وہ کن فیکون کی تاویل سے بھی منع کرتے ہین اور یہ لوگ سمجھتے ہین کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کُن کا لفظ بولا کرتا ہے، یہانتک کہ مینے امام احمد بن حنبل کے بعض مقلدین سے سنا کہ امام موصوف نے بجز تین حدیثون کے تاویل کو بالکل ناجائز قرار دیا وہ تین موقع یہ ہین ”حجر اسود دنیا مین خدا کا دایان ہاتھ ہے“ ”مسلمان کا دل خدا کی دو انگلیون مین ہے“

مجلوین سے خدا کی بو آتی ہی،، امام احمد بن حنبل کی نسبت یہ گمان نہین ہو سکتا کہ وہ استوا علی العرش
اور نزول کے معنی استقرار اور انتقال کے سمجھتے ہون گے۔ البتہ انھون نے تاویل کو بلحاظ مصلحت
بندی اور نفع عام کے سرے سے روکا ہو گا۔ کیون کہ جب ایک دفعہ دروازہ کھل جاتا ہی تو بات
قابو سے باہر ہو جاتی ہی اور اعتدال قائم نہین رہتا، کیونکہ جب اعتدال سی آگے قدم بڑھا تو اُسکی
کوئی حد نہین قرار پا سکتی اس بنا پر اس قسم کی روک ٹوک مین کچھ مضائقہ نہین سلف کے طریقہ
سے بھی اسکی تائید ہوتی ہی وہ لوگ ان موقعون کی نسبت کہتے تھے کہ جسطرح روایت مین ہی اسیطرح رہنے دو
امام مالک سی کسی نے استوا علی العرش کے متعلق پوچھا تو انھون نے کہا استوا معلوم ہی
لیکن اس کی کیفیت مجہول، اور اسپر ایمان لانا واجب اور سوال کرنا بدعت ہی،
بعض لوگون نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا تو یہ کیا کہ خدا کے صفات کے متعلق جو نصوص
ہین اُن کی تاویل کی اور قیامت کے متعلق جو کچھ آیا ہی اُن کو بحال خود رہنے دیا اور اُن مین
تاویل کرنے سے ممانعت کی۔ یہ لوگ اشعریہ ہین معتزلہ نے ان پر ترقی کی، یعنی صفات الٰہی میز
سے مرئی ہوتے اور سمیع و بصیر ہونے کی تاویل کی معراج کو غیر جسمانی قرار دیا عذاب قبر میزان۔
پل صراط وغیرہ کی بھی تاویل کی تاہم اسبات کا اعتراف کیا کہ معاد جسمانی ہو گا، اور بہشت مین تمام
ماکولات مشمومات و منکوحات اور دیگر لذات جسمانی ہون گے، اسی طرح دوزخ کا عذاب بھی
جسمانی ہوگا اسمین ایسا آتشین مادہ ہو گا جس سے بدن کی کھال جل جائیگی فلاسفہ (اسلام) نے
اس سے بھی زیادہ ترقی کی اور کہا کہ قیامت کے باب مین جو کچھ وارد ہی وہ لذتین یا تکلیفین
سب روحانی ہین، یہ لوگ معاد جسمانی کے منکر اور بقاے نفس کے قائل ہین اور کہتے ہین کہ نفس جو کچھ عذاب

وثواب ہوگا وہ حسّی نہین ہوگا۔

یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہین، فلاسفہ کی اس آزادی اور حنبلیون کے جمود مین جو بین بین کا درجہ ہی وہ باریک اور غامض ہے اور اُس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جو توفیق یافتہ ہین اور جو تمام چیزون کو روایت سے نہین بلکہ خدائی روشنی سے دیکھتے ہین پھر جب اُنپر حقائق امور منکشف ہوجاتے ہین تو وہ روایت اور الفاظ پر نظر ڈالتے ہین، ان مین سے جو الفاظ، انکشاف کے موافق ثابت ہوتے ہین اُنکو بحال خود رہنے دیتے ہین اور جو مخالف ہوتے ہین اُنکی تاویل کرتے ہین باقی جن لوگون کا مدار صرف روایت پر ہی تو ان کا قدم کسی مقام پر ٹھہر نہین سکتا اور نہ انکا کوئی مستقر قرار پاسکتا، اور جو شخص محض روایت پر بھروسہ کرتا ہے اُسکو یہی مناسب ہی کہ امام احمد بن حنبل کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ اعتدال حقیقی کا ظاہر کرنا علم مکاشفہ مین داخل ہے، اور اس مین گفتگو کرنی طول کھینچتی ہی اسلیے ہم اسمین نہین لکھتے۔

مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظاہر و باطن مخالف نہین ہین بلکہ موافق ہین ان پانچون اقسام کی تفصیل سے بہت سی باتین حل ہوگئین "

امام صاحب نے اس نازک اور دقیق مضمون مین ہیولیٰ اور مشتبہ مسائل کے جو پانچ اقسام قرار دئے اُن سے **تاویل** کا مسئلہ بہت کچھ حل ہوجاتا ہی تاہم خاص اس بحث پر کہ تاویل کے کس قدر اقسام ہین؟ تاویل کے جواز کے کیا شرایط ہین، اور جواز کی حیثیت سے ان اقسام مین کیا ترتیب ہے، امام صاحب کا ایک خاص رسالہ ہے جس نے اس بحث کا پورا فیصلہ کردیا ہے، اسلیے اس کا نقل کرنا بھی اس موقع پر ضرور ہے،

تاویل کے متعلق امام غزالی کی کتاب فیصل التفرقہ کا خلاصہ

وہ لکھتے ہین کہ اشیا کے وجود کی پانچ قسمین ہین

(۱) **وجود ذاتی** - یعنی وجود حقیقی شلاً آسمان وزمین کا وجود -

(۲) **وجود حسی** - یعنی وہ وجود جو صرف صاحب حس کے ساتھ خاص ہے، مثلاً خواب کے واقعات، یا مثلاً بعض بیمارون کو بیداری کی حالت مین صورتین نظر آتی ہین - انبیا علیہم السلام کو ملائکہ کی جو صورتین نظر آتی ہین امام صاحب اس کو بھی اسی قسم مین داخل کرتے ہین - چنانچہ اس قسم کے تحت مین لکھتے ہین -

بَلْ قَدْ یَتَمَثَّلُ لِلْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ فِی الْیَقْظَۃِ وَالصِّحَّۃِ صُوَرٌ جَمِیْلَۃٌ مُحَاکِیَۃٌ لِجَوَاھِرِ الْمَلٰئِکَۃِ وَیَنْتَھِی اِلَیْھِمُ الْوَحْیُ وَالْاِلْھَامُ بِوَاسِطَتِھَا فَیَتَلَقَّوْنَ مِنْ اَمْرِ الْغَیْبِ مَا یَتَلَقَّاہُ غَیْرُھُمْ فِی النَّوْمِ وَذٰلِکَ لِشِدَّۃِ صَفَاءِ بَاطِنِھِمْ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا وَکَمَا اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی جِبْرِیْلَ کَثِیْرًا -

بلکہ کبھی انبیاء اور اولیا کو بیداری اور صحت مین خوبصورت صورتین نظر آتی ہین جو جواہر ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہین انھی صورتون کے ذریعہ سے انبیاء اور اولیا کو وحی اور الہام ہوتا ہی تو غیب کے امور جو اورون کو خواب مین معلوم ہوتے ہین انبیاء اور اولیا کو صفائی باطن کیوجہ سے بیداری مین معلوم ہوتے ہین جیساکہ خدا نے کہا ہی کہ مریم کے سامنے جبریل ٹھیک آدمی کی صورت بنکر آیا اور جیساکہ آنحضرت نے جبریل کو اکثر دفعہ دیکھا تھا،

(۳) **وجود خیالی** - یعنی وجود ذہنی،

(۴) **وجود عقلی**، مثلاً جب ہم کہتے ہین کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ مین ہے اور اس سے مراد قبضہ و قدرت ہوتی ہی تو یہ ہاتھ کا وجود عقلی ہی کیونکہ ہاتھ کی اصلی غرض قبضہ اور قوت ہی

(۵) **وجود شبہی** یعنی خود وہ شے موجود نہین بلکہ اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے اسکی مثال امام صاحب نے (آگے چلکر) خدا کے غضب وغیرہ سے دی ہے، کیونکہ غضب کے اصلی معنی دل کے خون کا جوش مین آنا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا ان چیزون سے بری ہے لیکن خدا مین ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو غضب سے مشابہ ہے۔

ان اقسام کے بیان کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہین۔

اعلم ان کل من نزل قولا من اقوال الشرع علی درجۃ من ہذہ الدرجات فہو من المصدقین وانما التکذیب ان ینفی جمیع ہذہ المعانی،	جان لو کہ جو شخص شرع کی کسی بات کو ان درجات مین سے کسی ایک درجہ پر محمول کرتا ہی تو وہ شرع کی تصدیق کرنے والو مین ہی، تکذیب کرنے والا وہ شخص ہی جو ان تمام معانی کی نفی کرتا ہی،

اس کے بعد امام صاحب نے ان مراتب کی ترتیب بتائی ہے، یعنی یہ کہ جس چیز کا ذکر قرآن وحدیث مین ہو پہلے اس کا وجود ذاتی ماننا چاہیے، اگر کسی دلیل سے ثابت ہو کہ اس شے کا وجود ذاتی نہین ہوسکتا تو حسی پھر خیالی۔ پھر عقلی، پھر شبہی، اس کے بعد ان مراتب کی مثالین دی ہین اور لکھا ہے کہ تاویل سے کسی فرقہ کو گزیر نہین۔ مثلاً احادیث مین آیا ہے کہ اعمال تولے جائین گے چونکہ اعمال، عرض ہین اور عرض تولا نہین جاسکتا اسلئے ہر فرقہ کو تاویل کرنی پڑی۔ اشعری نے یہ تاویل کی کہ اعمال نہین بلکہ اعمال کے کاغذات تولے جائینگے معتزلہ نے کہا نہین، وزن سے مراد اندازہ کرنا ہے حقیقی ترازو مراد نہین۔

امام صاحب نے جو اقسام قرار دئے اور انکی جو حقیقت بیان کی وہ **تاویل** کے

مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام متاخرین مثلاً امام رازی۔ آمدی وغیرہ نے
تاویل کا فیصلہ اسی بنا پر کیا، لیکن ایک امر پھر بھی مشتبہ رہ گیا، اور امام غزالی کے بعد سے آج تک
سیکڑوں غلطیاں جو ہوتی آئیں سب اسی کی بدولت ہیں، امام صاحب نے تاویل کا ایک
اصول یہ قرار دیا کہ جب اس بات پر دلیل قطعی موجود ہو کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے تب
اور معانی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، یہ اصول فی نفسہ بالکل صحیح ہے لیکن **دلیل قطعی** کا
لفظ تشریح طلب ہے، اور یہی لفظ ہے جس کی غلط فہمی نے سیکڑوں غلطیوں کا سلسلہ قائم کر دیا ہے
امام صاحب اور امام رازی وغیرہ دلیل قطعی کے یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ جب
وجود ذاتی یعنی ظاہری معنی کے مراد لینے میں کوئی محال لازم آتا ہو، تو تاویل کرنی چاہیے،
محال کا لفظ استعمال میں محال عادی بلکہ مستبعدات پر بھی بولا جاتا ہے لیکن امام صاحب محال
عقلی کی قید لگاتے ہیں جس کی بنا پر تاویل کا یہ اصول ٹھیرا کہ جب ظاہری معنی کے مراد لینے
میں محال عقلی لازم آتا ہو تب تاویل کرنی چاہیے، اس بنا پر امام صاحب حشر اجساد کے منکر
کو کافر کہتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اجسام کا قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا محال عقلی
نہیں اسلئے تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ خود امام صاحب اور دیگر ائمہ کلام نے اس
اصول کی پابندی کہاں تک کی ہے، امام غزالی اسی کتاب (فیصل التفرقہ) میں حضرت جبریل
کے وجود کو جبکہ وہ حضرت مریم کو نظر آئے تھے، وجود ذاتی نہیں قرار دیتے۔ حالانکہ انکے نزدیک
حضرت جبریل کا وجود ذاتی ممکن بلکہ وقوعی چیز ہے۔ جمادات کی تسبیح کا قرآن مجید میں

امام غزالی وغیرہ کی تحقیقات پر بحث

جو ذکر ہے امام صاحب اس کو اصلی معنی پر محمول نہین کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہین حالانکہ

امام صاحب کے نزدیک جمادات کا تسبیح پڑھنا محالات عقلی مین داخل نہین، قرآن مجید مین ہے

کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" اس کو

امام صاحب اصلی معنی پر محمول نہین کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہین حالانکہ خدا کا یہ کہنا

کوئی محال امر نہین، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جن کا شمار نہین ہو سکتا۔

اب ہم کو بجاے خود دیکھنا چاہیے کہ یہ اصول کہان تک صحیح ہے ہم جب کسی شخص

کی نسبت کہتے ہین کہ وہ کشادہ دست ہے تو کیا ان الفاظ کے اصلی معنی مراد لینے مین کوئی

استحالہ لازم آتا ہے، کیا اُس شخص کے ہاتھون کا واقعی کھلا ہونا ناممکن ہے، باوجود اس کے

کوئی شخص ان الفاظ کے اصلی معنی مراد نہین لیتا بلکہ اس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم

سمجھتا ہے، ہر زبان مین سیکڑون مجازات ہوتے ہین کیا ان تمام مجازات مین حقیقی معنی کا

مراد لینا کسی محال کا مستلزم ہوتا ہے؟

ان بحثون کے بعد، **محال** کی بحث باقی رہ جاتی ہے محال عقلی خود ایک بحث طلب

چیز ہے، ایک شخص ایک چیز کو محال سمجھتا ہے، دوسرا نہین سمجھتا خدا کا ذوجہت ہونا امام

غزالی کے نزدیک محال ہے حنبلیون کے نزدیک ممکن ہے۔ موت کا مجسم ہو کر مینڈھا

بن جانا، اشاعرہ کے نزدیک محال ہے۔ بہت سے محدثین کے نزدیک ممکن ہے امام صاحب

نے اس بحث کا لحاظ رکھا اور حنبلیون کو اس بنا پر کافر نہین قرار دیا کہ وہ جن چیزون کو

مانتے ہین مثلاً خدا کا ذوجہت اور ذواشارہ ہونا وہ گو فی نفسہ محال ہے لیکن چونکہ اُن کے

نزدیک محال نہین اس لئے وہ معذور ہین، بے شبہہ یہ امام صاحب کی فیاض دلی ہے لیکن یہ فیاض دلی حنبلیون ہی تک کیون محدود رکھی جائے حکماے اسلام کے نزدیک اعادۂ معدوم عقلاً محال ہے، اس لئے وہ حشر اجساد کے قائل نہین اُن کو امام صاحب کیون کافر کہتے ہین؟

لفظ محال کی غلط تعبیر نے وہم پرستیونکی بنیاد ڈالی۔

اسی مسئلہ کی غلط فہمی نے ہزارون وہم پرستیون کی بنیاد ڈالی ہے، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ نے محال عقلی کو جن معنون مین لیا اُس کے لحاظ سے بجز ایک دو چیز کے باقی تمام چیزین ممکن تھین اس لئے ہر جگہ ظاہری معنی کی پابندی کرنی پڑی، اور اُسکی بنا پر سیکڑون دور از کار باتون کا قائل ہونا پڑا اور یہ سلسلہ برابر ترقی کرتا گیا،

روایتون مین ہے کہ "آفتاب ہر روز عرش کے نیچے جاکر سجدہ کرتا ہے" "آسمان مین اس کثرت سے فرشتے ہین کہ اُن کے بوجھ سے آسمان سے چرچرانے کی آواز آتی ہے" "خدا نے ازل مین حضرت آدم کو جب پیدا کیا تو ان کی بائین پسلی نکال لی اور اُسی سے حضرت حوا کو بنایا" "ازل مین حضرت آدم کی پیٹھ سے اُن کی تمام اولاد پیدا کی۔ پھر اُن سے اپنی خدائی کا اقرار لیکر اُن کو انکی پیٹھ مین بھر دیا" "سامری نے حضرت جبریل کے گھوڑے کے سُم کی خاک اُٹھالی اور مٹی کا بچھڑا بنا کر وہ خاک اُس کے پیٹ مین ڈالدی اُس کا یہ اثر ہوا کہ بچھڑا بولنے لگا" وغیرہ وغیرہ - ان تمام واقعات مین ظاہری معنی مراد لینے مین اشاعرہ کی نزدیک، محال عقلی لازم نہین آتا اس لئے ظاہری معنی لینے پڑے -

محال عقلی ہی کی یہ تشریح ہے جس نے تمام مسلمانونکو آج وہم پرستیون مین مبتلا کر رکھا ہے

ایک شخص آکر کہتا ہے کہ فلان درویش نے دریا کا تمام پانی دو دفعہ کر دیا، فلان مجذوب نے اپنے بدن کی کھال اُتار کر رکھدی فلان کا [illegible] نے سیکڑون مُردے زندہ کر دیے چونکہ یہ تمام واقعات اشاعرہ کی تشریح کے موافق محال نہین ہین اس لیے راوی کے متعلق کسی قسم کی تحقیق وتنقید کی ضرورت نہین پڑتی بلکہ یہ کہکر تسلیم کر لیے جاتے ہین کہ ان مین استحالہ کیا ہو؟ اور جب کوئی استحالہ نہین تو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید اگرچہ خدا کا کلام ہے لیکن عرب کی زبان مین اُترا ہے اس لیے زبان عرب کی جو خصوصیات ہین سب اس مین پائی جاتی ہین اور پائی جانی چاہیین، اس مین مجازات۔ استعارات تشبیہات سبھی کچھ ہین اور اُسی طرح ہین جو زبان عرب کا عام انداز ہے،

مجازات اور استعارات کے لیے یہ ضرور نہین کہ اصلی معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم آتا ہو حمالۃ الحطب کے معنی لکڑیان چننے کے ہین لیکن چغل خور کو بھی کہتے ہین۔ قرآن مجید مین ابو لہب کی جورو کو حمالۃ الحطب کہا ہے یہان اصلی معنی مراد لینے بھی ممکن ہین لیکن اہل لغت چغلخور کے معنی لیتے ہین اور کوئی شخص اُنکو اس بنا پر کافر یا گمراہ نہین کہتا کہ اُنھون نے بلا وجہ اصلی معنی سے عدول کیا

ظاہری معنی سے عدول کرنیکے کے لیے یہ لازم نہین کہ اس کا مراد لینا محال عقلی ہو بلکہ اکثر جگہ سیاق کلام اور طرز استعمال خود بتاتا ہے کہ اصلی معنی مقصود نہین، قرآن مین ہے کہ ہم نے آسمان وزمین سے کہا کہ تمھارا جی چاہے یا نہ چاہے تم کو حاضر ہونا چاہیے دونون نے کہا کہ ہم بخوشی حاضر ہین، یہان طرز کلام خود بتا رہا ہے کہ قدرت کاملہ کے اظہار کا یہ ایک پیرایہ ہے

تاویل حقیقت تاویل نہین ہے

بعض جگہ سیاقِ کلام دلالت نہین کرتا لیکن ظاہری معنی مراد لینے بالکل مستبعد اور دور از کار وہم پرستی ہوتی ہے، اس لئے وہان مجازی معنی لئے جاتے ہین۔

ایک اور نکتہ مہتم بالشان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن چیزون کو تاویل کہا جاتا ہے اُن پر تاویل کا اطلاق حقیقت مین صحیح نہین، تاویل کے معنی یہ قرار دے گئے ہین کہ ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کئے جائین، لیکن ظاہری معنی کی تعبیر غلط کی گئی ہے استعمال اور محاورہ بھی ظاہری معنی مین داخل ہے، لیکن اس کو، لوگ تاویل کہتے ہین۔ لغت کی یہ کیفیت ہے کہ اصل مین ایک لفظ کے ایک ہی معنی ہوتے ہین، پھر تناسب اور تعلق کے لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین، مثلاً اجات کے اصلی معنی پستی مین آنے کے ہین، لیکن تواضع اور انکسار کو بھی اجات کہتے ہین اور اس لحاظ سے کہتے ہین کہ تواضع کرنا گویا پستی مین آنا ہے لفظ کے اصلی معنی پھینکنے کے ہین، پھر لفظ کو اس وجہ سے لفظ کہنے لگے کہ وہ بھی گویا زبان سے پھینکے جاتے ہین، یہ معانی حقیقت مین درجہ دوم کے معنی، ہین جن کو انگریزی مین سکنڈری معنی کہتے ہین لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت مین داخل کر لئے گئے ہین اور اصلی معنی قرار پاگئے ہین، عربی زبان مین جو ایک لفظ کے دس دس اور بیس بیس معنی ہوتے ہین، ان مین اصلی معنی درحقیقت ایک ہی ہوتے ہین لیکن مناسبت کی وجہ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین اور وہ سب اصلی قرار پاتے ہین، ورنہ اگر صرف اصلی معنی پر حصر کیا جائے تو لغت کی کتابون کی ضخامت آدھی بلکہ چوتھائی سے کم رہ جائے

اس بنا پر جس چیز کو تاویل کہتے ہین، وہ تاویل نہین، کیونکہ جس معنی مین ان کا استعمال ہوا ہے وہ بھی ظاہری ہی معنی ہین۔

غرض فذلکۂ سخن یہ ہے شرع مین جو امور بظاہر قابل بحث نظر آتے ہین ان کی متعدد صورتین ہین بعض امور ایسے ہین جو عام ادراک سے باہر ہین، ان کی حقیقت کے اظہار سے یا تو شریعت نے بالکل اعراض کیا ہے یا تشبیہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا ہے کہ ایک سرسری اور اجمالی خیال قائم ہو سکے

بعض ایسے ہین جو چندان دقیق نہین لیکن اس کی حقیقت کا اظہار جمہور عوام کے حق مین مضر ہے،

بعض ایسے ہین جو اگر صاف صاف بیان کر دئے جاتے تب بھی سمجھ مین آسکتے تھے لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ موثر اور واقع فی النفس ہے، مثلاً خدا کی قدرت کاملہ کو ان لفظون سے ادا کیا گیا کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" امام غزالی اس صورت کو بیان کر کے لکھتے ہین کہ اکثر لوگون نے قیامت کے واقعات مثلاً میزان، پل صراط وغیرہ کو اسی قسم مین داخل کیا ہے، لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ ظاہری معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم نہین آتا"

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ امام صاحب کی یہ رائے احیاء العلوم اور کتب کلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ جواہر القرآن اور مضنون وغیرہ مین واقعات قیامت کے متعلق

اُن کی بھی یہی راے ہے چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

بعض جگہ حال کو زبان قال سے ادا کیا ہے مثلاً جمادات کی تسبیح۔

ان مختلف اقسام کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت مین جب کسی چیز کے وجود کا ذکر ہو تو یہ ضرور نہین کہ خواہ مخواہ وجود خارجی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے کہ وجود حسّی یا خیالی یا عقلی یا شبہی مراد ہو جیسا کہ امام غزالی نے بہ تفصیل بیان کیا،

اس تمہید کے بعد اب ہم اصل مطلب شروع کرتے ہین،

روحانیات

روحانیات یا غیر محسوسات

ملائکہ۔ وحی۔ واقعاتِ قیامت وغیرہ وغیرہ

چونکہ یہ تمام چیزین قرآن مجید مین، مذکور ہین، اس لئے ان پر ایمان لانا واجب، اور شرط اسلام ہے اور اس لئے تمام اسلامی فرقون مین اجمالاً یہ عقائد مسلم ہین، لیکن چونکہ قرآن مین ان کی کیفیت مذکور نہین اس لیے ان کی تشریح مختلف فرقون نے مختلف طریقون سے کی

اشاعرہ نے یہ دعوی کیا کہ یہ ضرور نہین کہ ایک شی موجود ہو اور نظر بھی آسکے اس بنا پر ممکن ہے کہ یہ تمام چیزین موجود ہون اور نظر نہ آئین۔

شرح مواقف مین رویت باری کی بحث مین ہے

لانسلم وجوب الرؤیۃ عند	ہم یہ تسلیم نہین کرتے کہ رویت کی جب آٹھون شرطین موجود ہون

اِجْتِمَاعَ الشُّرُوْطِ التَّمَامِيَّۃِ	تو خواہ مخواہ وہ شے نظر آئے۔

یہ دعوی جسقدر عجیب و غریب ہے، دلیل اس سے زیادہ عجیب ہے۔

لِاَنَّا نَرَی الْجِسْمَ الْکَبِیْرَ مِنَ الْبَعِیْدِ صَغِیْراً وَمَا	کیونکہ ہم بڑے جسم کو دور سے چھوٹا دیکھتے ہین اور اسکی صرف
ذٰلِکَ اِلَّا لِاَنَّا نَرَی بَعْضَ اَجْزَائِہٖ دُوْنَ الْبَعْضِ	یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ ہم کو اسکے بعض جز نظر آتے ہین اور
مَعَ تَسَاوِی الْکُلِّ فِیْ حُصُوْلِ الشَّرَائِطِ۔	بعض نہین حالانکہ جو شرائط رویت کے ہین وہ تمام اجزا مین پائی جاتی ہین۔

یہی طفلانہ استدلالات اور احتمالات ہین جنھون نے آج قوم کی قوم کو نظر بندی اور اور بیسیون دوراز کار باتون کا معتقد بنا دیا ہے۔

لیکن اشاعرہ ظاہرین کے سوا اور لوگ اس قسم کے دورانہ کار خیالات سے کیونکر قائل ہوسکتے تھے، امام غزالی۔ شیخ الاشراق۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور اور محققین نے اصل حقیقت پر توجہ کی اور اس عقدہ کو حل کیا۔ ان لوگون کا مذہب ہے کہ شریعت مین جن چیزون کا ذکر ہے اُن کی دو قسمین ہین، محسوسات عام، غیر محسوسات عام۔ رویت احساس اور تجربہ یہ تمام چیزین صرف محسوسات عام سے متعلق ہین، غیر محسوسات کو ان چیزون سے واسطہ نہین لیکن باینہمہ غیر محسوسات بھی حقائق موجودہ ہین کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو خارج مین موجود یا محسوس عام نہ ہو، وہ واقع مین بھی نہ ہو کیونکہ واقعیت وجود خارجی پر محدود نہین

روحانیات کا وجود کس قسم کا ہے

لیکن چونکہ حقائق واقعیہ کے لئے آخر کسی نہ کسی قسم کا وجود ضرور ہے۔ اس لئے محققین اسلام نے اسکے مختلف نام رکھے۔

امام غزالی اس وجود کو وجود حسی سے تعبیر کرتے ہین، اور اس کی تعریف جیسا کہ ہم

تاویل کی بحث مین اُن کی اصلی عبارت نقل کر آئے ہین یہ لکھتے ہین کہ یہ وجود صرف اُخاص شخص کے حاسہ سے تعلق رکھتا ہے

انبیا کو ملائکہ کی صورت جو نظر آتی ہے، آنحضرت کو حضرت جبریل جس طرح مرئی ہوتے تھے حضرت مریم نے حضرت جبریل کو جس صورت مین دیکھا تھا، امام صاحب سبکو اسی وجود کے تحت مین داخل کرتے ہین - چنانچہ تاویل کی بحث مین، امام صاحب کی اصلی عبارت ہم نقل کر آئے ہین -

مضنون بہ علی غیر اہلہ مین امام صاحب نے معجزات کی بحث مین اس وجود کو خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے - چنانچہ لکھتے ہین -

اِنَّ لِسَانَ الْحَالِ يَصِيْرُ مُشَاهَدًا مَحْسُوْسًا عَلٰى سَبِيْلِ التَّمْثِيْلِ وَهٰذِهٖ خَاصَّةٌ لِّلْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَمَا اَنَّ لِسَانَ الْحَالِ يَتَمَثَّلُ فِي الْمَنَامِ لِغَيْرِ الْاَنْبِيَاءِ وَيَسْمَعُوْنَ صَوْتًا وَكَلَامًا فَالْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَرَوْنَ ذٰلِكَ فِي الْيَقْظَةِ وَيُخَاطِبُهُمْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءُ فِي الْيَقْظَةِ

زبان حال، بطور تمثیل کے مشاہد اور محسوس ہوجاتی ہے اور یہ انبیا اور رُسُل کا خاصہ ہے جس طرح کہ خواب کی حالت مین زبان حال عام لوگون کے لیے متمثل ہوجاتی ہے تو وہ لوگ آوازین اور باتین سنتے ہین، تو انبیا علیہم السلام ان چیزون کو بیداری کی حالت مین دیکھتے ہین اور یہ چیزین اُن سے بیداری کی حالت مین خطاب کرتی ہین -

قبر کے واقعات کو بھی امام صاحب اسی عالم کے واقعات قرار دیتے ہین - چنانچہ الغزالی مین سب امام صاحب کے اصلی الفاظ نقل کیے ہین -

شیخ الاشراق کا یہ مذہب ہے کہ عالم محسوسات کے سوا، ایک اور عالم ہے جسکو عالم اشباح یا عالم امثال کہتے ہین، انکا استدلال یہ ہے کہ قوت متخیلہ مین یا آئینہ مین جو صورتین نظر آتی ہین، وہ درحقیقت تخیلہ اور آئینہ مین موجود نہین ہین، بلکہ یہ چیزین اُن کے ظہور کا ایک آلہ ہین اور چونکہ اس امر سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ وہ واقعی چیزین ہین اس لئے ضرور ہے کہ ایک عالم اشباح اور امثال تسلیم کیا جائے جہان ان صورتون کا اصلی وجود ہے، شیخ الاشراق، جن اور شیاطین کو بھی اسی عالم مین شمار کرتے ہین، ان کے نزدیک حشر اجساد، اور بہشت و دوزخ وغیرہ سب کا وجود اسی قسم مین داخل ہے چنانچہ حکمۃ الاشراق مین عالم اشباح کا ذکر کر کے لکھتے ہین

وَبِهٖ تَحَقَّقَ بَعْثُ الْاَجْسَادِ وَالْاَشْبَاحِ الرَّبَّانِيَّةِ وَجَمِيْعُ مَوَاعِيْدِ النُّبُوَّةِ	قیامت مین اجسام کا زندہ ہونا، اور اشباح ربانی اور نبوت کے تمام وعدے، اسی عالم اشباح سے ثابت ہوتے ہین۔

اسی کتاب مین ایک اور موقع پر لکھتے ہین،

وَمَا يَسْمَعُ الْمُكَاشِفُوْنَ كَالْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ مِنَ الْاَصْوَاتِ الْهَائِلَةِ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُقَالَ اِنَّهٗ تَمَوُّجُ هَوَاءٍ فِيْ دِمَاغٍ فَاِنَّ الْهَوَاءَ تَمَوُّجُهٗ بِتِلْكَ الْقُوَّةِ لِصَدْمَةِ الدِّمَاغِ لَا يُتَصَوَّرُ بَلْ هُوَ مِثَالُ الصَّوْتِ اَيِ الْمَوْجُوْدُ فِيْ عَالَمِ الْمِثَالِ	اور اہل کشف (یعنی پیغمبر اور اولیا) جو ہیبتناک آوازین سنتے ہین ان کی نسبت یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ دماغ مین ہوا کے تموج سے پیدا ہوتے ہین کیونکہ ہوا کا تموج جو اس زور کے ساتھ دماغ سے ٹکرائے خیال مین نہین آسکتا بلکہ وہ اُس آواز کی تصویر ہے جو عالم مثال مین موجود ہے

[1] اس عبارت مین جو تفسیری جملے ہین۔ شرح حکمۃ الاشراق سے لئے ہین۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہین -

وَمَا يَتَلَقَّى الْأَنْبِيَاءُ وَالْأَوْلِيَاءُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ فَإِنَّهَا قَدْ تَرِدُ عَلَيْهِمْ فِي أَسْطُرٍ مَكْتُوبَةٍ وَقَدْ تَرِدُ بِسَمَاعِ صَوْتٍ قَدْ يَكُونُ لَذِيذًا وَقَدْ يَكُونُ هَائِلًا وَقَدْ يُشَاهِدُونَ صُوَرَ الْكَائِنَاتِ وَقَدْ يَرَوْنَ صُوَرًا حَسَنَةً إِنْسَانِيَّةً تُخَاطِبُهُمْ فِي غَايَةِ الْحُسْنِ فَتُنَاجِيهِمْ بِالْغَيْبِ وَقَدْ يَرَى الصُّوَرَ الَّتِي يُخَاطِبُ كَالتَّمَاثِيلِ الصِّنَاعِيَّةِ فِي غَايَةِ اللُّطْفِ وَقَدْ تَرِدُ عَلَيْهِمْ فِي حُلَّةٍ وَقَدْ يَرَوْنَ مُثُلًا مُعَلَّقَةً وَجَمِيعُ مَا يُرَى فِي الْمَنَامِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبُحُورِ وَالْأَرَضِينَ وَالْأَصْوَاتِ الْعَظِيمَةِ وَالْأَشْخَاصِ كُلُّ مُثُلٍ قَائِمَةٍ

اور پیغمبرون کو اور اولیا کو عالم غیب کی جو باتین معلوم ہوتی ہین تو وہ کبھی لکھی ہوئی سطرون مین نظر آتی ہین کبھی آواز کی صورت مین جو کبھی لذیذ ہوتی ہے اور کبھی مہیب اور کبھی وہ لوگ کائنات کی صورتین دیکھتے ہین جو اُن سے نہایت لطف کے ساتھ خطاب کرتی ہین اور انسے غیب کی باتین کہتی ہین اور کبھی وہ صورتین جو خطاب کرتی ہین نہایت لطیف صنعتی پیکرون مین نظر آتی ہین اور کبھی یہ خطر معلوم ہوتی ہین اور کبھی وہ لوگ معلق مثالین دیکھتے ہین، اور جو کچھ خواب مین پہاڑ، دریا، زمین، عظیم آوازین، اور اشخاص نظر آتے ہین یہ سب مثالی صورتین ہین جو بذات خود قائم ہین -

شاہ ولی اللہ کی رائے

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث کو زیادہ مفصل لکھا ہے، انھون نے اُن نصوص کو جن مین اس قسم کی موجودات کا ذکر ہے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے پھر کہا ہے کہ ان نصوص پر جو شخص نظر ڈالے گا اس کو مجبوراً تین باتون سے ایک کا قائل ہونا پڑے گا، یا یہ تسلیم کرے کہ محسوسات کے علاوہ ایک عالم مثال بھی ہے " (شاہ صاحب اس عالم مثال کو محدثین کے اصول کے موافق بتاتے ہین) یا اس بات کا قائل ہو کہ خاص اس شخص کو ایسا نظر آتا ہے گو اس کے حاسہ سے باہر اس کا وجود نہین یا یہ کہ یہ واقعات بطور تمثیل کے بیان ہوئے ہین

ان احتمالات کو لکھکر شاہ صاحب لکھتے ہین کہ جو شخص صرف تیسرے ہی احتمال پر قناعت کرتا ہے، مین اسکو اہل حق سے نہین سمجھتا، شاہ صاحب تو فقط تیسرے احتمال کو باطل قرار دیتے ہین لیکن ہمارے علما دو پہلے احتمالات کو بھی تسلیم کرلین تو بڑا مرحلہ طے ہو جائے، اور **فلسفہ** زبان حال سے بول اُٹھے کہ۔

شکر ایزد کہ میان من و او صلح افتاد

بہرحال ہم شاہ صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہین۔

بَابُ ذِکْرِ عَالَمِ الْمِثَال

اِعْلَمْ اَنَّهٗ دَلَّتْ اَحَادِیْثُ کَثِیْرَةٌ عَلٰی اَنَّ فِی الْوُجُوْدِ عَالَمًا غَیْرَ عُنْصُرِیٍّ تَتَمَثَّلُ فِیْهِ الْمَعَانِیْ بِاَجْسَامٍ مُنَاسِبَةٍ لَهَا فِی الصِّفَةِ وَتَتَحَقَّقُ هُنَالِكَ الْاَشْیَاءُ قَبْلَ وُجُوْدِهَا فِی الْاَرْضِ نَحْوًا مِّنَ التَّحَقُّقِ فَاِذَا وُجِدَتْ کَانَتْ هِیَ هِیَ بِمَعْنًی مِّنْ مَعَانِیْ هُوَ هُوَ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَشْیَاءِ مِمَّا لَا جِسْمَ لَهَا عِنْدَ الْعَامَّةِ تَنْتَقِلُ وَتَنْزِلُ وَلَا یَرَاهَا جَمِیْعُ النَّاسِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الرَّحِمَ

عالم مثال کا ذکر

جاننا چاہئے کہ بہت سی حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم موجودات مین ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر عنصری ہے اور جسمین معانی اُن اجسام کی صورت مین متشکل ہوتے ہین جو اوصاف کے لحاظ سے اُنکے مناسب ہین پہلے اس عالم مین اشیاء کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے تب دنیا مین انکا وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔

اکثر وہ اشیا جو عوام کے نزدیک جسم نہین رکھتین اس عالم مین منتقل ہوتی ہین اور اترتی ہین، اور عام لوگ ان کو نہین دیکھتے، آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو

قامت فقالت هذا مقام العائذ بك من
القطيعة وقال ان البقرة وآل عمران تاتيان
يوم القيمة كانهما غمامتان او غيايتان او
فرقان من طير صواف تحاجان عن اهلهما
وقال تجيء الاعمال يوم القيمة فتجيء الصلوة ثم
تجيء الصدقة ثم تجيء الصيام الحديث
وقال ان المعروف والمنكر لخليقتان
تنصبان للناس يوم القيمة فاما
المعروف فيبشر اهله واما المنكر فيقول
اليكم اليكم ولا يستطيعون له الا لزوما و
قال ان الله تعالى يبعث الايام يوم
القيمة كهيئتها ويبعث الجمعة زهراء
منيرة وقال يؤتى بالدنيا يوم القيمة
في صورة عجوز شمطاء زرقاء انيابها
مشوه خلقها وقال هل ترون ما ارى
فاني لارى مواقع الفتن خلال بيوتكم
كمواقع القطر وقال في

پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے
جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈھتا
ہے، اور آنحضرت نے فرمایا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران
قیامت میں بادل، یا سائبان، یا صف بستہ پرندونکی
شکل مین آئینگی اور ان لوگون کی طرف سے وکالت کرینگی
جنھون نے انکی تلاوت کی ہو، اور آنحضرت نے فرمایا ہو کہ قیامت
مین اعمال حاضر ہون گے تو پہلے نماز آئیگی، پھر خیرات۔ پھر
روزہ الخ۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق
ہین جو قیامت مین لوگونکے سامنے کھڑی کیجائین گی سو
نیکی۔ نیکی والون کو بشارت دیگی، اور برائی برائی والونکو
کہیگی کہ ہٹو ہٹو لیکن وہ لوگ اس سے چمٹے ہی رہینگے۔ اور آنحضرت
نے فرمایا ہو کہ قیامت مین اور جتنے دن ہین وہ معمولی صورت
مین حاضر ہونگے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئیگا۔ اور
آنحضرت نے فرمایا ہو کہ قیامت مین دنیا ایک بڑھیا کی صورت
مین لائی جائیگی جسکے بال کھچڑی، دانت نیلے اور صورت بدنما
ہوگی۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ جو مین دیکھتا ہون کیا تم
بھی دیکھتے ہو مین دیکھ رہا ہون کہ فتنے تمھارے گھرون پر سیح

فِي حَدِيثِ الْاِسْرَاءِ فَاِذَا اَرْبَعَةُ اَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ قَالَ اَمَّا الْبَاطِنَانِ فَفِي الْجَنَّةِ وَاَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيْلُ وَالْفُرَاتُ وَقَالَ فِي حَدِيْثِ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ صُوِّرَتْ لِيَ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَفِي لَفْظٍ بَيْنِيْ وَبَيْنَ جِدَارِ الْقِبْلَةِ وَفِيْهِ اَنَّهُ بَسَطَ يَدَهٗ لِيَتَنَاوَلَ عُنْقُوْدًا مِنَ الْجَنَّةِ وَاَنَّهُ تَكَعْكَعَ مِنَ النَّارِ وَنَهْرٌ مِنْ حَرِّهَا وَرَاٰى فِيْهَا سَارِقَ الْحَجِيْجِ وَالْاِمْرَاَةَ الَّتِيْ رَبَطَتِ الْهِرَّةَ حَتّٰى مَاتَتْ وَرَاٰى فِي الْجَنَّةِ اِمْرَاَةً مُوْمِسَةً سَقَتِ الْكَلْبَ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ تِلْكَ الْمَسَافَةَ لَا تَسَعُ لِلْجَنَّةِ وَالنَّارِ بِاَبْعَادِهِمَا الْمَعْلُوْمَةِ عِنْدَ الْعَامَّةِ وَقَالَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

برس رہے ہین جس طرح بادل سے قطرے - اور آنحضرت نے معراج کی حدیث مین فرمایا کہ اچانک چار نہرین نظر آئین دو نہرین اندر تھین اور دو باہر مین نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا ہین بولے اندر کی نہرین تو جنت کی ہین اور باہر کی نیل اور فرات ہین اور آنحضرت نے کسوف کی نماز کے متعلق فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کرکے لائی گئین اور ایک روایت مین ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیوار کے بیچ مین بہشت و دوزخ مجسم ہوکر آئین مین نے ہاتھ پھیلایا کہ بہشت مین سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لون لیکن دوزخ کی گرمی کی لپٹ سے رک گیا - اور حدیث مین ہے کہ آنحضرت نے حاجیون کے چور کو اور ایک عورت کو دوزخ مین دیکھا جسنے ایک بلی کو باندھکر مار ڈالا تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت مین دیکھا جسنے کتے کو پانی پلایا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت جو عام لوگونکے خیال مین ہے وہ اسقدر مسافت (یعنی کعبہ کی چار دیواری) مین نہین سما سکتی - اور حدیث مین ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے چارون طرف سے گھیر لیا ہے -

ثُمَّ اَمَرَ جِبْرِيْلَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهِمَا وَقَالَ
يَنْزِلُ الْبَلَاءُ فَيُعَالِجُهَا الدُّعَاءُ وَقَالَ
خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ
وَقَالَ لَهٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ وَقَالَ هٰذَانِ كِتَابَانِ
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ
يُؤْتٰى بِالْمَوْتِ كَاَنَّهٗ كَبْشٌ فَيُذْبَحُ
بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَقَالَ تَعَالٰى
فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِيًّا وَاسْتَفَادَ فِي الْحَدِيْثِ
اَنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يَظْهَرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَتَرَاءٰى لَهٗ فَيُكَلِّمُهٗ وَلَا يَرَاهُ
سَائِرُ النَّاسِ وَاَنَّ الْقَبْرَ يُفْسَحُ سَبْعِيْنَ
ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ اَوْ يَضُمُّ حَتّٰى تَخْتَلِفَ
اَضْلَاعُ الْمَقْبُوْرِ وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ
عَلَى الْمَقْبُوْرِ فَتَسْاَلُهٗ وَاَنَّ عَمَلَهٗ يَتَمَثَّلُ
لَهٗ وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ اِلَى الْمُحْتَضِرِ
بِاَيْدِيْهِمُ الْحَرِيْرُ وَالْمِسْحُ

پھر جبریل کو خدا نے حکم دیا کہ دونون کو دیکھین۔ اور حدیث
مین ہے کہ بلا اترتی ہو تو دعا اس کا توڑ کرتی ہو' اور حدیث
مین ہے کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ آگے آ
تو وہ آگے آئی، پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو ہٹ گئی اور حدیث
مین ہو کہ یہ دونون کتابین پروردگار عالم کی طرف سے
ہین آخر اور حدیث مین ہو کہ موت ایک مینڈھے کی شکل
مین لائی جائے گی، پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان
ذبح کر دی جائے گی۔

اور خدا نے فرمایا کہ ہم نے روح، مریم کے پاس بھیجی
تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بنکر آئی ہے اور
حدیث سے ثابت ہوتا ہو کہ جبریل آنحضرت کے سامنے آتے
تھے اور آپ سے باتین کرتے تھے اور کوئی اُنکو نہین دیکھتا تھا
اور حدیث مین ہو کہ قبر ہفتاد در ہفتاد گز موٹی ہو جاتی
ہے یا اس قدر سمٹ آتی ہو کہ مردہ کی پسلیان ابھر کیں
ہو جاتی ہین۔ اور حدیث مین ہو کہ فرشتے قبر مین آتے ہین اور
مردہ سے سوال کرتے ہین اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اُسکے سامنے
آتا ہو، اور نزع کی حالت مین فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا

وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَضْرِبُ الْمَقْبُوْرَ بِمِطْرَقَةٍ مِّنْ
حَدِيْدٍ فَيَصِيْحُ صَيْحَةً تَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُسَلَّطُ عَلَى الْكَافِرِ فِيْ قَبْرِهٖ
تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ تِنِّيْنًا تَنْهَسُهٗ وَتَلْدَغُهٗ
حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَقَالَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ
الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَيَجْلِسُ
يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ وَيَقُوْلُ دَعُوْنِيْ اُصَلِّيْ وَاسْتَفَاضَ
فِي الْحَدِيْثِ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَتَجَلّٰى بِصُوَرٍ كَثِيْرَةٍ
لِاَهْلِ الْمَوْقِفِ وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلٰى رَبِّهٖ وَهُوَ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ
وَاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُكَلِّمُ ابْنَ اٰدَمَ شِفَاهًا اِلٰى
غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا لَا يُحْصٰى كَثْرَةً. وَالنَّاظِرُ فِيْ
هٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ بَيْنَ اِحْدٰى ثَلٰثٍ اِمَّا
اَنْ يُقِرَّ بِظَاهِرِهَا فَيُضْطَرُّ اِلٰى اِثْبَاتِ عَالَمٍ
ذَكَرْنَا شَانَهٗ وَهٰذِهٖ هِيَ الَّتِيْ يَقْتَضِيْهَا
قَاعِدَةُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ

لیکر آتے ہین، اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرز سے مارتے ہین
مردہ شور کرتا ہی اور اسکے شور کی آواز مشرق سے مغرب
تک کی چیزین سنتی ہین، اور حدیث مین ہے کہ قبر مین کافر
کے اوپر ننانوے ۹۹ اژدہی مسلط ہوتے ہین جو اس کو کاٹتے
ہین تا بہ قیامت - اور حدیث مین ہی کہ جب مردہ قبر مین آتا
ہی تو اسکو نظر آتا ہی کہ آفتاب غروب ہو رہا ہی، وہ اُٹھ بیٹھتا ہے
اور کہتا ہی کہ ٹھہرو مین نماز پڑھ لون - اور حدیث مین اکثر
جگہ آیا ہی کہ قیامت مین خدا بہت سی مختلف صورتون مین
لوگون کے سامنے جلوہ گر ہوگا - اور آنحضرت خدا کے پاس
اس حالت مین جائین گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا اور
یہ کہ خدا انسانون سے بالمشافہہ بات چیت کریگا، اس قسم
کی اور بہت سی حدیثین ہین جنکا شمار نہین ہو سکتا،
ان حدیثون کو جو شخص دیکھے گا تین باتون مین سے ایک
نہ ایک بات اس کو ماننی پڑیگی یا تو ظاہری معنی مراد لے اور
اس صورت مین اسکو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑیگا
جسکی کیفیت ہم بیان کر چکے (یعنی عالم مثال) اور یہ صورت
وہ ہی جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہی چنانچہ

نَبَّهَ عَلٰى ذٰلِكَ السِّيُوطِي رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى
وَبِهَا اَقُوْلُ وَاِلَيْهَا اَذْهَبُ اَوْ يَقُوْلُ
اِنَّ هٰذِهِ الْوَقَائِعَ تَتَرَاءٰى بِحِسِّ الرَّائِيْ
وَتَتَمَثَّلُ لَهٗ فِيْ بَصَرِهٖ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ خَارِجَ
حِسِّهٖ وَقَالَ بِنَظِيْرِ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ
مَسْعُوْدٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۤءُ
بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ اَنَّهُمْ اَصَابَهُمْ جَهْدٌ
فَكَانَ اَحَدُهُمْ يَنْظُرُ اِلَى السَّمَاۤءِ فَيَرٰى
كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوْعِ وَيُذْكَرُ
عَنِ ابْنِ الْمَاجِشُوْنِ اَنَّ كُلَّ حَدِيْثٍ
جَاءَ فِي التَّنَقُّلِ وَالرُّؤْيَةِ فِي الْمَحْشَرِ فَمَعْنَاهُ
اَنَّهٗ يُغَيِّرُ اَبْصَارَ خَلْقِهٖ فَيَرَوْنَهٗ
نَازِلًا مُتَجَلِّيًا وَيُنَاجِيْ خَلْقَهٗ
وَيُخَاطِبُهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مُتَغَيِّرٍ عَنْ
عَظَمَتِهٖ وَلَا مُنْتَقِلٍ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَوْ يَجْعَلُهَا
تَمْثِيْلًا لِتَفْهِيْمِ مَعَانٍ اُخْرٰى

سیوطی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی
رائے اور یہی مذہب ہے- یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے
کے حاسہ مین واقعات کی یہی شکل ہوگی، اور اس کی نظر
مین وہ اسی طرح جلوہ گر ہونگے، گو اسکے حاسہ باہر انکا وجود
نہ ہو چنانچہ قران مجید مین جو آیا ہے کہ آسمان اُس دن صاف
دھوان بن کر آئیگا، اسکے معنی حضرت عبداللہ ابن مسعود نے
اسی کے قریب قریب لئے ہین یعنی یہ کہ لوگونپر قحط پڑا تھا
تو جب کوئی آسمان کیطرف دیکھتا تھا تو اسکو بھوک کیوجہ
سے آسمان دھوان سا معلوم ہوتا تھا، ابن ماجشون
(مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثون مین خدا کے اترنے
اور مرئی ہونیکا ذکر ہے اُنکے معنی یہ ہین کہ خدا مخلوقات کی نظرون
ایسا تغیر پیدا کر دیگا کہ وہ خدا کو ایسی حالت مین دیکھینگے کہ وہ
اتر رہا ہے اور تجلی کر رہا ہے، اور اپنے بندون سے گفتگو و خطاب
کر رہا ہے حالانکہ خدا کی جو شان ہے نہ اسمین تغیر ہوگا نہ خدا
منتقل ہوگا، اور یہ اسلئے ہوگا کہ لوگ جان لین کہ خدا ہر چیز پر
قادر ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتین بطور تمثیل کے بیان
کی گئی ہین جنسے اور مطالب کا ذہن نشین کرنا مقصود ہے

وَلَسْتُ اَدْرِی الْمُقْتَصِرَ عَلَی الثَّالِثَۃِ مِنْ اَھْلِ الْحَقِّ	لیکن جو شخص صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہی مین اسکو اہل حق مین سے شمار نہین کرتا۔

شاہ صاحب ایک اور عالم کے قائل ہین جس کو وہ عالم مثال اور عالم محسوسات کے بیچ بیچ مین قرار دیتے ہین اور اس کا نام برزخ رکھتے ہین چنانچہ وحی۔ رویت ملائکہ معراج نبوی براق، سدرۃ المنتہی انہار جنت وغیرہ وغیرہ ان سب واقعات کی تفسیر اسی عالم کی بنا پر کی ہے حجۃ اللہ البالغہ مین جہان آنحضرت کی سیرت لکھی ہے، وحی کی نسبت پہلے یہ حدیث نقل کی ہی کہ آنحضرت پر وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ گھنٹہ کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور کبھی فرشتہ مجسم ہو کر نظر آتا تھا، پھر اس کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے۔

اَمَّا الصَّلْصَلَۃُ فَحَقِیْقَتُھَا اَنَّ الْحَوَاسَّ اِذَا صُدِمَتْ بِتَاْثِیْرٍ قَوِیٍّ تَشَوَّشَتْ فَتَشْوِیْشُ قُوَّۃِ الْبَصَرِ اَنْ تَرَی اَلْوَانًا اَلْحُمْرَۃَ وَالصُّفْرَۃَ وَالْخُضْرَۃَ وَتَشْوِیْشُ قُوَّۃِ السَّمْعِ اَنْ تَسْمَعَ اَصْوَاتًا مُبْھَمَۃً کَالطَّنِیْنِ وَالصَّلْصَلَۃِ وَالْھَمْھَمَۃِ فَاِذَا تَمَّ الْاَثَرُ حَصَلَ الْعِلْمُ وَاَمَّا التَّمَثُّلُ فَھُوَ فِیْ مَوْطِنٍ یَجْمَعُ بَعْضَ اَحْکَامِ الْمِثَالِ وَالشَّھَادَۃِ وَلِذٰلِکَ	باقی صلصلہ (گھنٹے کی آواز) تو اس کی حقیقت یہ ہی کہ حواس پر جب کسی قوی تاثیر کا صدمہ پہنچتا ہی تو وہ مشوش ہو جاتا ہی تو قوت بصارت کی تشویش یہ ہی کہ سرخ۔ زرد سبز رنگ نظر آتے ہین۔ اور قوت سمع کی تشویش یہ ہی کہ مبہم آوازین سننے مین آتی ہین۔ مثلاً طنین صلصلہ ہمہمہ۔ پھر جب اثر پورا ہو چکتا ہے تو علم حاصل ہو جاتا ہی، باقی فرشتہ کا مجسم بن کر آنا تو یہ اس عالم کی بات ہی جسمین عالم مثال، اور عالم شہادت کی بعض باتین جمع ہوتی ہین اور یہی وجہ

[1] از صفحہ ۳۸۵ تا ۳۸۷

كان يرى الملك بعضهم دون بعض -

پھر معراج کے متعلق لکھتے ہین

وَكُلُّ ذٰلِكَ بِجَسَدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْيَقْظَةِ وَلٰكِنَّ ذٰلِكَ فِي مَوْطِنٍ هُوَ بَرْزَخٌ بَيْنَ الْمِثَالِ وَالشَّهَادَةِ جَامِعٌ لِاَحْكَامِهِمَا فَظَهَرَ عَلَى الْجَسَدِ اَحْكَامُ الرُّوْحِ وَتَمَثَّلَ الرُّوْحُ وَالْمَعَانِي الرُّوْحِيَّةُ اَجْسَامًا وَكَذٰلِكَ بَانَ لِكُلِّ وَاقِعَةٍ مِّنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ تَعْبِيْرٌ وَقَدْ ظَهَرَ لِحِزْقِيْلَ وَمُوْسٰى وَغَيْرِهِمَا عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نَحْوٌ مِّنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ وَكَذٰلِكَ لِاَوْلِيَاءِ الْاُمَّةِ

کہ فرشتہ بعض کو نظر آتا تھا اور بعض کو نہین -

اور یہ سب واقعات آپکے جسم پر بحالت بیداری مین گذرے لیکن اُس عالم مین جو مثال اور شہادت کے بیچ بیچ مین ہے اور دونون کے آثار کا جامع ہے، تو جسم پر روح کے واقعات ظاہر ہوے، اور روح اور روحانی باتین مجسم بنکر نظر آئین اسی وجہ سے ان واقعات مین سے ہر واقعہ کی الگ تعبیر ظاہر ہوئی اور حزقیل اور حضرت موسی علیہ السلام وغیرہ کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے اور اسی طرح اولیا کو بھی پیش آتے ہین

اسکے بعد انہی اصول پر شاہ صاحب نے براق - ملاقاتِ انبیا - عروج افلاک - سدرۃ المنتہی بیت المعمور وغیرہ کی تشریح کی ہے -

شاہ صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت حکیمانہ اور محققانہ ہے لیکن کسیقدر خلط مبحث ہو گیا ہے انھون نے عالم مثال اور برزخ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ مجازات واستعارات کو بھی عالم مثال مین داخل کر لیا ہے مثلاً یہ حدیث کہ قیامت مین موت بھنڈے کی صورت مین آئے گی اور ذبح کر دی جاتے گی، صرف بیان کا ایک پیرایہ ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مابعد الموت پھر موت نہین، شاہ صاحب اس کو بھی عالم مثال کا واقعہ قرار دیتے ہین -

امام غزالی شیخ الاشراق اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان مین جو جزئی تفاوت ہے اُس سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو قدر مشترک یہ ہوگا کہ شریعت مین جو امور بظاہر خلاف عقل ہین اُن کی حسب ذیل قسمین ہین۔

شریعت مین جو امور خلاف عقل ہین انکے اقسام

(۱) اکثر جگہہ محض مجاز و استعارہ ہے۔ مثلاً جمادات کی تسبیح۔ آسمان و زمین سے خطاب اور انکا جواب۔ ازل مین بنی آدم کا اقرار۔ خدا کا عرش پر متمکن ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(۲) روحانیات کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا ہے، اور یہ طریقہ تمام مذاہب مین مشترک ہے، انسان صرف اُن چیزون کا تصور کر سکتا ہے جو اُس نے حواس سے محسوس کی ہون اسلئے جب ان چیزون کا بیان کرنا ہوگا جو آیندہ زندگی سے تعلق رکھتی ہین اور اُسکے تصور سے بالکل بالاتر ہین تو ضرور ہے کہ ان کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا جائے۔ مثلاً موت کے بعد جو راحت در بخ ہوگا اس کو بجز اسکے کہ باغ و انہار، اور کژدم و مار سے تعبیر کیا جائے اور کیا طریقہ ہے، علامہ ابن تیمیہ ٹھیٹ ظاہری ہین لیکن ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ

ثم ان اللّٰه سبحانه وتعالى اخبرنا بما وعدنا به في الدار الآخرة من النعيم والعذاب واخبرنا بما يؤكل ويشرب وينكح ويفرش وغير ذلك فلولا معرفتنا بما يشبه ذلك في الدنيا لم نفهم ما وعدنا به۔ ونحن نعلم مع ذلك ان تلك الحقائق	پھر خدائے پاک نے ہم کو اُس آرام اور رنج کی خبر دی جس کا قیامت مین وعدہ کیا ہے اور وہ اس طرح کہ طعام۔ شراب ازواج۔ اور فرش کا ذکر کیا تو اگر اس قسم کی چیزونسے ہم دنیا مین واقف نہ ہو چکے ہوتے تو ان موعود چیزونکو کبھی نہ سمجھ سکتے تاہم ہم یہ بھی جانتے ہین کہ یہ چیزین دنیا دی چیزون کے مانند

لہ رسالہ شرح حدیث نزول۔

لَیْسَ مِثْلُ هٰذِهٖ شَیْءٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَیْسَ فِی الدُّنْیَا مِمَّا فِی الْجَنَّةِ اِلَّا الْاَسْمَاءُ	نہین ہین، یہان تک کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ دنیا اور آخرت کی چیزون مین، نام کے سوا اور کسی چیز مین شارکت نہین

مولانا روم نے جن سے بڑھ کر شریعت کا رازدان کون ہوگا، اس مضمون کو مختلف موقعون پر نہایت عمدہ مثالون کے ذریعہ سے ادا کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہین

هیچ ماهیات اوصاف کمال ‌ ‌ ‌ کس نداند جز بہ آثار و مثال

طفل ماهیت نداند طمث را ‌ ‌ ‌ جز کہ گوئی هست چون حلوا ترا

طفل [illegible] ذوق [illegible] زن بسر ‌ ‌ ‌ جز کہ گوئی هست آن خوش چون شکر

کے بود ماهیت ذوق جماع ‌ ‌ ‌ مثل ماهیات حلوا اے مطاع

لیک نسبت کرد از روے خوشی ‌ ‌ ‌ با تو آن عاقل کہ تو کودک وشی

ایک اور موقع پر لکھتے ہین کہ جب کوئی استاد کسی بچہ کو تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کو بچہ کی زبان مین باتین کرنی پڑتی ہین، چنانچہ فرماتے ہین۔

بهر طفل نو پدر "تی تی" کند ‌ ‌ ‌ گرچہ عقلش هندسہ گیتی کند

کم نگردد فضل استاد از علو ‌ ‌ ‌ گر "الف چیزے[1] ندارد" گوید او

از پئے تعلیم آن بستہ دهن ‌ ‌ ‌ گوید او "حطی و هوز کلمن"

در زبان او بباید آمدن ‌ ‌ ‌ [illegible]ن خود برون باید شدن

ایک اور موقع پر لکھتے ہین

[1] یعنی الف خالی ہے، ب کے نیچے ایک

چون کہ باکودک سروکارت فتاد | ہم زبان کودکان باید گشاد
کہ بروکتاب تا مرغت خرم | یا مویز و جوز و فستق آورم

(۳) وہ روحانیات یا معانی ہین جو انبیا کو جسمانی صورت مین محسوس ہوتی ہین، یہی چیز ہے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ الاشراق، عالم مثال، اور عالم اشباح سے تعبیر کرتے ہین اور امام غزالی اسکا نام تمثل خیالی رکھتے ہین۔ اور چونکہ یہی صورت کثیر الوقوع ہے اور چونکہ ملاحدہ کو اسی پر زیادہ اعتراض ہے۔ اس لیے ہم اس کو زیادہ توضیح اور تفصیل سے لکھتے ہین۔

سب سے پہلے یہ ظاہر کرنا ہے کہ علوم موجودہ اور فلسفہ حال کے رو سے اس احتمال پر کوئی اعتراض وارد نہین ہوتا تمثل خیالی کی حقیقت جو امام غزالی نے بیان کی وہ یہ ہے کہ "معانی متمثل ہو کر نظر آتے ہین اور آوازین اور باتین سنائی دیتی ہین جیسا کہ خواب مین ہوتا ہے" خواب کی حالت سے تو کسی کو انکار نہین ہو سکتا۔ اب اسپر غور کرنا چاہیے کہ خواب مین یہ حالت کیون پیش آتی ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خواب مین حواس ظاہری معطل ہوتے ہین اور روح یا نفس، یا قوت متخیلہ تنہا کام کرتی ہے، اب اگر کسی شخص کو بعض اوقات استغراق اور محویت کی وجہ سے بیداری مین بھی خواب کی حالت طاری ہو تو اس قسم کے امور کا محسوس ہونا کوئی تعجب کی بات نہین۔ ان محسوسات کو ہم محسوسات عام نہین کہتے جن کی بنا پر یہ لازم آئے کہ وہ اورون کو بھی محسوس ہون، بلکہ وہ خاص انبیا اور اولیا کے حواس کے ساتھ مخصوص ہین اور اس صورت مین ان امور کا عام طور پر محسوس ہونا ضرور نہین ہے، اسی نکتہ کو مولانا روم نے

ان الفاظ مین ادا کیا ہے۔

فلسفی کو منکر حنانہ است | از حواس انبیا بیگانہ است

نطق خاک و نطق آب و نطق گل | ہست محسوس حواس اہل دل

امام غزالی اور دیگر محققین نے اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جس مین سے ذرا سے تغیر سے اصل حقیقت کی صورت بدل جاتی ہے اسلئے ہم ان محققین کے اصلی الفاظ نقل کرتے ہین، اور خود صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہین۔

مقاصد المراصد[1] مین ہے

فِی الرُّؤیا وَالوحی وَالاِلہامات وَالمخبرات وَالکرامات علیٰ رای الحکماء[2]

وحی والہام وغیرہ کی حقیقت حکمائے اسلام کی رائے کے موافق

وَاعْلَمْ اَنَّ الاِنْسَانَ لَهٗ قُوَّةٌ یَجْتَمِعُ فِیْهِ صُوَرُ الْمَحْسُوْسَاتِ لِاَنَّهٗ یَحْکُمُ عَلیٰ هٰذَا الْحُلْوِ بِاَنَّهٗ اَبْیَضُ وَلَوْ لَمْ یَکُنْ لَهٗ قُوَّةٌ یَجْتَمِعُ فِیْهَا هٰذِهِ الْمَحْسُوْسَاتُ لَاسْتَحَالَ هٰذَا الْحُکْمُ بِدُوْنِ حُضُوْرِ الْمَحْکُوْمِ عَلَیْهِ وَالْمَحْکُوْمِ بِهٖ وَیُسَمّٰی هٰذِهِ الْقُوَّةُ بِالْحِسِّ الْمُشْتَرَکِ وَیَنْطَبِعُ فِیْهَا صُوَرُ الْمَحْسُوْسَاتِ بِطَرِیْقَیْنِ۔

جاننا چاہیے کہ انسان مین ایک قوت ہے جس مین محسوسات کی صورتین جمع ہوتی ہین، کیونکہ انسان شیرینی کی نسبت کہتا ہے کہ وہ سفید ہے، تو اگر کوئی ایسی قوت موجود نہین ہے جس مین محسوسات مجتمع ہوتے ہین تو یہ حکم کیونکر دے سکتا، کیونکہ جب کوئی حکم دیا جاے تو محکوم علیہ اور محکوم بہ دونون کا موجود ہونا ضروری ہے اس قوت کا نام حس مشترک ہے، اسمین محسوسات کی صورت، دو طریقے سے منقش ہوتی ہے۔

اَحَدُهُمَا اَنَّ الْحَوَاسَّ الظَّاهِرَةَ الَّتِیْ هِیَ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالشَّمُّ

ایک یہ کہ حواس ظاہری یعنی سامعہ باصرہ، شامہ

[1] جو عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ سفینۂ راغب پاشا سے منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ (۱۶)

[2] حکمائے اسلام مراد ہین

والذوق واللمس تأخذ صورة المحسوسات
وتؤديها الى الحس المشترك والثاني ان
في الدماغ قوة متخيلة من شأنها تركيب الصور
وتفصيلها وهي التي تركب راسين على بدن انسان
حتى يحصل صورة انسان ذي راسين وتفصل
راس الانسان عن بدنه حتى يحصل تصور
انسان عديم الراس وهذه اذا ركبت
من الصور ووردت على الحس المشترك تصير
مشاهدة بحسب مشاهدة الصور الخارجية
لان الصور التي في الخارج لم تكن مشاهدة
لكونها خارجية بل لكونها منطبعة في الحس المشترك
فتلك الصورة التي ركبتها اذا وردت على
الحس المشترك صارت مشاهدة واذا
ثبت هذا فنقول ان الصورة التي يراها
النائمون اما ان تكون موجودة
في الخارج او لا فالاول باطل
والا لرآها كل من كان سليم الحس

ذائقہ، لامسہ محسوسات کی صورتین لیکر حس مشترک کے پاس پہنچاتی
ہین۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دماغ مین ایک قوت متخیلہ ہے اسکا
کام یہ ہو کہ صورتون کو ترکیب دیتی ہے اسی قوت کا کام ہے کہ
کہ ایک آدمی کے بدن پر دو سر فرض کرتی ہے یہان تک کہ ایک
ایسے انسان کی صورت بن جاتی ہے جس کے دو سر ہین،
اور اسی کا کام ہے کہ انسان کے سر کو جدا کر دیتی ہے یہانتک
کہ ایک ایسا انسان متشکل ہوجاتا ہے جس کے سر نہین، یہ قوت
جب صورتون کو ترکیب دیکر حس مشترک کے پاس حاضر کرتی ہے
تو وہ صورت نظر آنے لگتی ہے جس طرح کہ خارجی صورتین نظر
آتی ہین کیونکہ خارجی صورتون کے نظر آنے کی یہ وجہ نہین کہ
وہ خارج مین موجود ہین بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ حس مشترک مین
منقش ہین۔ تو یہ صورتین جن کو قوت متخیلہ نے ترکیب دیا ہے جب
حس مشترک کے سامنے آتی ہین تو نظر آنے لگتی ہین اور جب
یہ ثابت ہوا، تو ہم کہتے ہین (یعنی اب اصل مقصد کو ثابت
کرتے ہین) کہ خواب مین جو صورتین نظر آتی ہین وہ دو
حالت سے خالی نہین یا خارج مین موجود ہین یا نہین پہلا
احتمال باطل ہے کیونکہ خارج مین موجود ہوتین تو ہر صحیح الحواس

وحيث لم يرها دل على انها من تركيب القوة المتخيلة وهذه القوة لو خليت وطبعها لصدر هذا الفعل دائما وانما لا يصدر منها هذا الفعل لأمرين احدهما اشتغال الحس المشترك بالصور الواردة عليه من خارج. والثاني تسلط النفس الناطقة عليها بالضبط فاذا زال المانعان او احدهما صدر منها هذا الفعل والمانع الاول يزول بالنوم فان الحواس اذا تعطلت بالنوم بقي الحس المشترك خاليا عن الصور الواردة عليه من خارج. والمانع الثاني يزول بالمرض فان النفس في حالة المرض تكون مشغولة بجهته فتسلط المتخيلة على تركيب الصور وتنطبع تلك الصور في الحس المشترك فتصير مشاهدة

آدمی کو نظر آتی ہین، اس لیے معلوم ہوا کہ خارج مین موجود نہین بلکہ قوت متخیلہ کا فعل ہے، قوت متخیلہ اگر اپنی اصلی حالت پر رہنے پاسے تو یہ فعل ہمیشہ اس سے سرزد ہو لیکن دو چیزین مانع ہوجاتی ہین، ایک یہ کہ حس مشترک اُن صورتون کے قبول کرنے مین مشغول ہوجاتا ہے جو باہر سے آتی رہتی ہین دوسرے یہ کہ نفس ناطقہ، قوت متخیلہ کو دبا لیتا ہے تو جب یہ دونو مانع یا ایک زائل ہوجاتا ہے تو قوت متخیلہ سے وہ فعل سرزد ہونے لگتا ہے۔ پہلا مانع نیند کی حالت مین زائل ہو جاتا ہے کیونکہ جب نیند کی وجہ سے حواس معطل ہوجاتے ہین تو حس مشترک خارجی صورتون سے خالی ہوجاتا ہے دوسرا مانع بیماری کی حالت مین زائل ہوجاتا ہے کیونکہ بیماری کی حالت مین نفس مرض کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے تو اس حالت مین قوت متخیلہ صورتون کو ترکیب دے سکتی ہے اور یہ صورتین حس مشترک مین آکر مشاہدہ ہوجاتی ہین

واما الوحي والالهام

فالنفس الناطقة اذا كانت قوية بحيث لم يكن اشتغالها بالبدن مانعا من الاتصال

باقی وحی اور الہام تو ان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ جب اس قدر قوی ہوتا ہے کہ باوجود اشتغال بدن کے

بالمبادی القدسیة وکانت المتخیلة قویة بحیث
تقوی علی استعمال الحس المشترک عن
الحواس الظاهرة اتصلت فی حالة الیقظة
بالعقول المجردة والنفوس السماویة وحصل
لها ادراک المغیبات علی وجه کلی ثم المتخیلة
تحاکیها بصورة جزئیة مناسبة لها وتأتی
الی الحس المشترک فتصیر مشاهدة محسوسة
وقد یعرض لبعضهم ان یسمع کلاما
منظوما او یشاهد منظرا بهیا یخاطبه
بکلام منظوم فیما یتعلق باحواله واحوال غیره

مبادی قدسیہ سی متصل ہو سکتا ہی اور اس کے ساتھ قوت
متخیلہ اس قدر قوی ہوتی ہو کہ حس مشترک کو حواس ظاہری
سی نجات دے سکتی ہو تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت مین
بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہی اور
اسکو غیب کی باتون کا ادراک کلی طور پر ہوتا ہی پھر قوت متخیلہ
اُسکے مشابہ ایک جزئی صورت پیدا کر لیتی ہی - یہ صورت
حس مشترک مین اتر کر مشاہد اور محسوس ہو جاتی ہی اور بعضونکو
یہ پیش آتا ہی کہ وہ مسلسل کلام سنتے ہین یا کوئی اچھی صورت
دیکھتے ہین جو اُنسے مسلسل الفاظ کے ذریعہ سے باتین کرتی
ہی، یہ باتین یا خود انھی کے متعلق ہوتی ہین یا انکے تعلقات کے متعلق

امام غزالی کی کتاب معارج القدس مین وحی کی حقیقت

امام غزالی نے معارج القدس مین نبوت کے عنوان سے جو بسیط مضمون لکھا ہے اس مین ایک فصل نبوت کے خواص مین لکھی ہی، چنانچہ لکھتے ہین

بیان خواص النبوة - نبوت کے خواص کا بیان -

ولها خواص ثلث - احدها تابعة لقوة التخیل والعقل العملی - نبوت کے تین خاصے ہین - ایک خاصہ قوت تخیل اور قوت عقلی عملی کا تابع ہی

اس خاصہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اس مین سے جو عبارت یہان درج کے قابل ہی حسب ذیل ہے -

ثم ان المتخیلۃ یفعل مثل ما یفعل فی حال الرؤیا
المحتاجۃ الی التعبیر بان تأخذ بالکلام
ویحاکیہا ویستولی علی الحسیۃ حتی یؤدی ما یتمثل
فیہا من تلک الی بنطاسیا[1] بان ینطبع
الصور الحاصلۃ فیہا فی البنطاسیا المشترکۃ
فیشاہد صوراً الہیۃ عجیبۃ مرئیۃ واقاویل
الہیۃ مسموعۃ ہی مثل تلک المدرکات
الوحییۃ وھذا ادون درجات المعنی المسمّی
بالنبوۃ واقوی من ھذا ان یستثبت تلک
الاحوال والصور علی ھیئتہا ما تعتری القوۃ المتخیلۃ
من ان تنصرف الی محاکاتہا باشیاء اخری
واقوی من ھذا ان تکون المتخیلۃ مستمرۃ
فی محاکاتہا والعقلی العملی والوھم لا یختلفان
عما استثبتاہ فیثبت فی الذاکرۃ مصورۃ ما
اخذت ویقبل المتخیلۃ علی بنطاسیا ویحاکی
فیہ فاثبتت بصورۃ عجیبۃ ومبصرۃ ویؤدی کل [illegible]

پھر قوت متخیلہ وہی عمل کرتی ہے جو تعبیر طلب خواب کی حالت
میں کرتی ہے یعنی یہ کہ اُن واقعات کو لیتی ہے اور اُنکی نقل
اُتارتی ہے اور قوت حسیہ پر چھا جاتی ہے یہان تک کہ یہ تخیل
قوت حس پر اسقدر اثر ڈالتا ہے کہ قوت متخیلہ مین جو صورتین
ہین وہ حس مشترک مین اُتر آتی ہین تو اس حالت مین عجیب
عجیب خدائی صورتین نظر آتی ہین اور خدائی آوازین سنائی
دیتی ہین اور وہ ایسی ہوتی ہین جیسے کہ وحی کی مدرکات
اور یہ اُس وصف سے جس کو نبوت کہتے ہین کمتر درجہ ہے
اور اس سے قوی تر یہ درجہ ہے کہ یہ حالات اور صورتین اپنی
ہیئت پر اسطرح قائم ہو جائین کہ قوت متخیلہ کو یہ موقع نہ دین
کہ وہ دوسری چیزون کی تصویر اتار سکے۔
اور اس سے بھی زیادہ قوی یہ درجہ ہے کہ متخیلہ برابر اپنا کام
کرتی رہے اور قوت عقلیہ اور وہم اسکی قائم کردہ
صورتون سے اختلاف نکرین تو جو صورت متخیلہ نے قائم
کی ہے وہ حافظہ مین رہ جائے گی اور قوت متخیلہ حس مشترک
پر اثر کریگی یہانتک کہ حس مشترک مین عجیب صورت منقش ہو جائیگی ایک قسم

[1] یونانی لفظ ہے جس کے معنی حس مشترک کے ہین

مِنْهُمَا فَلِي وُجُوهِهِمْ وَهٰذِهِ طَبَقَةُ النُّبُوَّاتِ الْمُتَعَلِّقَةُ بِالْقُوَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالْخَيَالِيَّةِ	اپنا کام اپنے طریقہ پر کرے گی، اور یہ نبوت کا وہ طبقہ ہے جو قوت عقلیہ اور خیالیہ سے متعلق ہے۔

امام صاحب نے اگرچہ اصل مطلب کو بہت پیچ دے کر بیان کیا ہے لیکن حاصل وہی ہے جو صاحب مقاصد نے صاف صاف لفظوں میں ادا کیا ہے۔ اس مضمون کو بوعلی سینا کے حوالہ سے ابوالبقا نے نہایت مختصر اور جامع و مانع الفاظ میں ادا کیا ہے چنانچہ تعریفات میں جہاں وحی کی تعریف لکھی ہے، لکھا ہے

فَنَحْنُ نَرَى الْأَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْحِسِّ وَالنَّبِيُّ يَرَى الْأَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْقُوَى الْبَاطِنَةِ وَنَحْنُ نَرَى ثُمَّ نَعْلَمُ وَالنَّبِيُّ يَعْلَمُ ثُمَّ يَرَى	تو ہم لوگ اشیاء کو حواس کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں اور پیغمبر قوی باطنی کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ اور ہم لوگ ایک چیز دیکھتے ہیں، پھر جانتے ہیں اور پیغمبر جانتا ہے پھر دیکھتا ہے

حکیم ابونصر فارابی، بوعلی سینا وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن ہم نے ان کی تصریحات اس لیے نقل نہیں کیں کہ یہ لوگ مذہبی حیثیت سے مقتدا تسلیم نہیں کئے جاتے۔

اسلام تمدن اور ترقی کا مانع نہیں بلکہ موید ہے

یہ پانچواں معیار ہے جس کے رو سے مذہب کی صحت کا اندازہ کیا جاتا ہے، منکرین مذہب کو جس چیز نے سب سے زیادہ مذہب کا دشمن بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک تمام مذاہب دنیاوی ترقیوں کے سد راہ ہیں، وہ اس کے وجوہ یہ بیان کرتے ہیں۔

مذہب کو دنیاوی ترقی کا مانع کہا جاتا ہے

(۱) مذہب ۔۔ مادیات تک محدود نہیں رہتا بلکہ ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں سب باتیں

دست اندازی کرنا چاہتا ہے، چلنا پھرنا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ایک چیز بھی اسکی حد سے باہر نہین ہو سکتی - ایسے شکنجہ مین رہ کر انسان کیونکر ترقی کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قومون نے عجب ترقی کی، ہمیشہ اس قسم کی مذہبی سخت گیریون سے آزاد ہو کر کی -

(۲) مذہبی اعمال ایسے سخت ہوتے ہین کہ ان کی پابندی معاشرت اور تمدن کی ترقی کا موقع نہین دیتی

(۳) ہر مذہب دوسرے مذہب والون کے ساتھ سخت تعصب اور نفرت کی تلقین کرتا ہی اسی کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی قوم نے غیر مذہب والون پر انصاف کے ساتھ حکومت نہین کی جسکی وجہ سے نوع انسانی کا ایک گروہ کثیر ہمیشہ ذلیل وخوار رہ کر تمدن اور تہذیب سے محروم رہا -

یہ باتین مذہب اسلام مین نہین پائی جاتین

عام مذاہب کی نسبت یہ اعتراضات واقعیت سے خالی نہین، لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ مذہب اسلام، ان اعتراضات کا ہدف ہو سکتا ہے یا نہین

بے شبہ، اکثر مذاہب نے انسان کے ہر ہر جزئی فعل کو مذہب کے شکنجہ مین جکڑا ہے لیکن اسلام اسی غرض سے آیا کہ اس قسم کی تنگ وزریون کو مٹا دے - یہودیون کے ہان ایک ایک چیز مذہب کے شکنجہ مین جکڑی ہوئی تھی، خدا نے آنحضرت کی بعثت کا بڑا مقصد یہ قرار دیا کہ یہ قیدین اور بندشین اٹھا دی جائین -

قرآن مجید مین ارشاد کیا

اصلاد

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي	جو لوگ کہ پیغمبر امی کی پیروی کرتے ہین جنکا نام اپنے ہان
يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ	توریت وانجیل مین لکھا ہوا پاتے ہین وہ انکو اچھی بات کا

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ	حکم دیتا ہی اور بری بات سے روکتا ہے، اور پاک چیزونکو
الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ	اُنکے لیے حلال کرتا ہی اور ناپاک چیزون کو اُنپر حرام کرتا ہو
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف - رکوع ۱۹)	اور وہ بوجھ جو اُنپر تھے، اور وہ بیڑیان جو اُنپر تھین اُتار دیتا ہی

خوب غور کرو کہ یہودیون پر کونسا بوجھ تھا جس کو آنحضرت نے ہلکا کیا، اور اُن کے پاؤن مین کونسی بیڑیان تھین جو آپ نے اتروا دین۔

قرآن مجید مین خاص طور پر یہود اور نصاری کو مخاطب کر کے کہا ہے لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ یعنی مذہب مین غلو نہ کرو۔ مذہبی غلو کی دو صورتین ہین ایک یہ کہ ہر قسم کی حرکات و سکنات کو مذہب کے دائرہ مین داخل کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ احکام مذہبی سخت و ناقابل تعمیل مقرر کئے جائین، اسلام نے ان دونون کو مٹا دیا۔ مذہب کے دائرہ کو لوگون نے یہان تک وسعت دی تھی کہ زندگی کے عیش و عشرت ناز و نعمت عمدہ خور و پوشش کو بھی اس مین داخل کر لیا تھا اور اس کو ناجائز قرار دیا تھا، اسپر قرآن مجید نے کہا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ	اے پیغمبر اُنسے کہو کہ خدا نے جو آرایش اور جو اچھے کھانے اپنے
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ	بندون کے لیے پیدا کیے ہین ان کو کس نے حرام کیا ہے

خدا کے انھی احکام کی بنا پر آنحضرت نے دنیاوی معاشرت اور تمدن کو مذہب کے دائرہ سے بالکل الگ رکھا اور فرمایا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ یعنی دنیا کی باتین تمھین خوب جانتے ہو

دوسرا اعتراض تو اسلام سے بمراحل دور ہے، اسلام کو دعوی ہے اور بجا دعوی ہے کہ اسکے احکام مذہبی نہایت نرم آسان اور سہل العمل ہین۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (حج)	اور خدا نے دین کے بارے مین تم پر کسی طرح کی سختی نہین کی
مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ (مائدہ)	خدا یہ نہین چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی روا رکھے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتین تمام کر دے۔
يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔	خدا تمھارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے نہ کہ سختی۔
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (سورۃ بقر)	خدا کسی پر اس سے زیادہ بوجھ نہین ڈالتا جس قدر اس کو طاقت ہے
يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا	خدا چاہتا ہے کہ تمھارے (بوجھ) ہلکا کرے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے

یہ صرف دعوی نہین، بلکہ اسلام کے تمام احکام اس دعوے کے شاہد ہین، مذہبی اعمال کی سختی کی متعدد صورتین ہین۔

(۱) فرائض کی تعداد زیادہ ہو، اور وہ ایسے ہون جن کی تعمیل مشکل ہو یا جن کی تعمیل مین وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے۔

اسلام مین صرف پانچ فرائض ہین نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد۔ حج اور زکوۃ دولتمندون پر محدود ہے جہاد صرف اسوقت فرض ہے جب حفاظت خود اختیاری کی ضرورت ہو صرف دو فرض ہین جو سب کے لئے عام ہین، نماز روزہ، روزہ سال مین ایک دفعہ ہے، وہ بھی مسافر اور بیمار اور نہایت کمزور آدمیون کے لئے نہین، نماز البتہ کسی حالت مین معاف نہین لیکن اس کی یہ صورت ہے کہ بیمار کے لئے وضو کی ضرورت نہین، گھوڑے یا جہاز کی سواری مین سمت قبلہ کی پابندی نہین، وہ حسب اختلاف ضرورت کھڑے ہو کر

بیٹھکر لیٹ کر۔ گھوڑے پر سوار ہو کر غرض ہر طرح ادا کی جاسکتی ہے سفر مین بجاے چار رکعت کے صرف دو رکعتین رہجاتی ہین، اس نے کے ادا کے لیے سوار کان وآداب مقرر ہین ان مین سے خصوصیت کے ساتھ نہایت کم کی پابندی ضرور ہے مثلاً ہاتھ کھول کر بھی نماز پڑھ سکتے ہین باندھ کر بھی، ہاتھ سینے پر بھی باندھ سکتے ہین بالاے ناف بھی، آمین پکار کر بھی کہ سکتے ہین آہستہ بھی، غرض بعض امور کے سوا بانی کسی خاص طریقہ کی پابندی ضرور نہین، چنانچہ مختلف اماموں نے مختلف صورتین اختیار کین۔

(۲) فرائض کے ادا کرنے کے لیے نہایت جزئی چھوٹی چھوٹی قیدین لگائی جائین اور ہر ایک کو ضروری قرار دیا جاے، دیگر مذاہب ہین، اس قسم کی جو سختی تھی اس کا اندازہ توریت کے احکام سے ہوسکتا ہے، مثلاً قربانی جو اسلام مین نہایت سادہ اور آسان طریقہ سے ادا ہوسکتی ہے، توراة مین اسکے لیے جو قیدین مذکور ہین انکا مختصر سا نمونہ یہ ہے اور ہارون پاکترین مکان مین یون آئے کہ خطا کی قربانی کے لیے ایک بچھڑا اور سوختنی قربانی کے لیے ایک مینڈھا لاے اور کتانی مقدس پیراہن پہنے اور اس کے بدن مین کتانی پاجامہ ہو، اور کتانی پٹکے سے اُسکی کمربندی ہو اور اپنے سر پر کتانی عمامہ رکھے، یہ مقدس کپڑے ہین اور اپنا بدن پانی سے دھوے اور انھین پہن لے اور بنی اسرائیل کی جماعت سے بکری کے دو بچے خطا کی قربانی کے لیے لے، اور ہر دن اپنے اس بچھڑے کو جو خطا کی قربانی کے لیے اس کی طرف سے ہے نزدیک لاے اور اپنے گھر کے لیے کفارہ دے پھر ان دونون صلوانون کو لے کے جماعت کے خیمے کے دروازہ پر خداوند کے آگے حاضر کرے

اور ہرون ان دونون حلوانون پر قرعہ ڈالے۔ ایک قرعہ خداوند کے لئے اور دوسرا قرعہ چلاوسے کے لئے اور ہرون اس حلوان کو جسپر خداوند کے نام کا قرعہ پڑے لاوے اور اُسے خطا کی قربانی کے لئے ذبح کرے"

اور وہ ایک عود سوز اس آگ کے انگارون سے جو خداوند کے آگے مذبح پر ہے بھرلے اور اپنی مٹھیان بخور کے کوٹے ہوے مصالح سے بھی بھرے اور اسی پردہ کے اندر لائے اور اس بخور کو خداوند کے حضور آگ مین ڈال دے تاکہ بخور کا دھوان کفارہ گاہ کو جو شہادت کے صندوق پر ہے چھپائے کہ وہ ہلاک نہو پھر وہ اس بچھڑے کا لہو لے کے اپنی انگلی سے کفارگاہ پر پورب کی طرف کو چھڑکے اور کفارہ گاہ کے آگے بھی لہو اپنی انگلی سے سات مرتبہ چھڑکے (توریت۔ احبار باب ۱۶)

اسی قسم کے طفلانہ قیود ہندؤن اور تمام دیگر قومون مین پائے جاتے ہین یہان تک کہ کوئی شخص بطور خود عبادت الٰہی ادا ہی نہین کرسکتا جب تک کوئی عبادت کرانے والا پیشوا موجود نہو، ہندؤن کو پنڈتون کی ضرورت ہے عیسائیون کو پادری کی یہودیون کو احبار کی لیکن مسلمان کو کسی دوسرے شخص کی دستگیری کی ضرورت نہین، وہ اپنا آپ پادری اپنا آپ پنڈت اپنا آپ احبار ہے۔

اسلام نے طریقہ عمل کے نمونہ کے لئے اس قسم کی کوئی شرط اعتبار بھی کی ہے تو ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ یہ قیدین فی نفسہ ضروری نہین، نماز کے لئے قبلہ کی سمت کا جہان حکم دیا ساتھ ہی کہدیا کہ اَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ یعنی جس طرف منہ کرو اُسی طرف خدا کا منہ ہے

قربانی کا جہان ذکر کیا یہ بھی فرمایا کہ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ
یعنی خدا تک نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری پہنچتی ہے ؎

تیسرے اعتراض کا جواب بہ تفصیل آگے آئے گا

ہمارا صرف یہ دعویٰ نہین کہ اسلام تمدن کے موافق ہے، بلکہ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمدن
کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہونچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے
اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ دنیاوی تمدن آج یورپ مین جس حد تک پہونچا ہے
کبھی نہین پہونچا تھا اسلیے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ اس تمدن کے اصلی اصول کیا ہین ؎
یورپ کے تمدن کے مہمات اصول حسب ذیل عنوان مین محدود کیے جا سکتے ہین
اور دنیا مین جب کبھی کسی قوم نے تمدن مین ترقی کی ہوگی، یا آیندہ کرے گی تو انھی اصول پر
کی ہوگی اور کرے گی۔

ترقی تمدن کے جو اصول ہین سب اسلام مین پائے جاتے ہین

(۱) انسان کی تمام ترقیون کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلیٰ ترین مخلوقات
ہے اور تمام کائنات مین جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔
سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم	ہم نے انسان کی بناوٹ بہتر سے بہتر بنائی۔
وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعا	تمام آسمان و زمین کی چیزون کو تمھارا مسخر کیا۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتین ہین جو آیندہ آئینگی۔

(۲) انسان کی تمام ترقیون کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے خیر و شر

ترقی اور تنزل۔ عروج اور زوال کا مدار تمامتر اسکی سعی اور کوشش پر ہے اور دنیا اور دین کی تمام کامیابیان محض اس کی کوششون پر موقوف ہین قرآن مجید نے اس اصول کو نہایت توضیح اور تاکید کے ساتھ بیان کیا۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔	انسان کے لیے اتنا ہی ہو جتنی اسکی کوشش ہو
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ)	انسان کے نفس کو جو فائدہ پہنچتا ہی اسی کی کمائی کی بدولت ہے اور جو نقصان پہنچتا ہی اسی کے کرتوت کی بدولت۔
وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا (انعام)	اور جو کوئی برا کام کرتا ہی تو اسکا وبال اسی پر پڑتا ہے
أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ (آل عمران)	دو چند تم پہلے پہنچا چکے ہے تو تم کہو گے کہ یہ مصیبت کہان سے آئی؟ اے محمد کہدے کہ یہ خود تمھاری اپنی ذات کی وجہ سے ہو
ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (انفال)	یہ اس لیے کہ خدا جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہی تو پھر اسکو بدلتا نہین جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلین۔
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (روم)	لوگون کے کرتوت کی بدولت تمام خشکی و تری مین فساد پھیل گیا
مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (حمعسق)	تم پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہو تو خود تمھارے کرتوت کی بدولت

اسلام نے اس مضمون پر اسقدر زور دیا کہ قرآن مجید مین جابجا تصریح کی کہ بندہ جب ایک کام کر لیتا ہے تو خدا بھی اسی کے موافق کرتا ہے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ	جو لوگ ایمان لاے اور انھون نے کام بھی اچھے کیے خدا انکو

آیت	ترجمہ
ربهم بایمانهم (یونس) ع	ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت کرتا ہی
ان الذین لا یومنون بایٰت الله لا یهدیهم الله	جو لوگ خدا کی نشانیون پر ایمان نہین لاتے خدا انکو ہدایت نہین کرتا
والذین جاهدوا فینا لنهدینهم	جو لوگ ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہین ہم اُن کو اپنی
سبلنا - (عنکبوت)	راہ دکھاتے ہین -
یا ایها الذین امنوا اتقوا الله وقولوا قولا	مسلمانو! خدا سے ڈرو - اور ٹھیک بات بولو تو خدا تمہارے
سدیدا یصلح لکم اعمالکم (الاحزاب)	اعمال کو صالح کردے گا
یا ایها الذین امنوا ان تنصروا الله ینصرکم	مسلمانو! اگر تم خدا کی مدد کروگے تو خدا بھی تمھاری مدد کریگا
ویثبت اقدامکم (محمد)	اور تم کو ثابت قدم رکھے گا -
فلما زاغوا ازاغ الله قلوبهم (صف)	پھر جب وہ لوگ کج ہوے تو خدا نے بھی اُنکے دلون کو کج کر دیا
ان الله لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسهم (رعد)	خدا کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جبتک وہ خود اپنی حالت نہ بدلین

ان آیتون مین خدا نے اپنے کام کو بندہ کے کام سے متاخر رکھا فلما زاغوا الخ مین بیان کیا کہ جب ان لوگون نے کجی کی تو خدا نے بھی اُن کے دلون کو کج کر دیا یا ایها الذین امنوا مین یہ کہا کہ مسلمانو! پرہیزگاری اختیار کرو اور بات کہو، تو خدا تمھارے عمل صالح کردیگا حالانکہ پرہیزگاری خود عمل صالح کا نام ہے، اور جب کوئی شخص پرہیزگاری کرے گا تو پھر اسکے عمل کے صالح کرنے کی کیا ضرورت ہی -

اس موقع پر یہ بات بھی ظاہر کرنی ضرور ہے کہ قرآن مجید مین ایسی بھی بہت سی آیتین ہین جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہی کہ انسان مجبور محض ہے اور جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے -

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ	اور وہ اپنے بندون پر بالادست ہے۔
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	کہدے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے۔

عیسائی اکثر طعنہ دیتے ہین کہ مسلمانون مین جو کاہلی اور پست ہمتی پائی جاتی ہے وہ اسی مسئلہ قضا و قدر کا اثر ہے اور اس لیے مسلمانون کا تنزل خود انکے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے،

اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے توکل پیشہ علما اور صوفیہ نے اپنے طرز عمل سے قوی کر دیا ہے لیکن درحقیقت یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔

اس کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ یہی قضا و قدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہ مین سے ایک ایک شخص ہزارون آدمیون کے دل مین گھس جاتا تھا اور سیکڑون کو خاک مین ملا کر صحیح سلامت نکل آتا تھا اگر آج اسی جوہر کو ہمارے علما و صوفیہ اپنی شکستہ پائی اور کاہلی کے لئے استعمال کرتے ہین تو اس مین اسلام کا کیا قصور۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ بے شبہ اسلام نے انسان کو مختار کل قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کی بھی احتیاط رکھی ہے کہ یہ اعتقاد الحاد کی حد سے نہ مل جائے انسان کے مختار ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہین۔ ایک یہ کہ خالق، اور خدا کوئی چیز نہین، اسلئے انسان قادر مطلق ہے، جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے جو نہین چاہتا نہین کرتا دوسرے معنی یہ ہین کہ خدا قادر مطلق ہے لیکن اسنے انسان کو اپنے افعال کا مختار بنایا ہے اسلئے انسان جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اسلام نے پہلے معنی کی نفی کی ہے اور اسی بنا پر قرآن مین آیا ہے

وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ	تم کسی بات کو نہ چاہو گے جب تک کہ خدا نہ چاہے

جس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو جو مشیت اور ارادہ کی قوت دی گئی ہے یہ خدا ہی نے دی ہے
اگر خدا نہ چاہتا تو تم مین یہ قوت بھی نہ ہوتی۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ | یعنی جو کچھ دنیا مین ہے سب کی علت اعلیٰ خدا ہی کی ذات ہے۔

اس امر کا قطعی فیصلہ کہ اسلام نے اختیار کی تعلیم کی تھی یا جبر کی، اس بات سے ہو سکتا ہے
کہ جو لوگ اسلام کے مرکز تھے، جو اسلام کی مجسم تصویر تھے، جو لوگ اسلام کے ایک ایک ادا سے
واقف تھے یعنی صحابہ انھون نے کیا سمجھا اور ان پر اسلام کی تلقین کا کیا اثر ہوا؟ تاریخ شاہد ہے
کہ اسلام کی تعلیم نے اُن کو اختیار عزم۔ استقلال۔ اور حوصلہ کا مجسم پتلہ بنا دیا تھا۔

(۳) تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا اصول مساواۃ کا اصول ہے یعنی یہ کہ تمام انسانو نکے
حقوق مساوی ہین۔ فلاسفر گوندرسیہ کا قول ہے کہ "حقوق انسانی کے سمجھنے کا پہلا دیباچہ
مساوات ہے اور مساوات ہی تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے"

لیکن اسلام کے قبل تک یہ خیال کسی قوم اور ملک مین پیدا نہین ہوا تھا۔ تعزیرات کے
متعلق مہذب سے مہذب قومون کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرمون کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ
سے سزائین دی جاتی تھین۔ لاروس اپنی انسائکلوپیڈیا مین لکھتا ہے کہ "رومن امپائر مین ایک
ہی جرم کی سزائین مختلف ہوتی تھین۔ یعنی مجرم کی حیثیت اور درجہ کے لحاظ سے سزا ہوتی تھی"
اس کے بعد مصنف مذکور نے اس نا انصافی اور ظلم کی تفصیل کی ہے اور روم سے لیکر
فرانس تک کے واقعات لکھے ہین۔ اخیر مین لکھا ہے کہ ۱۷۸۹ء کے ہنگامہ نے

یہ تمام امتیازات مٹا دیے کیونکہ اسنے خود ان القاب وخطابات کو مٹا دیا جو لوگون کی ذاتی
عزت یا وراثت کے اعزاز کی بنا پر قائم تھے،،

فلاسفر فونک لکھتا ہے کہ "مساوات کی بنیاد پچاس برس سے یورپ کی بعض قومون
مین پڑی ہے اور اب دوسرے حصون مین بھی پھیلتی جاتی ہے"

فلاسفر مذکور مساوات کی ابتدا پچاس برس سے بتاتا ہے لیکن اسلام مین بارہ سو
برس پہلے یہ اصول قائم ہوچکا تھا۔ قرآن مجید مین ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے
کنبے اور قبیلے ٹھہرائے اس غرض سے کہ ایک دوسرے سے پہچانے
جاؤ لیکن خدا کے نزدیک صاحب عزت وہی جو پرہیزگار ہے

یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام اسی اصول پر قائم ہوا اور اسلام جب تک اسلام تھا اسی
اصول پر قائم رہا۔ عرب مین قبائل کے مدارج مقرر تھے۔ جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز
تھا اُس کا ایک آدمی دوسرے قبائل کے متعدد آدمیون کے برابر مانا جاتا تھا یعنی معزز
قبیلہ کے ایک آدمی کے خون کے بدلے مین دوسرے قبائل کے کئی آدمی قتل کیے
جاتے تھے۔ اسی طرح غلام کے خون کے معاوضہ مین آقا قتل نہین کیا جا سکتا تھا اسلام
نے اصول مساوات کی بنا پر یہ تفرقے بالکل مٹا دیے قریش جن کو یہ غرور تھا کہ جنگ بدر
مین انھون نے انصار کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ انصار پر ہاتھ اٹھانا بھی
عار ہے، وہ حبش اور ایران کے زرخرید غلامون کے برابر کر دیے گئے ابو سفیان جو تمام قریش کا سردار

رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہ کے حریف مقابل ہونے کا دعوی تھا جب اسلام لایا تو اس کو بلال و صہیب کا ہم رتبہ ہو کر رہنا پڑا حالانکہ بلال و صہیب دونون عجمی زرخرید غلام تھے۔

جبلہ بن الایہم عرب کا مشہور بادشاہ تھا جب وہ اسلام لایا تو اُسنے چاہا کہ ایک عامی آدمی کے مقابلہ مین اس کی عزت مرجح تسلیم کی جائے لیکن عمر فاروق رض نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا نہ کیا اور وہ اسی ضد پر مرتد ہو کر عیسائیون سے جا کر مل گیا۔

عمر فاروق رض نے جب شام کا سفر کیا اور بیت المقدس مین داخل ہوئے تو انکا غلام اونٹ پر سوار تھا اور خود ان کے ہاتھون مین اونٹ کی باگ تھی حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ خلیفہ اسلام کی جاہ و شوکت دیکھنے کے لئے گھرون سے نکل آئے تھے۔

اس قسم کے ہزارون واقعات مین جنکا شمار نہین کیا جا سکتا۔ نتیجہ عام کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ اسلام مین سب سے پہلا ظلم جو شروع ہوا وہ تَنَحَّ عَنِ الطَّرِیْقِ (راستہ سے ذرا ہٹ جاؤ) کا کہنا تھا، یعنی اوائل اسلام مین بڑے سے بڑا آدمی راہ مین کسی معمولی آدمی کو نہین کہہ سکتا تھا کہ ذرا ہٹ جاؤ، اول جو ظلم شروع ہوا وہ اسی لفظ کا استعمال کرنا تھا۔

مذہبی تعصب

(۴) تمدن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ، اور ترقی تمدن کی بہت بڑی علامت مذہبی نفرت اور مذہبی جبر کا دور کرنا ہے، دنیا جب سے آباد ہے ہمیشہ ہر ملک مین، ہر قوم مین ہر سلطنت مین یہ طریقہ رہا کہ غیر مذہب والون پر جبر کیا جاتا تھا، ان کو مذہبی آزادی نہین دی جاتی تھی۔ اُن سے نفرت اور حقارت کی تلقین کی جاتی تھی اور مختلف طریقون سے لوگونکو

تبدیل مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا - صرف یہی نہین بلکہ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا یہ مذاق تھا اور یہ گویا انسان کی فطرت ہوگئی تھی کہ جب دو شخصون مین کسی راے اور خیال کے متعلق اختلاف ہوتا تھا، تو اسکا اثر معاشرت کے تمام امور پر پڑتا تھا یعنی دونون مین اجنبیت پیدا ہوکر منافرت اور عداوت کی حد تک نوبت پہونچتی تھی -

سب سے پہلے اسلام نے اختلاف مذہب اور دیگر تعلقات کے حدود جداگانہ قائم کیے یعنی یہ بتایا کہ اگر کسی شخص سے مذہب مین اختلاف ہو تو اسکا اثر عام معاشرت پر نہین پڑنا چاہیے - والدین کے جہان حقوق بیان کیے وہان فرمایا کہ

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا -	اگر وہ دونون اس بات پر زور ڈالین کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جسکا تجھکو علم نہین ہے (یعنی اگر والدین شرک پر مجبور کرین) تو تو ان کا کہنا مان لیکن دنیا مین انسے اچھا برتاو کر

پھر عام طور فرمایا -

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	جن لوگون نے تم سے مذہبی جنگ نہین کی اور نہ تم کو تمھارے گھرون سے نہین نکالا انکی نسبت خدا تم کو منع نہین کرتا کہ تم انکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرو بے شبہ خدا انصاف کو پسند کرتا ہے

لہ قرآن مجید مین بہت سی آیتین اس قسم کی موجود ہین جنمین یہ حکم ہے کہ غیر مذہب والون سے دوستی اور محبت نہ رکھو اور یہی آیتون کو بے پکے ظاہر بین علما ہر موقع پر پیش کرتے ہین لیکن وہ آیتین اُن کافرون سے مخصوص ہین جو مسلمانون سے مذہبی لڑائی لڑتے ہین چنانچہ خود خدا نے اس آیت کے بعد تصریح کردی اور فرمایا کہ انما ینہٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاہروا علی اخراجکم ان تولوہم یعنی خدا تو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تم سے مذہب کے بارہ مین لڑے اور تم کو تمھارے گھرون سے نکال دیا اور تمھارے نکال دینے پر اعانت کی

اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اس مسئلہ کا اصلی فلسفہ بتا دیا یعنی خدا نے انسانون کی فطرت ہی ایسی بنائی ہو کہ ان کی صورت سیرت خیال۔ مذاق اور راے مین اختلاف ہو، اس لئے اس بات کی خواہش کرنا کہ تمام لوگ خواہ مخواہ متحد الخیال ہو جائین گویا فطرت انسانی کو مٹانا ہے۔

اس نکتہ کو قرآن نے ان لفظون مین ادا کیا

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود)	اور اگر خدا چاہتا تو تمام آدمیون کو ایک ہی اُمّت بنا دیتا لیکن لوگ ہمیشہ مختلف رہین گے بجز ان کے جن پر تیرے خدا کا رحم ہوا اور خدا نے اسی لئے ان لوگون کو بنایا ہی ہے۔
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	اور اگر خدا چاہتا تو دنیا کے تمام آدمی مسلمان ہو جاتے
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (مائدہ)	اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بناتا۔
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۔ (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو لوگ شرک نہ کرتے
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا۔
أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا (رعد)	کیا مسلمان مایوس نہین ہوے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام لوگون کو ہدایت کر دیتا۔
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (شوریٰ)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بناتا۔
وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (نحل)	اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لاتا۔
وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (سجدہ)	اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کر دیتے۔

بعض وقت جناب رسول اللہ کو بہ اقتضاے بشریت کافرون کی سرکشی اور بے پروائی

گران گذرتی تھی- اسپر قرآن مجید مین یہ آیت اتری-

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ -

اور اگر ان کی سرکشی تجھ پر گران گذرتی ہو تو ممکن ہو کہ زمین کے اندر سرنگ تلاش کر دیا آسمان مین سیڑھی بہم پہنچا تاکہ انکو کوئی معجزہ دکھاؤ (تو کر دیکھو) اور اگر خدا چاہتا تو سب کو راہ راست پر متفق کر دیتا - تو دیکھ جاہل نہ بن -

لیکن چونکہ اکثر انسانون کی فطرت ایسی بھی بنائی ہے کہ وہ ہدایت اور وعظ و پند سے حق بات قبول کر لیتے ہین، اس لئے اسلام نے وعظ اور پند کے ذریعہ سے دعوت اسلام کی اجازت دی اور فرمایا-

وَادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ - (نحل)

لوگون کو اپنے خدا کے راستہ کی طرف بلا بذریعہ حکمت کے اور بذریعہ وعظ کے اور لوگون سے بحث کر معقول طریقے سے

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ

لوگون کو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنے والا ہے نہ کہ داروغہ

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا - (مزمل)

تو جس کے جی مین آئے وہ اپنے خدا کی راہ اختیار کرے-

أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ - (یونس)

کیا تو لوگون کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہے-

اعتقاد اور یقین ایسی چیز ہے جو دل سے متعلق ہے اس لئے کوئی شخص کسی کے دل مین کوئی یقین جبر اور زبردستی سے نہین پیدا کر سکتا، اس بنا پر مذہب مین جبر کرنا بالکل بے فائدہ چیز ہے لیکن یہ نکتہ اس وقت تک دنیا کی سمجھ مین نہ آیا جب تک اسلام نے یہ نہین کہا کہ

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ - (آل عمران)

مذہب کوئی زبردستی کی چیز نہین-

ژول سیمان جو فرانس کا بہت بڑا فاضل گذرا ہے لکھتا ہے کہ "مذہبی آزادی کو کچھ بہت دن نہین گذرے کیونکہ دنیا کی تمام تاریخین درحقیقت مذہبی تعصب اور کینہ وری کا مجموعہ ہین" اسکے بعد فاضل مذکور نے قرون اولی سے عہد وسطی تک مذہبی تعصب کے واقعات تفصیل کے ساتھ گنائے ہین، اخیر مین لکھا ہے کہ بالآخر فلسفیانہ روح نے ۴۔ اگست ۱۷۸۹ع کو مذہبی آزادی پر بحث کی لیکن یہ خیال وجود مین اُس وقت آیا جب یہودیوں کو ۱۷۹۱ع مین ظلم سے نجات دی گئی تاہم چونکہ فرنچ رولیوشن کا طریق انتظام اچھا نہ تھا اس لئے وہ مذہبی آزادی کو مضبوط بنیاد پر قائم نہ کرسکا"

یہ فاضل ژول سیمان جس چیز کی ابتدا ۱۷۸۹ء سے بیان کرتا ہے، اسلام مین بارہ سو برس پہلے قایم ہوچکی تھی، لیکن چونکہ فاضل مذکور، اسلام کی حقیقت اور تاریخ سے واقف نہ تھا اُسنے دوسرے قومون کی بناپر تمام عالم کی نسبت عام راے قایم کی اور اسکو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔

(۵) ترقی تمدن کے بڑے اسباب مین سے ایک یہ ہے کہ عورتون اور مردون کے حقوق برابر قائم کیے جائین۔ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا عمل اس اصول کے خلاف تھا، اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اسکی تلقین کی چنانچہ یہ بحث نہایت تفصیل کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے۔

(۶) کسی قوم کی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ اس کے ہر فرد کو من حیث القوم سلف آئرمینی اپنے آپ غرت کا خیال دلایا جائے"، اسلام نے ابتدا ہی سے اس نکتہ کو

ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مسلمانون کو مخاطب کرکے کہا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ	تم تمام قومون سے بڑھکر ہو۔
لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	عزت خدا کے لئے ہی اور اُسکے رسول کے لئے اور مسلمانون کے لئے

قرن اوّل مین یعنی جب تک اسلام اسلام رہا یہ خیال تمام مسلمانون مین اس قدر جاگزین تھا کہ قوم کا ہر ہر فرد من حیث القوم اپنے آپ کو افضل ترین عالم سمجھتا تھا، یہی سلف آخر کا خیال تھا جو مسلمانون کے ہر قسم کے حوصلہ مندیون اولوالعزمیون، بلند خیالیون کا باعث تھا، تاریخون مین تم نے پڑھا ہوگا کہ ایک معمولی درجہ کا مسلمان بھی قیصر و کسریٰ کے دربار مین کس دلیری اور آزادی سے سوال و جواب کرتا تھا۔

(۷) ترقی کا مقدم ترین اصول، علم ہے، اسلام نے علم کو گویا لازمۂ اسلام قرار دیا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مین علم کی تحصیل کے متعلق کثرت سے جو ہدایتین ہین، اُن سے قطع نظر واقعات پر نظر ڈالو، تاریخ ہر ہر قدم پر اس بات کی شہادت دینے کے لئے موجود ہے کہ اسلام دنیا مین جہان جہان گیا علم کو ساتھ لیکر گیا، وہ قومین جو ازل سے جاہل اور اُمّی رہتی آئی تھین جس دن اسلام لائین علم و فن سے معمور ہوگئین، عرب ابتدا سے عالم سے جاہل تھا یہان تک کہ اسلام کے اوائل تک بڑے بڑے شعرا لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے تھے روبہ جو مشہور شاعر تھا لکھا پڑھا تھا لیکن ایک موقع پر جب اس کو کچھ لکھنا پڑا تو اُس نے حاضرین سے نہایت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ یہ راز کہین ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری بڑی بدنامی ہوگی، لیکن یہی عرب اسلام کے وجود کے ساتھ علوم و فنون کا مرکز بن گیا

اور امام شافعی، امام مالک، زہری، جیسے مجتہدین وہان پیدا ہونے لگے، ترکون کی قوم ہزارون برس پہلے سے موجود تھی لیکن انکا امتیازی وصف یہ تھا ع جہان بر دند صبر از دل کہ ترکان خوان یغمار ا! یہی ترک تھے جن مین اسلام لانے کے ساتھ حکیم ابو نصر فارابی اور امیر خسرو اور سیکڑون علما و شعرا پیدا ہوے۔ جن جن قومون نے دنیا مین اسلام قبول کیا، ان سب کا شمار کرو، اور دیکھو کہ اسلام سے قبل اُن کی علمی حالت کیا تھی اور کیا ہو گئی صاف نظر آئے گا کہ علم، اسلام کے عنصر مین داخل تھا۔

حکومت جمہوری

(۸) ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ نظام حکومت۔ جمہوریت کی بنا پر قائم کیا جائے اس اصول پر اسلام نے اسقدر زور دیا کہ خود آنحضرت کو اسکی پابندی کا حکم ہوا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ	اور لوگون سے مشورہ کر

حالانکہ وحی و الہام ہوتے ہوئے آپ کو کسی سے مشورہ اور صلاح لینے کی کیا حاجت تھی مزید تاکید کے لئے مسلمانون کی امتیازی خصوصیت یہ قرار دی۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ	ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔

تقسیم عمل

(۹) ترقی کا بڑا اصول یہ ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کام کیا جائے یعنی ہر فرقہ ایک خاص کام مین مشغول ہو تاکہ اس کام کو بوجہ خصوصیت کے نہایت اعلی درجہ تک ترقی دے سکے، یورپ مین یہ اصول یہان تک ترقی کر گیا ہے کہ طبیبون اور حکیمون مین بھی خاص خاص امراض کے الگ الگ طبیب ہین اور وہ ان امراض کے سوا اور بیماریون کے علاج سے واسطہ نہین رکھتے، خود قدرت نے اسی اصول پر عمل کیا ہے، ہاتھ پاؤن، سر، دل، دماغ

کام الگ الگ تقسیم کر دیے ہین، اسلام نے اس اصول کے طرف ان الفاظ مین اشارہ کیا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔	اور تم مین سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ لوگونکو اچھے کام کی رغبت دلائے اچھی باتون کا حکم دے۔ بُری باتون سے روکے
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ۔	تمام مسلمانون کو اٹھ کھڑا نہین ہونا چاہئے لیکن یہ تو ہونا چاہئے کہ ہر گروہ مین سے کچھ لوگ آمادہ ہون کہ مذہب مین تفقہ حاصل کرین۔

(۱۰) ہر زمانہ مین ایک گروہ ایسا ہوتا آیا ہے جس کی یہ راے ہے کہ انسانون کے افراد مین جو اختلاف مراتب ہے یہ مٹا دیا جاے یورپ مین انارکسٹ نہلسٹ وغیرہ اسی خیال کے لوگ ہین، لیکن یہ درحقیقت اصول فطرت کے خلاف ہے، اور اگر اسپر عمل کیا جائے تو ہر قسم کی ترقیان دفعۃً رک جائین۔ اسلام نے اسکا فلسفہ ان لفظون مین ادا کیا۔

انسانون کا مختلف المراتب ہونا

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا	ہم نے دنیا مین انسانون کی روزی ان کے باہم تقسیم کی ہے اور ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تاکہ ایک کو ایک اپنے کام مین لاے۔

علمی ترقی کی انتہا نہ ہونی

(۱۱) ترقی کا بہت بڑا اصول یہ ہے کہ علمی ترقی کی کوئی انتہا نہ قرار دیجاے یعنی انسان ترقی کی کسی حد تک پہنچکر قانع نہ ہو، اور یہ خیال رکھے کہ ابھی ترقی کے اور منازل طے کرنے باقی ہین، اس مسئلہ پر اسلام نے اس قدر زور دیا کہ خود جناب سرور کائنات کو جو علوم لدنیہ سے ممتاز تھے ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

کہہ کہ اے خدا مجکو اور زیادہ علم دے	قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً

دین و دنیا کا باہمی تعلق

دین و دنیا کا تعلق

مذہب کے حق و باطل ہونے کا یہ بہت بڑا معیار ہے۔ ابتدائے عالم سے آج تک تمام مذاہب اور تمام قومون نے (بجز اسلام) کے اس معیار مین غلطی کی ہے، فرقہ اباحیہ مزدکیہ اور متبعان ایپکیوریس صرف دنیاوی لذائذ کے قائل تھے، باقی تمام دیگر مذاہب نے دنیاوی تمتعات کو ہیچ بتایا، اور جس قدر انسان دنیاوی حظوظ سے کنارہ کش رہے اسی نسبت سے کمال کے مدارج قائم کئے اسی خیال سے دنیا مین جوگی، تارک الدنیا، راہب، منک اور سنیاسی پیدا کئے اور ان لوگون کی وہ عزت دلون مین قائم کی کہ ایک ذلیل بوریا نشین کے آگے بڑے سے بڑے شہنشاہ کا سر جھک جاتا ہے۔

نویر باتس لکھتا ہے کہ مذہب کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ملکی اور سیاسی زندگی تباہ کر دی جائے، دنیا کے تمام کاروبار اس غرض سے چھوڑ دئے جائین کہ نہایت خضوع کے ساتھ بہشت کے انتظار مین گُھلا جائے اور ہر قسم کے فطری جذبات اور خواہشین فنا کر دی جائین۔

لاروس لکھتا ہے کہ زاہدون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطرتی خواہشون کا جو انسان پر ہے بالکل کو بالکل مٹا دین،" مذہب کی تخصیص نہین فلسفہ و حکمت کا میلان بھی اسی طرف ہے سقراط افلاطون دیوجانس کلبی، ابونصر فارابی کی زندگی بالکل جوگیون کی طرز زندگی سے

مشابہ تھی۔ خوب غور سے دیکھو یہ خیال تمام دنیا پر کس قدر چھایا ہوا ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت سنتے ہین کہ دنیا اس کی نظر مین ہیچ ہے وہ فرش خاک پر پڑا رہتا ہے۔ نان جوین پر بسر کرلیتا ہے، تو خود بخود ہمارے دل مین اس کی وقعت قائم ہو جاتی ہے اور ہم اس سے کچھ بحث نہین کرتے کہ ان باتون کے سوا اسمین کوئی اور کمال بھی ہے یا نہین۔

دین اور دنیا کا موازنہ اور ان مین صحیح تناسب کا قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے اہل نظر اس کو ناممکن الحصول قرار دیکر اس کے حاصل ہونے پر حسرت ظاہر کرتے ہین۔ ہنری برنجیہ۔ ریویو آف ریویو (جلد ۲۴) مین لکھتا ہے "آہ کاش کوئی ذہین شخص مذہبی اور علمی تعصب کے نقابون کو ایک ساتھ چاک کر ڈالتا اور اس مضبوط تعلق کو جو مذہبی خیال اور علمی تفکر مین ہے کھول کر دکھا دیتا۔ ایسا کرنے سے جو رنج وہ کشمکش دونون مین ایک مدت سے چلی آتی ہے وہ مٹ جاتی"

اب دیکھو اسلام نے دین و دنیا کا کیونکر موازنہ کیا اس نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دنیا کے خیال کو مٹایا۔

رہبانیت کو مٹانا

وَرُهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ	اور جوگی پنا جس کو عیسائیون نے ایجاد کیا ہمنے انپر نہین لکھا تھا
وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا	دنیا مین تمھارا جو حصہ ہے اُس کو بھول نہ جاؤ۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ	مسلمانو خدا نے جو اچھی چیزین تم کو حلال کی ہین انکو حرام نکرو
قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ	اے محمد صلعم کہدو کہ خدا نے جو آرایش بندون کے لئے پیدا کی ہو اسکو حرام کسنے کیا، اور اچھی خوراکون کو کسنے حرام کیا

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ	خدا تمھارے ساتھ آسانی کا برتاؤ چاہتا ہے نہ کہ سختی کا۔

تمام دیگر مذاہب کی تلقین ہی کہ اس وسیع دنیا سے انسان کا حصہ سد رمق کھانا اور دو گز کپڑا ہے لیکن اسلام بتاتا ہے کہ دنیا مین جو کچھ ہے زمین دشت کوہ دریا درخت چارپائے لعل و جواہر فوائد و روائح سب اس لئے ہین کہ انسان اُس سے جائز طور پر لطف اٹھائے۔

وَسَخَّرَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	اور خدا نے تمھارے لیے زمین اور آسمان کی تمام چیزونکو مسخر
أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان)	کر دیا اور تمھارے اوپر اپنی ہر قسم کی نعمتین ظاہری اور باطنی پوری
وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	کر دین اور خدا نے تمھارے لئے رات۔ دن۔ سورج۔ چاند کو
وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ (نحل)	مسخر کر دیا اور ستارے بھی تمھارے تابع فرمان ہین
وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا	وہی خدا ہے جس نے دریا کو اسلئے مسخر کر دیا کہ اُس سے تازہ گوشت
وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ	کھاؤ۔ اور اُس سے زیور نکالو جسکو تم پہنتے ہو اور تو کشتیونکو دیکھتا ہے
فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ	کہ پھاڑتی ہوئی چلی جا رہی ہین اور تاکہ تم خدا کا فضل (تجارت) تلاش کرو
وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا	اور گھوڑون اور گدہون اور خچرون کو تمھاری سواری
وَزِينَةً	اور آرایش کے لیے پیدا کیا۔
وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ	اور بہت سی چیزین تمھارے لئے زمین مین پیدا کین جنکے رنگ مختلف ہین
يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ	اور وہی تمھارے لئے پانی سے کھیتی۔ زیتون۔ کھجور۔ اور انگور
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ	اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے۔

اس قسم کی سیکڑون آیتین ہین جنکا استقصا ضروری نہین۔

ان آیتون مین بہ تصریح و توضیح بیان کیا کہ دنیا مین جو کچھ ہے سب اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔ اور اسی غرض سے خدا نے تمام چیزون کو انسان کا مسخر کر دیا۔ تسخیر مین جس قسم کی تعمیم قرآن نے بیان کی وہ بظاہر استعارہ یا شاعرانہ طرزادا معلوم ہوتا ہے لیکن زمانہ ہر روز ثابت کرتا جاتا ہے کہ استعارہ نہین بلکہ حقیقی معنی مقصود ہین۔ بھاپ۔ بجلی۔ الکٹرسٹی۔ ہوا وغیرہ یہ چیزین کس طرح مسخر ہو چکین، اور ان کی تسخیر سے کیسے کیسے عجیب و غریب کام لیے گئے

یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ و لذائذ جن چیزون کا نام ہے گو وہ ہزارون لاکھون ہین لیکن انکو اگر اقسام مین محدود کیا جائے تو کل تین قسمین ٹھہرین گی دولت و مال۔ آل و اولاد۔ شہرت اور بقائے نام۔ اب دیکھو اسلام نے ان کے متعلق کیا کہا۔

توانگری اور جاہ و دولت کو ان نعمائے الٰہی مین شمار کیا جن کے عطا کرنے کا احسان انبیاء علیہم السلام پر رکھا گیا، جناب رسول اللہ صلعم پر خدا نے جو احسانات کیے ان کا جہان تذکرہ کیا یہ بھی فرمایا۔

دنیا کا متعہ

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ	اور تجکو مفلس پایا تھا تو غنی کر دیا۔

حضرت سلیمان کو جو سلطنت اور جاہ و دولت عطا کی گئی اس کا ذکر قرآن مجید مین نہایت شان و شوکت سے کیا اور اسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خود حضرت سلیمان نے خدا سے اسکی استدعا کی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي	خدایا مجکو ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے۔

بنو اسرائیل پر خدا نے جو احسانات کیے ان مین بڑا احسان یہ جتایا۔

إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا	تم لوگون مین پیغمبر اور بادشاہ پیدا کیے
وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ	اور ہمنے بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور پیغمبری دی

ایک اور آیت مین ہے۔

فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا	سو ہمنے ابراہیم کے خاندان کو کتاب و حکومت دی اور انکو بہت بڑا ملک دیا

سب سے بڑھکر یہ کہ امت محمدیہ کو اعمال صالحہ کے معاوضہ مین جس چیز کے عطا کرنے کا وعدہ ہوا وہ خلافت اور سلطنت تھی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ	خدا نے ان لوگون سے جو ایمان لائے اور جنھون نے اچھے کام کیے یہ وعدہ کیا کہ ان کو خلافت دیگا۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا جہان ذکر کیا اس کی دنیاوی ترقیون کا ذکر اس پیرایہ مین کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ترقیون کو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے مین بڑا دخل ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا	اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی، اور اُن کو خشکی و تری مین پہنچایا۔ اور انکو اچھے کھانے دیے اور انکو اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

ایک بہت بڑا قرینہ جس سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن مجید مین خدا نے مال و دولت کو کس لقب سے یاد کیا ہے استقصا اور تفحص سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے ۲۱ جگہ اس کو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ۲ جگہ حسنہ کہا ہے، اور ۲ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے

قرآن مجید مین مال و دولت کو کن الفاظ سے یاد کیا ہے

چنانچہ علامہ احمد بن محمد الرازی نے ان تمام مقامات کی آیتین بعینہا نقل کی ہین ہم نمونہ کے طور پر
چند آیتون کو نقل کرتے ہین جن مین مال کو خیر کے لقب سے یاد کیا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ - وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ - قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ - وَمَا تُنْفِقُوا
مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ - وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ - مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ - كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ
خَيْرًا - اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ - وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ - وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ -

دنیاوی حظوظ کی دوسری قسم آل و اولاد ہے، قرآن مجید مین ایک موقع پر خدا نے
اپنے خاص بندون کے امتیازی اوصاف گنائے ہین، چنانچہ ان الفاظ سے ابتدا کی ہے
وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ۔ ان اوصاف مین سے ایک وصف یہ گنایا ہے
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہین کہ اے پروردگار ہم کو ہماری
وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ بیویون اور اولاد سے آنکھ کی ٹھنڈک دے۔

تیسری چیز شہرت اور نیکنامی ہے، اس کا احسان خدا نے خود آنحضرت صلعم پر رکھا اور فرمایا
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ -

اخیر مین یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ قرآن مجید نے مختلف موقعون پر دولت و مال کی
برائی بھی بیان کی ہے لیکن جب دونون قسم کے موقعون کا موازنہ کیا جائے تو صاف
نظر آئے گا کہ جس دولت و مال کی برائی بیان کی ہے وہ وہ ہے کہ بے موقع اور
بیجا صرف کی جائے اور اس کی برائی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

تمت

ضمیمہ

بحث نبوت از مطالب عالیہ امام رازی

القسم الثانی من کتاب النبوات فی تقریر القول بالنبوۃ علی طریق اٰخر وفیہ فصول

الفصل الاول فی تمییز ھذا الطریق عن الطریق المشھور، فنقول اعلم ان القائلین بالنبوات فریقان احدھما الذین یقولون ان ظھور المعجزات علی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدل علی صدقہ ثم انا نستدل بقولہ علی تحقیق الحق وابطال الباطل وھذا القول ھو الطریق الاول وعلیہ عامۃ ارباب الملل والنحل والقول الثانی ان نقول انا نعرف اولاً ان الحق والصدق فی الاعتقادات ما ھو؟ وان الصواب فی الاعمال ما ھو؟ فاذا عرفنا ذالک ثم رأینا انساناً یدعو الخلق الی الدین الحق ورأینا ان لقولہ اثراً قویاً فی صرف الخلق من الباطل الی الحق عرفنا انہ نبی صادق واجب الاتباع وھذا الطریق اقرب الی العقل والشبھات فیہ اقل وتقریرہ لابد ان یکون مسبوقاً بمقدمات۔

المقدمۃ الاولی اعلم ان کمال حال الانسان فی ان یعرف الحق لذاتہ والخیر لاجل العمل بہ والمراد منہ ان کمال حالہ محصور فی امرین احدھما ان تصیر قوتہ النظریۃ کاملۃ بحیث تتجلی فیھا صور الاشیاء وحقائقھا تجلیاً کاملاً مبرأ عن الخطأ والزلل والثانی ان تصیر

۱؎ اس عربی عبارت کا ماحصل خاتمہ کتاب میں بزبان اردو ادا کیا گیا ہی

قوته العملية كاملة بحيث يحصل لصاحبها ملكة يقتدر بها على الاتيان بالاعمال الصالحة والمراد من الاعمال الصالحة الاحوال التي توجب النفرة عن السعادات البدنية وتوجب الرغبة في عالم الآخرة وفي الروحانيات فقد ظهر بهذا انه لا سعادة للانسان الا بالوصول الى هاتين الحالتين وهذه المقدمة مقدمة اطبقت الانبياء على صحتها واتفق الحكماء الالهيون على حقيقتها ولا ترى في الدنيا عاقلا كامل العقل الا وهو يساعد عليها -

المقدمة الثانية الناس ينقسمون الى ثلثة اقسام احدها الذين يكونون ناقصين في هذه المعارف وفي هذه الاعمال وهم عامة الخلق وجمهورهم وثانيها الذين يكونون كاملين في هذين المقامين الا انهم لا يقدرون على علاج الناقصين وهم الاولياء وثالثها الذين يكونون كاملين في هذين المقامين ويقدرون ايضا على معالجة الناقصين ويمكنهم السعي في نقل الناقصين من حضيض النقصان الى اوج الكمال وهؤلاء هم الانبياء عليهم السلام وهذا تقسيم معلوم مضبوط

المقدمة الثالثة ان درجات النقصان والكمال في القوة النظرية وفي القوة العملية كانها غير متناهية بحسب الشدة والضعف والكثرة والقلة وذلك ايضا معلوم بالضرورة

المقدمة الرابعة ان النقصان وان كان شاملا للخلق عاما فيهم الا انه لابد وان يوجد فيهم شخص كامل بعيد عن النقصان والدليل عليه من وجوه الاول انا بينا ان الكمال والنقصان واقع في الخلق على مراتب مختلفة ودرجات متفاوتة ثم انا نشاهد اشخاصا بلغوا في غاية النقصان وقلة الفهم والادراك الى حيث قربوا من البهائم والسباع فكذلك في الكمال

الکمال لابد وان توجد اشخاص کاملة فاضلة ولابد وان یوجد فیما بینهم شخص یکون
افضلهم واکملهم وهو یکون فی اخر مراتب الانسانیة واول من اتب الملکیة الثانی ان الاستقرا
یدل علی ما ذکرناه وذلک لان الجسم العنصری جنس تحته ثلاثة انواع المعدن والنبات
والحیوان وصریح العقل تشهد بان اشرف هذه الثلاثة الحیوان واوسطها النبات وادونها
المعادن ثم نقول الحیوان جنس تحته انواع کثیرة واشرفها هو الانسان وایضا فالانسان
تحته اصناف کثیرة مثل الزنجی والهندی والرومی والعربی والافرنجی والترکی ولاشک ان
اشرف اصناف الانسان واقربهم الی الکمال سکان وسط المعمورة وهم سکان الموضع
المسمی بایران شهر ثم ان هذا الصنف من الناس مختلفون ایضا فی الکمال والنقصان فلاشک انه
یحصل فیهم شخص واحد هو افضلهم واکملهم فعلی هذا قد ثبت انه لابد وان یحصل فی
کل دور شخص واحد هو افضلهم واکملهم فی القوة النظریة والعملیة ثم ان الصوفیة
یسمونه بقطب العالم ولقد صدقوا فیه فانه لما کان الجزء الاشرف من سکان هذا
العالم الاسفل هو الانسان الذی حصلت له القوة النظریة التی بها یستفید الانوار
القدسیة من عالم الملئکة وحصلت له القوة العملیة التی بها یقدر علی تدبیر هذا العالم
الجسمانی علی الطریق الاصلح والسبیل الاکمل ثم ان ذلک الانسان الواحد هو اکمل الاشخاص
الموجودین فی ذلک البلد وکان المقصود الاصلی من کل هذا العالم العنصری وجود ذلک
الشخص ولاشک ان المقصود بالذات هو الکامل واما الناقص فانه یکون
مقصودا بالعرض فثبت ان ذلک الشخص هو القطب لهذا العالم العنصری وهو سواء

فكالتبع له وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بالامام المعصوم وقد يسمونه بقطب الزمان
ويقولون انه غائب فلقد حصل قوانى الوصفين ايضا لانه اذا كان خاليا عن النقائص
التي هي حاصلة في غيره كان معصوما من تلك النقائص وهو ايضا قطب الزمان لانا قلنا
ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات في ذلك الزمان وما سواه فكالاتباع له وهو ايضا
غائب عن الخلق لان الخلق لا يعلمون ان ذلك الشخص هو افضل هذا الدور واكملهم
واقول ولعله لا يعرف ذلك الشخص ايضا انه افضل اهل الدور وانه وان كان يعرف
حال نفسه الا انه لا يمكنه ان يعرف حال غيره فذلك الشخص لا يعرف غيره وهو ايضا لا يعرف
نفسه فهو كما جاء في الاخبار الالهية انه تعالى قال اوليائى تحت قبائى لا يعرفهم غيرى
فثبت بهذا ان كل دور لا بد وان يحصل فيه شخص موصوف بصفات الكمال ثم انه لا بد
وان يحصل في هذه الادوار المتلاحقة دور يحصل فيه شخص واحد يكون هو افضل من
كل اولئك الذين كل واحد منهم صاحب دوره وفريد عصره وذلك الدور المشتمل على
مثل ذلك الشخص لا يوجد في الف سنة او اكثر واقل الا مرة واحدة فيكون ذلك الشخص
هو الرسول المعظم والنبى المكرم وواضع الشرائع والهادى الى الحقائق وتكون نسبته
الى سائر اصحاب الادوار كنسبة الشمس الى الكواكب ثم لا بد وان يحصل فى سائر الادوار
انسان هو اقربهم الى صاحب الدور في صفات الفضيلة فيكون ذلك الشخص بالنسبة اليه
كالقمر بالنسبة الى الشمس وهو الامام القائم مقامه والمقرر لشرعه ثم اما سائر فقوى فنسبة
كل واحد منهم الى صاحب الدور الاعظم كنسبة كوكب من الكواكب السيارة الى الشمس ثم علوم الخلق

فهم بالنسبة الى اصحاب الادوار مثل حوادث هذا العالم بالنسبة الى الشمس والقمر وسائر الكواكب وكما ان عقول الناقصين تكمل بانوار عقول اصحاب الادوار فتقوى بقوة نهاية الكلام كلامهم معقول مرتب على هذا الاستقراء الذى يفيد القطع واليقين -

المقدمة الخامسة ان خاتم الانسان هو اكمل الكاملين وافضل الفضلاء والعلماء يكون فى آخر الافق الاعلى من الانسانية وقد علمت ان آخر كل نوع متصل باول النوع الذى هو اشرف منه والاشرف من النوع البشرى هو الملائكة فيكون آخر البشرية متصلا باول الملائكة ولما بينا ان خاتم الانسان الموجود فى اعلى مراتب البشرية وجب ان يكون متصلا باول الملائكة ومختلطا بهم ولما كان من خواص عالم الملائكة البرأة عن العلائق الجسمانية والاستيلاء على عالم الاجسام والاستغناء فى افعالها عن الآلات الجسمانية كان هذا الانسان موصوفا بما يناسب هذه الصفات فيكون قليل الالتفات الى الجسمانيات قوى التصرف فيها شديد الانجذاب الى عالم الروحانيات فتكون قوته النظرية مستكملة بانواع الجلايا القدسية والمعارف الالهية وتكون قوته العملية موثرة فى اجسام هذا العالم بانواع التصرفات وذلك هو المراد من المعجزات ثم بعد الفراغ من هذين المقامين تكون قوته الروحانية موثرة فى تكميل ارواح الناقصين فى قوة النظر والعمل ولما عرفت ان النفوس الناطقة مختلفة بالماهيات فقد تكون بعض النفوس قوية كاملة فى القوة النظرية وضعيفة فى القوة العملية وقد تكون بالضد منه فتكون قوية فى التصرف فى اجسام العالم العنصرى وضعيفة فى

المعارف الالهية وقد تكون كاملة قاهرة فيهما جميعا وذلك في غاية الندرة وقد تكون
ناقصة فيهما جميعا وذلك هو الغالب في اكثر الخلق واذا عرفت هذه المقدمة فنقول
مرض النفوس الناطقة شيئان الاعراض عن الحق والاقبال على الخلق وصحتها
شيئان الاقبال على الحق والاعراض عن الخلق فكل من دعا الخلق الى الاقبال على
الحق والاعراض عن الخلق فهو النبي الصادق وقد ذكرنا ان مراتب هذا النوع
من الناس مختلفة بالقوة والضعف والكمال والنقصان فكل من كانت قدرته
على افادة هذه الصحة اكمل كان اعلى في درجة النبوة وكل من كانت قدرته في هذا
الباب اضعف كان انقص في درجة النبوة فهذا ما اردنا شرحه وبيانه من حال النبوة والله اعلم

الفصل الثاني

في ان القران العظيم يدل على ان هذا الطريق هو الطريق الاكمل
الافضل في اثبات النبوة اعلم انا نذكر سورا من القران ونفسرها لتظهر من ذلك
التفسير صحة هذا الطريق الذي ذكرناه فمنها سورة سبح اسم ربك الاعلى فنقول
قد علمت ان الاصل هو الالهيات والفرع هو النبوات فلاجرم جرت العادة في القران
انه يقع الابتداء بتقرير الالهيات ثم يقع الشروع في تقرير النبوات بعدها ففي هذه السورة
بدأ بالالهيات فقال سبح اسم ربك الاعلى ومعناه انه اعلى من مناسبة جميع
الممكنات ومشابهة كل المحدثات لانها مركبة من المادة والصورة باعتبار ومن الجنس
والفصل باعتبار ثان ومن قبولها التغير والفناء اما في الذات واما في الصفات
وهو سبحانه اعلى من كل هذه الاشياء في كل هذه الصفات وفيه لطيفة اخرى لا يمكن ذكرها

واعلم ان اکثر الدلائل المذکورة فی القرآن علی اثبات الاله تعالی محصورة فی قاعدة واحدة وهی حدوث الصفات وهی اما فی الحیوانات او فی النبات والحیوان له بدن ونفس فقوله الذی خلق فسوی اشارة الی ما فی ابدانها من العجائب وقوله والذی قدر فهدی اشارة الی ما فی نفوسها من الغرائب فنبه بهذین الضابطین علی ما لا نهایة له فی العجائب والغرائب ثم اتبعه بذکر الدلائل المأخوذة من النبات وهو قوله والذی اخرج المرعی فجعله غثاء احوی ولما قرر امر الالهیات اتبعه بتقریر امر النبوات وقد علمت ان کمال حال الانبیاء فی حصول امور اربعة اولها کمال القوة النظریة وثانیها کمال القوة العملیه وثالثها قدرته علی تکمیل القوة النظریة التی لغیره ورابعها قدرته علی تکمیل القوة العملیة التی لغیره ولا شک ان کمال حاله فی القوتین مقدم علی قدرته علی تکمیل غیره فی هاتین القوتین ولا شک ان القوة النظریة اشرف من القوة العملیة فهذا البیان یقتضی ان یقع الابتداء اولا بشرح قوته النظریة وثانیا بشرح قوته العملیة وثالثا بکیفیة حاله فی القدرة علی تکمیل القوة النظریة التی للناقصین ورابعا بکیفیة حاله فی القدرة علی تکمیل القوة العملیة التی للناقصین فاذا ظهر کماله فی هذه المقامات الاربعة فحینئذ یظهر انه بلغ فی صفة النبوة والرسالة الی الغایة القصوی اذا عرفت هذا فنقول انه تعالی لما ذکر اصول الالهیات واراد الشروع فی صفات النبوة قال سنقرئک فلا تنسی یعنی ان نفسک نفس قدسیة امنته من الغلط والنسیان الا ما شاء الله انه یحصل بمقتضی الجبلة الانسانیة والطینة البشریة ثم اتبعه ببیان کمال حاله فی القوة

العملیة فقال ونیسرک للیسری معناه ان نقوی دواعیک فی الاعمال التی تفید الیسر و
السعادة فی الدنیا والاخرة ثم لما بین کمال حاله فی هذین المقامین اتبعہ بان امره بان
یشتغل بتکمیل الناقصین وارشاد المحتاجین فقال فذکر ان نفعت الذکری
فقوله فذکر امر له بارشاد الناقصین وقوله ان نفعت تنبیه علی انه لیس کل من تذکر
ذلک انتفع به فان النفوس الناطقة مختلفة فبعضها ینتفع بذلک وبعضها
لا ینتفع وبعضها یضره سماع ذلک التذکیر لانه عند سماعه یکثر فی قلبه دواعی الحسد
والغیظ والغضب والاصرار علی الجهل ثم لما نبه تعالی علی ان المستمع لذلک التذکیر
قد ینتفع به وقد لا ینتفع به اتبعه ببیان خاصیة کل واحد من هذین القسمین
فقال سیذکر من یخشی ویتجنبها الاشقی الذی یصلی النار الکبری فبین ان صفة
من ینتفع بهذا التذکیر هو ان یکون الخوف غالبا علی قلبه والخشیة مستولیة علی
روحه فلاجل ذلک الخوف یطلب زاد المعاد فلاجرم ینتفع بارشاد هذا الحق واما
الذی لا ینتفع بهذا التذکیر فیتباعد منه ویجتنب من القرب منه فهو النفس الموصوفة
بکونها اشقی فانها تبقی فی عناء هذا العالم وبعد الموت تقع فی نیران الحسرة والوحشة
ثم لما بان هذا زاد فی صفته فقال ثم لا یموت فیها ولا یحیی وانما قال انه لا یموت فیها
لما ثبت ان النفس لا تموت بموت البدن وانما قال ولا یحیی لانها وان بقیت حیة
لکنها بقیت فی العذاب والموت خیر من هذه الحیوة فلهذا قال ثم لا یموت فیها
ولا یحیی ولما بین وعید من لا ینتفع بهذا الکتبین کمال حال من ینتفع فقال قد افلح

من تزكى وذلك لان المقصود من تعليم الانبياء وتذكيرهم وارشادهم امران احدهما
ازالة الاخلاق الذميمة الظلمانية عن النفس والثاني تحصيل الصفات الحميدة الروحانية
في النفس ولما كانت ازالة ما لا ينبغي متقدمة على تحصيل ما ينبغي لا جرم ابتدأ بقوله قد افلح
من تزكى والمراد منه تزكية النفس وتطهيرها عن الصفات المذمومة ولما ذكر ذلك اتبعه
بتحصيل ما ينبغي وذلك اما في القوة النظرية او في القوة العملية ورئيس المعارف النظرية
ذكر الله ومعرفته ورئيس الاعمال الفاضلة خدمة الله فلهذا قال وذكر اسم ربه فصلى
وهو اشارة الى استعداد الانسان في تكميل القوة النظرية بارشاد الانبياء وقوله فصلى هو
اشارة الى استعداده في تكميل قوته العملية بارشادهم وهدايتهم ثم عاد الى حال الذين
من الانتفاع بارشاد الانبياء وهدايتهم وبين ان ذلك الاعراض انما تولد عن حب الدنيا
وقوة الرغبة فيها فقال بل تؤثرون الحيوة الدنيا ثم بين ان الرغبة في الروحانيات
التي تحصل في عالم الاخرة راجحة على اللذات الدنياوية من وجهين احدهما انها خير من
اللذات الجسمانية وقد سبق تقريره في كتاب التفسير والثاني انها ابقى من هذه الجسمانيات
وذلك معلوم بالضرورة فقال والاخرة خير وابقى واعلم انه ظهر بهذه الايات امور اربعة
اولها احوال الالهيات وثانيها صفات النبي والرسول وثالثها انقسام المستمعين الى
من ينتفع بارشاد الانبياء والى من لا ينتفع به وبيان احوال كل واحد من هذين القسمين
ورابعها التنبيه على ان خيرات الاخرة افضل وابقى من خيرات هذه الحيوة الدنيا والافضل
الابقى اولى بالتحصيل وعند هذا قد تم كل ما يحتاج الانسان اليه في معرفة المبدأ ومعرفة

صفات الانبياء ومعرفة احوال النفس ومعرفة الاخرة ثم ختم السورة بقوله ان هذا لفي الصحف
الاولى صحف ابراهيم وموسى والمعنى ان كل من جاء من الانبياء فانزل الله كتابا او صحيفة
فالمقصود منه ليس الا هذه المراتب الاربع المذكورة ومن وقف على اسرار هذه السورة
على الوجه الذي لخصناه علم ان حقيقة القول في النبوة ليس الا ما ذكرناه ومن جملة السور
اللائقة بهذا المعنى سورة العصر فبدء بقوله ان الانسان لفي خسر وذلك لانا بينا انه حصل
في بدنه تسعة عشر نوعا من انواع القوى وكلها تجره الى الدنيا وطيباتها ولذاتها وهي
الحواس الخمس الظاهرة والخمس الباطنة والشهوة والغضب والسبع النباتية ومجموعها
تسعة عشر وهي الزبانية الواقفة على باب جهنم الجسد واما العقل فانه مصباح ضعيف
وانما حصل بعد استيلاء تلك التسعة عشر على مملكة البدن واذا كان كذلك فالظاهر
ان حب الدنيا يستولي على النفوس والارواح فاذا مات البدن بقيت النفس في الخسران و
الحرمان فلهذا قال ان الانسان لفي خسر ثم انه استثنى من هذا الخسران انسانا تناول
ترياق الاربعة وهو ترياق روحاني مركب من اخلاط اربعة متنافية اولها الكمال للقوة النظرية وهو
قوله الا الذين امنوا وثانيها الكمال للقوة العملية وهو قوله وعملوا الصلحت وثالثها السعي في
تكميل القوة النظرية للغير وهو قوله وتواصوا بالحق ورابعها السعي في تكميل القوة العملية
للغير وهو قوله وتواصوا بالصبر وانما عين الصبر لان البلاء الاكبر في دعاء الشهوة
الى الفساد ودعاء الغضب الى الايذاء وسفك الدماء كما اخبر عن الملائكة انهم قالوا
اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء فاذا قدر الانسان على الصبر على اجابة الشهوة

والغضب فقلي قادر بكل الخيرات في القوة العملية ومن جملة الآيات الدالة على صحة ما ذكرنا انه تعالى لما حكى عن الكفار انهم طلبوا منه عليه السلام المعجزات القاهرة في قوله تعالى

وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا الى آخره انه تعالى قال قل سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا يعني كون الشخص انسانا موصوفا بالرسالة معناه كونه كاملا في قوته النظرية والعملية وقادرا على معالجة الناقصين في هاتين القوتين وليس يلزم من حصول هذه الصفة كونه قادرا على الاحوال التي طلبتموها منه ومن جملة الآيات الدالة على ما ذكرناه انه تعالى لما قال في سورة الشعراء وانه لتنزيل رب العالمين اورد عليه سوال وهو انه لم لا يجوز ان يكون هذا من تنزيل الشياطين فقال جوابا عنه وما تنزلت به الشياطين .... ثم بين الجواب فقال هل انبئكم على من تنزل الشياطين تنزل على كل افاك اثيم والمعنى انه لو كانت الدعوة الى طلب الدنيا وطلب اللذات والشهوات كان ذالك الداعي افاكا اثيما والذين يعينونه عليه هم الشياطين اما انا فادعو الى الله والى الاعراض عن الدنيا والاقبال على الآخرة فلا يكون هذا باعانة الشياطين بل باعانة الله فاستدل بكون دعوته دعوة الى الله والى الحق على كونه نبيا صادقا لا ساحرا كاذبا ولما اورد عليه سوال آخر وهو ان لكل واحد من الشعراء شيطانا يعينه على شعره ثم لا يجوز ان يكون محمد كذلك اجاب عنه بقوله الشعراء يتبعهم الغاوون الم تر انهم في كل واد يهيمون والمعنى ان الشاعر انما يدعو الى الطمع في الدنيا والترغيب في اللذات البدنية واما انا فلا ادعو الا الى الله والى الدار الآخرة فامتنع ان يكون الناصر والمعين في هذه الطريقة هو الشيطان فظهر

الفرق فقد ظهر بهذه الآيات ان الطريق الذی ذکرناه فی اثبات النبوة هو الطریق الافضل الاکمل والله اعلم

الفصل الثالث فی صفة هذه الدعوة اعلم ان منصب النبوة والرسالة عبارة من دعوة الخلق من الاشتغال بالخلق الی خدمة الحق ومن الاقبال علی الدنیا الی الاقبال علی الآخرة فهذا هو المقصود الاصلی الا ان الناس لما کانوا حاضرین فی الدنیا ومحتاجین الی مصالحها وجب ان یکون له خوض فی هذا الباب ایضا بقدر الحاجة فنقول خوض الرسول اما ان یکون فیما یتعلق بالدین او فیما یتعلق بالدنیا اما القسم الاول وهو ما یتعلق بالدین فیجب علیه البحث فی امور ثلاثة الماضی والحال والمستقبل اما الماضی فهو ان یرشدهم الی ان هذا العالم محدث وله الٰه کان موجودا فی الازل وسیبقی فی الابد وانه منزه عن مماثلة الممکنات وانه موصوف بالصفات المعتبرة فی الالٰهیة والکمال وهی القدرة النافذة فی جمیع الممکنات والعلم الساری فی جمیع المعلومات والوحدانیة المطلقة بمعنی کونه منزها عن الاجزاء والابعاض والفردانیة المطلقة بمعنی کونه منزها عن الضد والند والصاحبة والولد ثم یجب علیه ان یبین لهم ان کل ما یدخل فی الوجود فهو بقضاء الله وقدره وانه منزه عن الظلم والعبث والباطل واعلم ان هذا الذی ذکرناه یتفرع علیه انواع من البحث الفرع الاول لا یلیق بصفات الدعوة ایراد هذه المطالب کما یوردها اهل الجدل والاستدلال لان ذلک الطریق یحمل السامعین علی الاعتراض علیه وعلی ایراد الاسئلة فانه اذا اشتغل بالجواب عنها فربما اورد علی تلک الاجوبة اسئلة ویحصل فتح باب الشاغبات والمجادلات

ولا یحصل المقصود البتة بل الواجب علیہ ایراد البیانات البرهانیة مخلوطة بطریق الخطابة من الترغیب والترهیب فانه بسبب ما فیه من قوة المقدمات البرهانیة یبقی مستعظما فی العقول وبسبب ما فیہ من طریقة الخطابة یکون تاثیرہ فی القلوب اکمل ویکون بعد السامعین عن سوء الادب الذی یحصل بسبب المشاغبات والفرع الثانی انه لا یجوز له ان یصرح بالتنزیه المحض لان قلوب اکثر الخلق تنفر عن قبول مثل هذا الکلام فاذا وقع التصریح بہ صار ذالک سببا لنفرة اکثر الخلق عن متابعتہ بل الواجب علیہ ان یبین انہ سبحانہ منزہ عن مشابهة المحدثات ومناسبة الممکنات کما قال لیس کمثله شئ وهو السمیع البصیر ثم یقول بعد ذالک وهو القاهر فوق عبادہ الیہ یصعد الکلم الطیب الرحمن علی العرش استوی ویمنعهم عن البحث فی هذہ المضائق الا اذا کان من الاذکیاء المحققین والعقلاء المدققین فانه بعقله الوافر یقف علی حقائق الاشیاء وایضا یبین لهم کون العبد صانعا فاعلا قادرا علی الفعل والترک والخیر والشر ویبالغ فیه فاما ان البقی الی هو الجبر المحض ترکوہ ولم یلتفتوا الیہ ویبین لهم ایضا انه وان کان الکل الا ان الکل بقضاء اللہ فلا یعزب عن علمه وحکمه مثقال ذرة فی السموات والارض ثم یمنعهم باقصی الوجوہ عن الخوض فی هذہ الدقائق فان طباع اکثر الخلق بعیدة عن هذہ الاشیاء وبالجملة فاحسن الطرق فی دعوة الخلق الی عبودیة الحق هو الطریق الذی جاء به سید الانبیاء وهو محمد علیہ السلام وذالک انه بالغ فی تعظیم اللہ تعالی من جمیع الوجوہ علی سبیل الاجمال ومنعهم عن الخوض فی التفاصیل فذکر فی اثبات التنزیہ قوله تعالی واللہ الغنی وانتم الفقراء واذا کان غنیا علی الاطلاق

امتنع کونه مولفا من الاجزاء واذا کان کذلک امتنع ان یکون متحیزا واذا کان کذلک امتنع
ان یکون حاصلاً فی الامکنة والاحیاز وذکر ایضاً قوله لیس کمثله شئ ولو کان جسما
لکان ذاته مثلا لسائر الاجسام بناء علی قولنا الاجسام متماثلة باسرها فتواته ذکر فی الاثبات
الالفاظ الکثیرة وبالغ فیه وهذا هو الواجب لانه لولم یذکر هذه الالفاظ لما تقرر
عند الاکثرین کونه موجودا وایضاً بالغ فی تقریر کونه عالماً بجمیع المعلومات فقال وعنده
مفاتح الغیب لایعلمها الا هو وقال الله یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الارحام ثم لم
یقع فی بیان انه عالم للذات او بالعلم وبین ایضاً کون العبد فاعلا وعاملا وصانعا
وخالقا محدثا فی آیات کثیرة ثم بین فی سائر الآیات ان الخیر والشر کله من الله ولم
یبین انه کیف الجمع بین هذین القولین بل اوجب الایمان بهما علی سبیل الاجمال و ایضاً
بین انه لا یعزب شئ عن مشیئة الله وارادته وقضائه وقدره ثم بین انه لا یرید الظلم
والعبث والباطل فالحاصل ان طریقته فی الدعوة هی تعظیم الله من جمیع الجهات
المعقولة والمنع من الخوض فی بیان ان تلک الجهات هل تتناقض ام لا فانا ان قلنا
القبائح من افعال العباد حصلت بتخلیق الله فقد عظمنا لا بحسب الحکمة لکن ما
عظمنا لا بحسب القدرة وبحسب الحکمة معاً فقال فی الاول قل کل من عند الله وقال
فی الثانی ما اصابک من حسنة فمن الله وما اصابک من سیئة فمن نفسک ثم
منع الناس من ان یخوضوا فی تقریر هذا التعارض وفی ازالته بل الواجب علی العوام
الایمان المطلق بتعظیم الله فی القدرة وفی الحکمة وفی الحقیقة فالذی قاله هو الصواب

الدعوة العامة لا تنتظم الا بهذا الطريق واما القسم الثاني من المباحث المتعلقة بالاديان

ما يتعلق باليوم الحاضر وذلك هو ان يكون العبد مشتغلا لزمان بخدمة المعبود

وتلك الخدمة اما ان تعتبر في القلب فهو بالمعارف والعلوم واما بالبدن وهو الاتيان

بالطاعات البدنية واما بالمال وهو الزكوة والصدقات ولما كان جمهور الخلائق محتاجين

الى مرشد يرشدهم الى هذه المعارف وهو النبي لا جرم وجب على الانبياء ان

يوجبوا عليهم الايمان بالانبياء والرسل

والقسم الثالث من المباحث المتعلقة بالاديان ما يتعلق باليوم المستقبل

وهو معرفة الآخرة واحوال ما بعد الموت فهذه الاقسام الثلثة اهم المهمات للانبياء والرسل

في ان يشتغلوا بتعريفها وتفصيل آثارها واعلم ان المهمات على قسمين احدهما

ازالة ما لا ينبغي والثاني تحصيل ما ينبغي والاول متقدم على الثاني لان اللوح اذا حصل فيه

نقوش فاسدة فالواجب ازالتها حتى يمكن تحصيل النقوش الصحيحة فيه ثانيا فثبت

ان ازالة ما لا ينبغي متقدمة على تحصيل ما ينبغي فلهذا السبب اول ما ذكره الله في القرآن

هذه المراتب وهي سبعة فالمرتبة الاولى ازالة ما لا ينبغي وهو المراد بالتقى فلهذا بدأ الله بذكره

فقال هدى للمتقين واما سائر المراتب بعد ذلك ففيه اشارة الى تحصيل ما ينبغي واشرف

ما يتعلق بالانسان هو النفس واوسط المراتب البدن وادونها المال فلهذا ذكر بعد

قوله هدى للمتقين قوله يؤمنون بالغيب فان محل الايمان هو القلب ثم بعده قوله

ويقيمون الصلوة لانها تتعلق بالبدن واخره قوله ومما رزقناهم ينفقون لانه يتعلق بالمال وما

فهذه الاحوال الاربعة المتعلقة بالالهيات اردفها بذكر مرتبتين تتعلقان بالنبوات فقال

والذين يؤمنون بما انزل اليك وهو اشارة الى وجوب الايمان بالرسول الحاضر ثم قال

وما انزل من قبلك وهو اشارة الى وجوب الايمان بسائر الانبياء والمتقدمين وعند هذا

تم ما يحتاج اليه في باب النبوات ثم قال في المرتبة السابعة وبالآخرة هم يوقنون وهو اشارة

الى الايمان بالبعث والقيامة ثم لما ذكر هذه المراتب السبع وهي الاصول المتعلقة بالامس

واليوم والغد فقد تمت المطالب وكملت المصالح فلهذا قال بعده اولئك على هدى

من ربهم واولئك هم المفلحون وذلك لان الانسان ما دام يكون في الدنيا فهو في الطريق

واحسن احوال المسافر ان يكون على هدى من معرفة الطريق واذا مات فقد وصل المسافر

الى المقصد واحسن احواله ان يكون قد افلح في ذلك السفر وفاز بالخيرات

بحث نبوت از معارج القدس امام غزالی [1]

قاعدة في النبوة والرسالة ويشتمل على بيانات، بيان ان الرسالة هل تقتضي

بالحد ام لا وبيان ان الرسالة مكتسبة او اثرة ربانية وبيان اثبات الرسالة بالبرهان وبيان

خواص الرسالة وهي المعجزات وبيان كيفية الدعوة وما يؤخذ من السمع وما لا يؤخذ

بيان ان الرسالة هل تقتضي بالحد والحقيقة بذكر جنسها وفصلها وذلك لان

معرفة الاشياء لا يتوقف على الظفر بحدها ورسمها وحدها بذكر جنسها وفصلها فكم من موجود

لا جنس له ولا فصل ولا حد له ولا رسم وما له جنس وفصل فربما لا يظفر بجنسه وفصله الذاتي

[1] اس عبارت کا حاصل ترجمہ خاتمہ میں آئیگا

الامور لكن الكشف عن اعطاء الحد والرسم عسير على الاذهان تعريفه الا على وجوده او حقيقته باشارة فان العقل والنفس وكثيرا من المفارقات يتصور ولا حد لها ولا رسم وانما يدل عليها بالبرهان ولو سئل سائل نبيا من الانبياء عن خواص الرسالة وماهيتها واراد حدها بجنسها وفصلها اترى كيف كان جوابه عنها او كان يشرع في تحقيق ذلك وذكر حدها ورسمها وتعديد خواصه حتى يتوقف على معرفة ذلك كلمه وان لم يعرف لم يستجيب ذلك لا يمكنه تصديقه ام كان يجب عليه التصديق في الحال سواء عرف حد الرسالة او لم يعرف واذا كانت الرسالة مرتبة فوق مرتبة الانسانية كما كانت الانسانية مرتبة فوق مرتبة الحيوانية لم يتوقف اتباع الرسول على معرفة الرسالة كما لا يتوقف استسخار الحيوان على معرفة الانسانية بل الانسان لو اراد تعريف الحيوان خواص الانسانية كان ذلك سفها منه وتكليف ما لا يطاق لكن الملك لو اراد الرسول تعريف الانسان خواص الرسالة كان ذلك تكليفا منه ما لا يطاق فلا المطالبة عليه متوجه ولا الجواب عنه لازم وهذا كما طالب فرعون موسى عليه السلام بقوله ما ماهية رب العلمين قال وما رب العلمين قال رب السموات والارض وما بينهما ان كنتم موقنين وطالبه ثانيا وثالثا فلم يات بالحد ولا بالرسم ولم يذكر جنسها ولا فصلها في تعريف مسألة الا بالربوبية المحضة والتعريف بالخلائق ومكانياتها وزمانياتها والمواليد التي بين المكان والزمان۔

بيان ان الرسالة خطوة مكتسبة ام اثرة ربانية فنقول اعلم ان الرسالة اثرة علوية وحظوة ربانية وعطية الهية لا يكتسب بجهد ولا ينال بكسب الله اعلم حيث يجعل

رسالته ولكن الكذا اوحينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان
لكن لجهد والكسب في اعداد النفس لقبول آثار الوحي بالعبادات المشفوعة بالفكرة و
المعاملات الخالصة عن الرياء والسمعة من لوازمها فليس الامر فيهما اتفاقيا جزافا حتى ينالها
كل من دب ودرج ومن تبا على جهد وكسب حتى يصيبها كل من بكر وادلج وكما ان الانسانية
لنوع الانسان والملكية لنوع الملائكة ليست مكتسبة لاشخاص النوع وان العمل بموجب
النوعية ليس يخلو عن اكتساب واختيار للاعداد واستعداد كذلك النبوة لنوع الانبياء
ليست مكتسبة لاشخاص النوع وان العمل بموجب النبوة ليس يخلو عن اكتساب واختيار للاعداد
واستعداد فيوحى اليه طه ما انزلنا عليك القرآن لتشقى حين تورمت قدماه
من العبادة حتى قال فلا اكون عبدا شكورا وكان صلى الله عليه وسلم يتحنث قبل
الوحي وحببت اليه الخلوة وكان يرى الرويا فياتي مثل فلق الصبح على انها احوال
عرضية واعراض طارية على النوعية بنوع استحبابا واستحقاق من كمال تركيب المزاج وحسن
الصورة وتمام الاعتدال وطهارة النشوء والتربية وطيب الاعراق ومكارم الاخلاق والسمت
الصالح والاناءة والوقار ولين الجانب وخفض الجناح والرحمة والرافة بالاولياء والشدة
والبأس على الاعداء وصدق الحديث واداء الامانة والصون عن جميع الرذائل والتحلي
بانواع الفضائل وزكاء العرض عن جميع الدنيات والعفو عمن ظلمه والاحسان الى من اساء
اليه وصلة الرحم وحفظ الغيب وحسن الجوار واعانة المظلوم واعانة الملهوف وحب
المعروف وبغض المنكر وغير ذلك ما ضل صاحبكم وما غوى في هذا العلم ما زاغ البصر

وما طغى فى ذالك اعالم تعنوله نفوس العالمين طوعا وكرها وهو غير متكبر ولا جبار
ولا فظ غليظ بها اذا سكت ولا عيا اذا نطق لطيف الشمائل اذا تحرك وسكن قد تمحض
باحتمال اعباء ما تحمل من الرسالة فاداها وافاض رحمة على العالمين فوفاها صلى الله عليه وسلم وعلى اله الطاهرين

بيان اثبات الرسالة وبيان اثباتها بطريقين احدهما جملى والاخر تفصيلى اما

الجملى فهو كما ان نوع الانسان تميز على سائر الحيوان بنفس ناطقة هى فوقها بالفضيلة العقلية
والمسخرة لها والمالكة عليها والمتصرفة فيها كذلك نفوس الانبياء عليهم السلام تميزت عن
نفوس الناس بعقل هادٍ مهدى هو فوق العقول كلها بالفضيلة الربانية والمدبرة لها
والمالكة عليها والمتصرفة فيها وكما ان حركات الانسان معجزات الحيوان فليس حيوان يتحرك مثل
حركته الفكرية والقولية والعقلية كذلك جميع حركات النبى معجزات للانسان فليس انسان يتحرك
مثل حركته الفكرية والقولية والفعلية وكما تميز النبى عن الناس بعقله المناسب للعقول
المفارقة والعقل الاول كذلك تميز بنفسه المشاكل لنفوس السماويات والنفس الكلية
وكذلك تميز بطبعه ومزاجه المستعد لقبول مثل هذا العقل والنفس المفعول وكما لا يتصور
فى سنة الفطرة الالهية ان يكون من نطفة كل حيوان انسان كذلك لا يتصور فى سنة الفطرة
ان يكون من نطفة كل انسان نبى الله يخلق ما يشاء ويختار الله يصطفى من الملائكة رسلا
ومن الناس فهو المختار فى طبعه ومزاجه المصطفى بنفسه وعقله لا يشاركه فيها احد من الناس
ومن وجه اخر النبى وان شارك الناس فى البشرية والانسانية من حيث الصورة فقد باينهم
من حيث المعنى اذ بشريته فوق بشرية الناس لاستعداد البشرية قبول الوحى قل انما انا بشر مثلكم

اشارة الى طرف المتشابهة من حيث الصورة وتوجيه الى اشارة الى طرف المباينة من حيث المعنى

اما من حيث التفصيل فمن طرق

الطريق الاول برهان الشيخ من الحركات الاختيارية وهي اقسام ثلثة فكرية

وقولية وعملية والحركة الفكرية يتخللها الحق والباطل والقولية يتخللها الصدق و

والكذب والعملية يتخللها الخير والشر وعند الاعتبارات اصطلاحية والمعنى مستقيم فيها

مفهوم عنها ولا نشك انها من نصابها او اختلافها ليست واجبة بجملتها و واجبة التحصيل

فان من افتى بهذا القول يكون منحرفا فعلا بفتواه لان فتواه من جملة الحركات وهو واجب الفعل وليس كلها

واجب الترك فان من افتى بهذا ينبغي ان لا يكون يتنفس لان تنفسه حركة وهي واجبة الترك فظهر من

هذا ان بعضها واجب الترك وبعضها واجب الفعل واذا ثبت هذا فقد ثبت حدود

في الحركات حتى كان بعضها خيرا واجب الفعل وبعضها شرا واجب الترك فالتمييز بين

حركة وحركة بالحدود لا يخلو اما ان يعرفه كل احد او لا يعرفه احد او يعرفه بعض دون

بعض وظاهر انه لا يعرفه كل احد وباطل انه يعرفه كل حد فظهر انه يعرفه احد دون احد

فثبت بالتقسيم الاول حدود في الحركات وثبت بالتقسيم الثاني اصحاب حدود يعرفونها

وهم الانبياء واصحاب الشرائع والانسان اذا رجع نفسه علم انه اذا لم يكن عارفا بالحدود

يجب ان يكون في حكم اصحاب الحدود وفثبت النبوات بضرورة الحركات —

الطريق الثاني نقول ان نوع الانسان محتاج الى اجتماع في حركاته الاختيارية

ومعاملاته المصلحية ولولا ذلك الاجتماع ما بقي شخصه ولا لم يحفظ نوعه ولا احتاج

وحرميه وكيفية ذالك الاجتماع يسمى ملة وشريعة وبيان ذالك انه فى استبقاء حياته و
واستحفاظ نوعه واحتراس ماله وحرميه محتاج الى تعاون وتمانع اما التعاون فلتحصيل ما ليس له
مما يحتاج اليه فى مطعمه وملبسه ومسكنه واما التمانع فلحفظ ما له من نفسه وولده وحرميه
وماله ولكن الانسان فى استحفاظ نوعه يحتاج الى تعاون فى الازدواج والمشاركة وتمانع بحفظ
ذالك على نفسه وهذا التمانع والتعاون يجب ان يكونا على حد محدود وقضية عادلة و
سنة جامعة مانعة ومن المعلوم ان كل عقل لا يفى بتمهيد هذه السنة على قانون يشتمل مصالح
النوع جملة ويخص حال كل شخص تفصيلا الا ان يكون عقل مؤيد بالوحى مفيض للرسالة مستمد من
الروحانيات الذى قيضت لحفظ نظام العالم وهم بامره لا يعملون وعلى سننهم فى الخلق سائرون و
بحكمه حاكمون فيكون الفيض متصلا بها من المقادير فى الاحكام ثم منها فائضا على الشخص المتحمل
لتلك الامانة القابل لاسرار الله بانه يتبع الحق فى جميع الامور ويتبعه الحق فى جميع الحركات ليكلم
الناس على مقادير عقولهم لعلهم لو وقفوا على تلك المقادير ويكلف العباد على قدر استطاعتهم
بقدرته المحيطة بتلك الاقدار وهذه الدلائل فروع لاصل واحد وهو اثبات الامر لله عز وجل
وهو الطريق الثالث لاثبات النبوة ومن لم يعرف مبادى الامر لم يعرف النبوة قط فان
النبى متوسط الامر كما ان الملك متوسط الخلق والامر وكما وجب الايمان بالله من حيث
الخلق والامر لذلك وجب الايمان بالله وبمتوسطى الخلق والامر كل امن بالله وملائكته وكتبه
ورسله فالطريق فى اثبات الامر على نوعين احدهما ان الممكنات لما احتاجت الى مرجح لجانب
الوجود على العدم وان الحركات لما احتاجت بتجددها الى محركين لهما بالقسر المتناهية من الحركات

الی غیرها مالعنہ والمختلفات عنها الی غیر جهاتها الطبیعیة احتاجت الی کون المحرک مریدا

مختارا اثر المتوجهة منها الی نظام الخیر دون الفساد والشر احتاجت الی کون المحرک امرا

امر التدبیر وذالک قوله تعالی واوحی فی کل سماء امرها والحرکات الانسانیة کما احتاجت الی

ارادة عقلیة فی جهاتها المتباینة لکن الکل احتاجت الی مکلف امرنا لا فی حدودها المختلفة حتی

یختار المکلف الحق دون الباطل فی الحرکات الفکریة والصدق دون الکذب فی الحرکات القولیة والخیر

دون الشر فی الحرکات العملیة وکما ان امر التدبیر جار علی عموم الخلق لنظام وجود العالم الکبیر

کله وذالک قوله تعالی والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر تبارک الله رب العلمین

لکن الکل امر التکلیف جار علی خصوص الخلق لنظام وجود العالم الصغیر وذالک قوله تعالی

یاایها الناس اعبدوا ربکم الذی خلق ولکن الکل جمیع الاوامر والنواهی المتوجهة علی الناس وکما

اوحی فی کل سماء امرها بواسطة ملک لکن الکل اوحی فی کل زمان امرا بواسطة نبی فذلک هو

التقدیر وهذا هو التکلیف ـ

الطریق الثانی فی اثبات الامر الاول ان نقول قد تحقق وثبت بالبراهین

ان الاول المبدع ملک مطاع فله الخلق کله ملکا وملکا وکل ملک فله فی سلطانه

امر ونهی وترغیب وترهیب ووعد ووعید ولا یجوز ان یکون امره محدثا

مخلوقا فان المخلوق من حیث هو مخلوق لا یدل الا علی خالق فلیس له دلالة علی الامر بمعنی

الاقتضاء والطلب والتکلیف والتعریف والحث والزجر والترغیب والترهیب ومن لم

یثبت لله تعالی امرا یطاع فقد احال کل هذه الاوامر والنواهی والتذکیرات والتنبیهات علی من

النبوة مقصورة عليه غير متعدية عنه وما يضيفها الى الله تعالى من قال الله وذكر الله وامر الله ونهى الله ووعد الله ووعيد الله يكون مجازا لا حقيقة وترويجا للكلام على العامة لا تحقيقا ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا او قال اوحى الى ولم يوح اليه شيء فقد نسبوا النبي الذي هو في اعلى درجات الانسانية الى اشد الظلم الذي هو اسفل الدرجات والخيانة الذي هو اخبث الشيئات تعالى منصب النبوة عن ذالك

بيان خواص النبوة وهي خواص ثلث احدها تابعة لقوة التخيل و الثانية تابعة لقوة العقل النظري والثالثة لقوة العقل العملي -

الخاصية الاولى فاعلم اولا انه ليس يمكن ان يبرهن على مبادي العلوم و مقدماتها من العلوم نفسها فليسلم لنا ههنا ان كل معلول فيجب ان يلزم عن علة حتى يوجد وما دام ممكن الوجود عنه فليس يوجد وان الحركة السماوية اختيارية وان الحركة الاختيارية لا يلزم الا عن اختيار بالغ موجب للفعل وان الاختيار للامر الكلي لا يوجب شيئا فانه يلزم للامر الجزئي بعينه عن اختيار جزئي يخصه بعينه وان الحركات التي توجد بالفعل هي كلها جزئية فيجب ان كانت اختيارية ان يكون عن اختيار جزئي فيجب ان يكون المحرك لها مدركا للجزئيات ولا يكون التي عقلا صرفا بل يكون نفسا يستعمل آلة جسمانية يدرك بها امورا جزئية ادراكا اما ان يكون تخيلا او تعقلا عمليا هو ارفع من التخيل وله ايضا عقل كلي يستمد من العقل المفارق الذي يدرك العلوم الكلية وهذا كله مبين في العلوم الالهية فيظهر من تسليم هذه ان الحركات السماوية يحركها كل واحد منها جوهر نفساني يتعقل الجزئيات بالنحو من التعقل

الذي يخصهما ويرتسم فيه صورها وصور الحركات التي يختارها كل واحد منها ويعادله
حتى يكون هيئات الحركات تتجدد فيهما دائما حتى تتجدد الحركات فيكون يتصور لا محالة
حينئذ الغايات التي يؤدي اليها الحركات في هذا العالم ويتصور هذا العالم ايضا بتفصيله
وتلخيصه والاجزاء التي فيه لا يغرب منها شيء ويلزم ذلك ان يتصور الامور التي تحدث في
المستقبل وذلك لانها امور يلزم وجودها عن النسبة التي بين الحركات المتعلقة عندها
بالشخصية والنسب التي بين الامور التي ههنا والنسب التي بين هذه الامور وتلك الحركات
فلا يخرج النسبة عن ان يكون حدوثه في المستقبل لانما لو وجدت لا على ما هي عليه في الحال
فان الامور اما ان يكون بالطبع واما ان يكون بالاختيار واما ان يكون بالاتفاق والتي
يكون عن الطبع اما طبع حاصل ههنا اوليا او طبع حادث ههنا عن طبع ههنا او طبع حادث
عن طبع سماوي واما الاختيارات فانها يلزم الاختيار والاختيار حادث وكل حادث بعد
ما لم يكن فله علة وحدوثها بلزوم علته اما شيء كائن ههنا على احدى الجهات او شيء سماوي
او شيء مشترك بينهما واما الاتفاقات فهي اصطكاكات ومصادمات بين هذه الامور الطبعية
والاختيارية بعضها مع بعض في مجاريها فيكون اذن الاشياء الممكنة ما لم يجب لو توجد
وانما يجب لا بذاتها بل بالقياس الى عللها والى الاجتماعات التي لعلل شتى فاذا يكون
كل شيء متكون متصورا لجميع الاحوال الموجودة في الحال من الطبعية والارادة الارضية
والسماوية وملاحظ كل واحد منها ومجراه في الحال فانما يتصور ما يجب عن استقرار هذه
ماخذها من الكائنات والكائنات انما يجب عنها كما قلنا فالكائنات اذا قد يدرك قبل الكون

لا من جهة ما هي ممكنة بل من جهة ما يجب وانما لا ندركها نحن لانه اما يخفى علينا جميع
اسبابها الاخذة نحوها ويظهر لنا بعضها فتعقد ربما يظهر لنا منها ما يقع لنا حدس
وظن بوجودها وبعقد ربما يخفى علينا منها ما يتدرك لنا الشك في وجودها واما المحركات
للاجرام السماوية فيحضرها جميع الاحوال المتقدمة معا فيلزمه ان يحضرها جميع الاحوال المتاخرة
معا فيكون هيئة العالم بما يريد ان يكون فيه يرتسم هناك ثم تلك الصورة لا وحدها
بل الصورة العقلية التي في الجواهر المفارقة غير محتجبة عن انفسنا بحجاب البتة من جهتها
انما الحجاب هو في قوتها اما لضعفها او لاشتغالها بغير الجهة التي عندها يكون الوصول
اليها ولا اتصال بها واما اذا لم يكن احدى المعنيين فان الاتصال بها مبذول وليست مما
يحتاج انفسنا وادراكها الى شيء غير الاتصال بها ومطالعتها فاما الصور العقلية
كذا في الاصل
فان الاتصال بها بالعقل النظري فاما هذه الصور التي الكلام فيها فان النفس انما تتصورها
لقوة اخرى وهو العقل العملي ويخدمه في هذا الباب التخيل فيكون الامور الجزئية ينالها
النفس بقوتها التي تسمى عقلا عمليا من الجواهر العالية النفسانية ويكون الامور الكلية
ينالها النفس بقوتها التي تسمى عقلا نظريا من الجواهر العالية العقلية التي لا يجوز ان يكون فيها
شيء من الصور الجزئية البتة ويختلف الاستعدادات للنفوس جميعا في الانفس خصوصا
الاستعداد لقبول الجزئيات بالاتصال بهذه الجواهر النفسانية فبعض الانفس
يضعف فيها او يقل هذا الاستعداد لضعف القوة المتخيلة وبعضها لا يكون فيه
هذا الاستعداد اصلا لضعف القوة المتخيلة ايضا وبعضه يكون هذا فيه اقوى

حتى ان الحس اذا ترك استعماله القوة المتخيلة وترك شغله بما يورد عليه جذبها القوة
العقلية الى تلك الجهة حتى انطبع فيها تلك الصورة الا ان القوة المتخيلة لما فيها
من الغريزة المحاكية والمنتقلة عن شيء الى غيره يترك ما اخذت وتورد شبيهه او ضده
او مناسبه كما يعرض لليقظان من انه يشاهد شيئا فينعطف عنه التخيل الى اشياء اخر
يحضرها مما يتصل به بوجه حتى ينسيه الشيء الاول فيعود على سبيل التحليل والتخمين
ويرجع الى الشيء الاول بان ياخذ الحاضر مما قد تادى اليه الخيال فيفطن انه خطر في الخيال
تابعا لاي صورة تقدمته وتلك لاي اخرى ولكن لكي ينتهي الى المبدء ويتذكر ما نسيه
لان الكل التعبير هو تحليل بالعكس لفعل التخيل حتى ينتهي الى الشيء الذي يكون للنفس شاهدته
حين اتصالها بذلك العالم ولحدة المتخيلة تنتقل عنه الى اشياء اخرى فهذه طبقة وطبقة
اخرى يقوى استعداد نفسها حتى تنسيه ما نالت هناك ويستقر عليه الخيال من غير ان يغلبه
الخيال وينتقل الى غيره فيكون الرؤيا التي لا يحتاج الى تعبير وطبقة اخرى اشد من تلك
الطبقة وهم القوم الذين تبلغ من كمال قوتهم المتخيلة وشدتها انها لا يستغرقها القوى
الحسية في ايراد ما يورد عليها حتى يمنعها ذلك عن خدمة النفس الناطقة في اتصالها بتلك
المبادي الموجبة اليها بالامور الجزئية فيتصل لذلك في حال اليقظة ويقبل تلك الصورة ثم
ان المتخيلة يفعل مثل ما يفعل في حال الرؤيا المحتاجة الى التعبير بان يأخذ تلك الاحوال و
يحاكيها ويستولي على الحسية حتى تؤثر ما يتخيل فيها من تلك في قوة بنطاسيا بان ينطبع الصور
الحاصلة فيها في البنطاسيا المشاركة فيشاهد صورا الهية عجيبة مرئية واقاويل الهية مسموعة مثل

تلك المدركات الوحيية وهذه ادون درجات المعنى المسمى بالنبوة واقوى من هذا ان
يستثبت تلك الاحوال والصور على هيآتها ما تعرض للقوة المتخيلة عن الانصراف الى محاكاتها
باشياء اخرى واقوى من هذا ان يكون المتخيلة مستمرة فى محاكاتها والعقلى والعملى والوهم
لا يختلفان عن استثباته فتثبت فى الذاكرة صورة ما اخذت وتقبل المتخيلة على بنطاسيا
ويحاكى فيه فاقبلت بصورة عجيبة مسموعة ومبصرة ويودى كل واحد منهما على وجهه
وهذه طبقة النبوات المتعلقة بالقوة العقلية والعملية والخيالية وانظر قصص القرآن
كيف تتعلق على جزئياتها كانه شاهدها وحضرها كانها تبرى من النبى وسمع وكيف صدقت
بحيث لم يشكرها احد من منكرى النبوة ولا يتعجبن متعجب من قولنا ان المتخيل قد يرتسم فى
بنطاسيا فيشاهد فان المجانين قد يشاهدون ما يتخيلون ولذلك علة تتصل بما ناله
السبب الذى لاجله يعرض لهم ويريد ان يخبروا بالامور الكائنة فيصدقون فى الكثير ولذلك
مقدمة وهو ان القوة المتخيلة كالموضوعة بين قوتين مستعملتين لها سافلة وعالية اما
السافلة فالحس فانها يورد عليها صورا محسوسة لتشغلها بها واما العالية فالعقل فانه
بقوته يصرفها عن التخيل الكاذبات التى يورده الحواس عليها ولا يستعملها العقل فيها واجتماع
هاتين القوتين على استعمالها يحول بينها وبين التمكن من اصدار افعالها الخاصة
على التمام حتى يكون الصور التى يخيلها بحيث ينطبع فى بنطاسيا انطباعا تاما فيحس
فاذا عرض عنها احدى القوتين لم يبعد ان تقاوم الاخرى فى كثير من الاحوال فلم تمتنع
عن فعلها فيمنعه فتارة تتخلص عن مجاذبة الحس فيقوى على مقاومة العقل

ويميز فيما هو مغلها الخاص غير ملتفت الى معاندة العقل وهذا في حال النوم وعند
احضارها الصورة كالمشاهدة وتارة يتخلص عن سياسة العقل عند فساد الآلة التي
يستعملها العقل في تدبير البدن فيستقصي في الحس ولا يمكنها من شغلها بل يمعن
في ابراز افاعيلها حتى يصير ما ينطبع فيها من الصور كالمشاهدة لانطباعها في الحواس وهذا
في حال المجنون وقد يعرض مثل ذلك عند الخوف مما يعرض من ضعف النفس وانخذالها واستيلاء
الوهم والظن المعينين للتخيل على العقل فيشاهد امورا موحشة فالممرورين والمجانين يعرض
لهم ان يتخيلوا ما ليس بموجود لسبب واما اخبارهم بالغيب فانما يتفق اكثر ذلك لهم
عند احوال كالصرع والغشي يفسد حركات قواهم الحسية وقد يعرض ان تكل قوتهم
المتخيلة لكثرة حركاتهم المضطربة لانها قوة بدنية ويكون همهم عن المحسوسات مصروفة
فيكثر رفضهم للحس واذا كان كذلك فقد يتفق ان لا يشتغل هذه القوة بالحواس اشتغالا
مستغرقا ويعرض لها ادنى سكون عن حركاتها المضطربة وليسهل ايضا انجذابها
مع النفس الناطقة فيعرض للعقل العملي اطلاع الى افق عالم النفس المذكور فيشاهد ما هنالك
ويتادى ما يشاهده الى الخيال فيظهر فيه كالمشاهد المسموع فحينئذ اذا اخبر به
الممرور وخرج وفق مقاله يكون قد تكهن بالكائنات المستقبلة والآن فيجب ان نختم
هذا البيان فقد اوردنا فيه نكت الاسرار المكنونة **فان قال** قائل اذا كان اصحاب
الجن والكهنة والعرافين وبعض المجانين ربما يخبرون عن الغيب ويصدق خبرهم
وينذرون بلا ياتي ويتحقق اثرها فبطلت خاصية النبوة **فالجواب** ان يقر قد بينا

قبل ذلك في البيانات المتقدمة ان التخيل في الحيوانات على تفاوت وتفاضل وتضاد و
ترتب حتى قال بعض الحكماء ان اعلى درجاته ان يصل نفس الى النفس التي هي
مدبر فلك القمر الذي هو واهب الصور ولولا ان الجزئيات من الموجودات الكائنة الفاسدة
متصورة متخيلة في ذات النفس الفلكي والا لما افاض على مادة ما يستحقه
ولا مانع لها من تصور اللوازم الجزئية من الكائنات عنها في العالم العنصري وكانه بهذا
المعنى صار للاجسام السماوية زيادة على العقل المفارق لتظاهر رأي جزئي واخر
كلي وان كان الرأي الكلي مستمدا من العقول فاذا فهمت هذا فالنفوس البشرية
ان تتفق بنقش ذلك العالم بحسب الاستعداد وزوال المانع ويكون كالمرآة المقابلة
للنفس الفلكي حتى يقع فيها جميع ما في النفس الفلكي فالى هذا الحد عظموا امر الخيال
واما في جانب السفل فالى حيوان عديم التخيل او ضعيف التخيل سريع النسيان لا يمكنه ان
يستثبت الصورة ساعة او لحظة بل يتجدد له الخيالات بحسب تجدد الحركات وهذا على
نمط التفاوت بالتفاضل واما ما هو على نمط التفاوت بالتضاد فكخيال وتخيل كله حق نشأ
من نفس خيرة وهو كخيال وتخيل كله نشأ عن نفس شريرة وكخيال وتخيل بين الطرفين
ان التفت الى الخير التحق به وان التفت الى الشر التحق به وههنا نمط آخر من الكلام وهو
اثبات عقل يتجرد عن كل خيال واثبات خيال يتجرد عن كل عقل واثبات عقل كله خيال واثبات
خيال كله عقل وههنا امر عمل من خيال وخيال عمل من حس وعقل عمل من خيال وخيال
عمل من عقل وههنا علم على مزاج الظن وظن على مزاج العلم وانهم ظنوا كما ظننتم

ان لن يبعث الله احدا اشارة الى الظن الاول وانا ظننا ان لن نعجز الله في الارض ولن نعجزه
هربا اشارة الى الظن الثاني واختصاص الظن بالجن في القران يشير في خصائص
الجن ان وجودهم خيالي وتصوراتهم خيالية وصورهم لا يتراءى الا للخيال وكمالات
الخيال على وسط بين الحس والعقل فكل ما هو خيالي على وسط بين الجسماني والروحاني كالجن
والشياطين والاوساط ابدا تكون ممزوجة من الطرفين

الخاصية الثانية للنبوة وهي تابعة للقوة النظرية فنقول من المعلوم الظاهر
ان الامور المعقولة التي يتوصل الى اكتسابها بحصول الحد الاوسط بعد الجهل
بها انما يتوصل الى اكتسابها في القياس وهذا الحد الاوسط قد يحصل على ضربين
من الحصول فتارة يحصل بالحدس والحدس هو فعل للذهن يستنبط بذاته الحد الاوسط
والذكاء قوة الحدس وتارة يحصل بالتعلم ومبادي التعلم الحدس فان الاشياء
ينتهي لا محالة الى الحدوس يستنبطها ارباب تلك الحدوس ثم ادوها الى المتعلمين فجائز
ان يقع للانسان بنفسه الحدس وان ينعقد في ذهنه القياس بلا معلم بشري وهذا يتفاوت
بالكم والكيف اما في الكم فلان بعض الناس يكون اكثر حدسا للحدود الوسطى واما
بالكيف فلان بعض الناس يكون اسرع زمان حدس ولان هذا التفاوت ليس منحصرا
في حد بل يقبل الزيادة والنقصان فمنهم غبي لا تعود عليه الفكرة بزيادة ومنهم من له فطانة
الى حد ويستمتع بفكره ومنهم من هو اثقف من ذلك وله اصابة في المعقولات بالحدس وتلك الثقافة
غير متشابهة في الجميع بل ربما قلت وربما كثرت فكما انك تجد جانب النقصان

ينتهي الى حد يكون منعدم الحدس فان يقدر ان جانب الزيادة يمكن ان ينتهي الى حد
يستغني في اكثر احواله عن التفهم والتفكر فيحصل له العلوم دفعة ويحصل معه
الوسائط والدلائل فيمكن اذاً ان شخصاً من الناس قوي النفس لشدة الصفاء
وكمال الاتصال بالمبادي العقلية الى ان يشتعل حدساً في كل شيء فيرتسم فيه الصورة
التي في العقل الفعال اما دفعة واما قريباً من دفعة ارتساماً لا تقليدياً بل يقينياً مع
الحدود الوسطى والبراهين اللائحة والدلائل الواضحة والفرق بين الحدس والفكر
ان الفكر هي الحركة للنفس في المعاني مستعيناً بالتخيل في اكثر الامر يطلب بها
الحد الاوسط وما يجري مجراه مما يصار به الى علم بالمجهول حالة الفقد استعراضاً
للمخزون في الباطن وما يجري مجراه فربما تادت الى المطلوب وربما انبتت واما الحدس
فهو ان يتمثل الحد الاوسط في الذهن دفعة بان يعلم العلة فيعلم المعلول او يعلم
الدليل فيحصل له العلم بالمدلول دفعة او قريباً من دفعة وهذا الحصول يكون تارة
عقيب طلب وشوق وقد يكون من غير طلب واشتياق بان يكون نفساً شريفة
قوية مستضيئة في نفسها فيحصل له العلوم ابتداءً كانه لا يحتاج الى اختياره يكاد زيتها
يضيء ضوء الفطرة ولو لم تمسسه نار الفكرة ولا يفارق طريق الالهام والحدس
طريق الاكتساب والفكر في نفس العلم ولا في محله ولا في سببه لان محل العلم النفس و
سبب العلم العقل الفعال او الملك المقرب ولكن يفارقه في جهة زوال الحجاب فان ذلك
ليس باختيار العبد ولو يفارق الوحي الالهام في شيء من ذلك بل في مشاهدة

الملکة المفید للعلم **سوال** فان قال قائل اذا کان هذه القوة الحدسیة موجودة فی غیر النبی فان الانسان یجد فی نفسه هذا التحدس فی مسائل کثیرة ولکل حد فی صناعته حدس فان شرط فی البین ان یکون فی جمیع المعقولات فهو شرط غیر موجود فانه ربما یمتنع علیه الحدس فی مسئلة او مسائل وایضاً فان عقله حینئذ یکون غیر مشتبه علیه شیء من الغیب والشهادة فیکون بعینه عقلاً بالعقل فلا یحتاج الی وسط فلا یکون له حدس وقد اثبتم له الحدس فهو خلف فان کان الحدس فی بعض المسائل فقد شارکه فیه غیره ولیس لحاکم ان لیس لبعض المسائل اولی من بعض ولیس لحد حد ان یختص بالنبوة فلم یتعین الخاصیة النبوة وایضاً قد رتبتم العقل اربع مراتب الهیولانی والملکة والعقل بالفعل والعقل المستفاد ففی ای مرتبة توجد للنبی خاصیة یتمیز بها عن سائر الناس **الجواب** ان نقول من لم یثبت فی العقول الانسانیة تضاداً او ترتیباً لم یستقم له اثبات هذه الخاصیة اما التضاد فعقل النبی وعقل الکاهن واما الترتیب فعقل النبی وعقل الصدیق والمتضادان خصمان یحتاجان الی حاکم لیس فوقه حاکم والمترتبان ینتهیان الی عقل لیس فوقه عقل وعلی الوجهین جمیعاً عقل النبی فوق العقول کلها وحاکم علیها ومتصرف فیها ومخرجها من القوة الی الفعل ومکملها بالتکلیف الی اقصی غایات الکمال اللائق لکل واحد منها فلا یمکن التعیین علی حد حد اما اذا کان یمکن ان یقال ان هذه القوة قابلة للزیادة والنقصان فعقل النبی فوق العقول کلها۔

الخاصیة الثالثة التابعة للنفس فنقول فتظهر لنا فی العلوم الالهیة ان الصور

التي هي في الاجسام العالمية تابعة في الوجود للصور التي في النفوس والعقول الكلية وان هذه
المادة طوع لقبول ما هو متصور في عالم الغيب فان تلك الصور العقلية مبادى لهذه الصور
الحسية يجب عنها بذاتها وجود هذه الانواع في العوالم الجسمانية والانفس الانسانية قريبة
من تلك الجواهر وقد يجب لها فعلا طبيعيا في البدن الذي لكل نفس فان الصور الارادية
التي ترتسم في النفس يتبعها ضرورة تشكل قسري للاعضاء وتحريك غير طبيعي وميل غير
غريزي منبعث لها الطبيعة والصور الخوفية التي ترتسم في الخيال عنها تحدث عنها في البدن
مزاج من غير استحالة عن محيل طبيعي سببه بنفسه والصورة الغضبية التي ترتسم في الخيال
يحدث في البدن مزاج آخر من غير محيل سببية والصورة المعشوقة عند القوة الشهوانية
اذا انحفظت في الخيال يحدث عنها مزاج يحدث ريحا عن المادة الرطبة في البدن ويجيء بها الى
العضو الموضوع آلة للفعل الشهواني حتى يستعد لذلك الشان وليست طبيعة البدن
الا من عنصر العالم ولولا ان هذه الطبائع موجودة في جوهر العنصر لما وجد في هذا
البدن ولا يستنكر ان يكون من القوى النفسانية ما هو اقوى فعلا وتاثيرا من انفسنا حتى
حتى لا يقتصر فعلها في المادة التي رسم لها وهو بدنها بل اذا شاءت احدثت في مادة
العالم ما يتصوره في نفسها ويكون مبدأ لذلك احداث تحريك وتسكين وتبريد
وتسخين وتكثيف وتليين كما يفعل في بدنها فيتبع ذلك ان يحدث سحب
هاطلة ورياح وصواعق وزلازل وصيلح مبيرة ويتبعه مياه وعيون جارية
وما اشبه ذلك في العالم بارادة هذا الانسان الذي يقع له هذا الكمال في جبلة النفس

ثم يكون خيرا متحليا بالسيرة الفاضلة ومحاسن الاخلاق وسير الروحانيين مجتنبا عن
الرذائل ودنيات الامور فهو ذو معجزة من الانبياء اى يدعى النبوة ويتحدى بها ويكون
هذه الامور مقرونة بدعوى النبوة او كرامة من الاولياء ويزيده تزكية لنفسه وضبطه القوى
وسلاسلها من هذا المعنى زيادة على مقتضى جبلته فيبلغ المبلغ الاقصى فيصير كانه نفس ما
للعالم والذى يقع له هذا فى جبلته ثم يكون شريرا ويستعمله فى الشر فهو الساحر الخبيث
واعلم ان هذه الاشياء ليس القول بها والشهادة لها هى ظنون امكانية صير اليها من
امور عقلية فقط وان كان ذلك اصلا معتمدا لو كان ولكنها تجارب لما ثبتت طلب
اسبابها ومن حسن الاتفاق لمحب الاستبصار ان يعرض لهم هذه الاحوال فى انفسهم
او يشاهدوها مرارا متوالية فى غيرهم حتى يصير ذلك ذوقا فى اثبات امور عجيبة
لها وجود وصحة وداعيا له الى طلب سببها فانه اذا اقترن الذوق بالعلم كان
ذلك من اجسم الفوائد واعظم العوائد والله ولى التوفيق

خاتمة لهذا الباب فافضل النوع البشرى من اوتى الكمال فى حدس
القوة النظرية حتى يستغنى عن المعلم البشرى اصلا واوتى القوة المتخيلة مستقامة
وهمة لا يلتفت الى عالم المحسوس بما فيها حتى يشاهد العالم النفسانى بما فيه من
احوال العالم ويستثبتها فى اليقظة فيصير العالم وما يجرى فيها متمثلا لها و
متنقشا بها ويكون لقوته النفسانية ان يؤثر فى عالم الطبيعة حتى ينتهى الى درجة
النفوس السماوية ثم الذى له الامران الاولان وليس الامر الثالث ثم الذى له هذه

التهيؤ الطبيعي في القوة النظرية دون العملية ثم يكتسب هذا الاستكمال في القوة النظرية ولا حصة له في امر القوة العملية من الحكماء مدلورين من الذي ليس له في القوة النظرية لا تهيؤ طبيعي ولا اكتساب تكلفي ولكن له التهيؤ في القوة العملية فالرئيس المطلق والملك الحقيقي الذي يستحق بذاته ان يملك هو الاول من العدة المذكورين الذي ان نسب نفسه الى عالم العقل وجد كانه يتصل به دفعة وان نسب الى عالم النفس وجد كانه من سكان ذالك العالم وان نسب نفسه الى عالم الطبيعة كان فعالا فيهما ما يشاء والذي يتلوه رئيس كبير بعده في المرتبة والباقون هم اشراف النوع الانساني وكرامه واما الذين ليس لهم استكمال شيء من القوى الا انهم يصلحون الاخلاق ويعينون الملكات الفضيلة فهم الاذكياء من النوع الانساني ليسوا من ذوي المراتب العالية الا انهم متميزون عن سائر اصناف الناس —

تنبیہ ۔ معارج القدس کے صحیح نسخے بہت کمیاب ہیں، میرے پاس دو نسخے تھے جن میں سے ایک قدیم اور نسبتہ زیادہ صحیح تھا۔ دونوں کے مقابلہ سے جس قدر تصحیح ممکن تھی کی گئی، لیکن اب بھی بہت سی غلطیاں نظر آتی ہیں۔ جس کا کوئی علاج نہیں —